کھلونا

نئی دہلی

سال نامہ

T.T.
No. 19

2/50

JAMIA PAHAD

ویر صدیقی

امّی نے تمہیں حصّہ دے دیا ــــــ ؟

تصویر : ایں. نظام

اپنا حصّہ دُور کا جلوہ

تصویر: صدّیقی

Tajalli Foundation

Taj Tahir Foundation

ہنسی کا فوّارہ

تصویر: صدیقی

خاموشی کی تصویر

تصویر: ایس۔ نظام

Taj Tahir Foundation

صحت کا راز ـــــــ صرف قہقہے

تصویر: شبیر کے۔ سید

Tahir Foundation

تصویر: صدیقی

نہیں ـــــ ورزش

Taj Tahir Foundation

کھلونے دے کے بہلائی گئی ہوں

تصویر: روشن لال

Taj Tahir Foundation

کامی لڑکی

تصویر: صدیقی

گنتی سیکھ لوں تاکہ بے گنتی نہ پڑیں

سال نامہ

کھلونا نئی دہلی

فروری ۱۹۶۸

۲۳۹ واں پرچہ : بیس واں سال

قیمت سال نامہ : ۲ روپے ۵۰ پیسے

سال بھر کی قیمت : ۸ روپے

گوٹے کی چُنری	ابوالاثر حفیظ جالندھری	۱۵
جواہر لعل نے قلم چُرایا	خواجہ احمد عبّاس	۱۶
سالِ نَو	بسمل سعیدی ٹونکی	۲۱
گناہ کے کیڑے	عصمت چغتائی	۲۲
ایک رات	بلونت سنگھ	۲۷
بہت سے بچّوں کا گھر	احمد ندیم قاسمی	۳۱
زکام اور بنیان	حجاب امتیاز علی	۳۳
بچّے من کے سچّے	ساحر لدھیانوی	۳۷
آئینہ	پرکاش پنڈت	۳۹
الزام	واجدہ تبسّم	۴۳
خانہ بدوش	قتیل شفائی	۴۷
بالو کی بھُجیا، بادام کا مزہ	علی عباس حسینی	۴۹
انوکھا آئینہ	ڈاکٹر شکیل الرحمٰن	۵۲
جشنِ نوشیں	وامق جونپوری	۶۱
مامتا کی پکار	عشرت رحمانی	۶۳
آزادی کا مطلب	ادارہ	۶۷
گڈّو کا کُتّا	نریش کمار شاد	۷۵
ٹرن ٹرن	رضیہ سجّاد ظہیر	۷۷
الف سے ے تک	راجہ مہدی علی خاں مرحوم	۸۱
میری پہلی کہانی	رام لعل	۸۳
آؤ بچّو	حسرت جے پوری	۸۷
چنانچہ	اظہر افسر	۸۸
درباریوں نے انڈے دیئے	غلام احمد فرقت کاکوروی	۹۳
دو پھُول	سعید امرت	۹۵

کھلونا میں شائع ہونے والے تمام ادبی یا غیر ادبی مواد میں نام مقام واقعات اور ادارے قطعی فرضی ہوتے ہیں اور حقیقی افراد، مقامات، واقعات یا اداروں سے ان کی کوئی مطابقت محض اتفاقیہ ہے جس کے لئے ایڈیٹر پبلشر یا مصنف پر کوئی ذمہ داری عاید نہیں ہوتی

مالکان : شمع لمیٹڈ کین طابع وناشر : یونس دہلوی

مقام اشاعت، صدر دفاتر : آصف علی روڈ، نئی دہلی ۱

ٹیلی فون : ۲۷۲۰۶۶، ۲۷۲۰۶۷، ۲۷۲۰۶۸

تار کا پتہ : شمع نئی دہلی

Taj Tahir Foundation

T.T.F LIBRARY
NO. 192

خوب رہی	ادارہ	۹۹
چاند کہ سورج ماموں نانے	رئیس امروہوی	۱۰۷
شہزادہ شاماں	عادل رشید	۱۰۸
سردی کی شان	محمد شفیع الدین نیرؔ	۱۱۷
ٹیڑھا مونہہ	احمد جمال پاشا	۱۱۹
میری بلّی	شمیم کرہانی	۱۲۳
ننھے ماں باپ	فکر تونسوی	۱۲۵
دہلی کی سیر	علقمہ شبلی	۱۲۹
ترقّی کے زینے	م۔م۔راجندر	۱۳۱
سیما	اسما سعیدی	۱۳۵
کیلے کے کارنامے	کے۔پی۔سکسینہ	۱۳۷
بُھلکڑ	ہاجرہ نازلی	۱۳۹
سردی آئی	لطیف فاروقی	۱۴۳
نتھوا	بلدیو شانت	۱۴۵
چاند کی دُنیا	کیفؔ احمد صدّیقی	۱۴۷
اُجلا تن اُجلا من	ڈاکٹر کیول دھیر	۱۴۹
نیند کے ہنڈولے	خضر برنی	۱۵۳
ایک خط	رام پال	۱۵۴
بھینس کے انڈے	اوشا سیٹھ	۱۵۷

ان کے علاوہ :

★ انعامی تصویر اور انعامی کارٹون کے نتیجے

★ خوب صورت تصاویر ★ عجائبات

★ بے گنتی کارٹون

★ پانچ انعامی مقابلے اور بہت سی دل چسپیاں

نگراں:
یوسف دہلوی

مدیر:
الیاس دہلوی

مدیرانِ اعزازی:
یونس دہلوی
ادریس دہلوی

کھلونا میں شائع ہونے والے تمام مضامین اور تصاویر کے جملہ حقوق طبع و نقل بحق پبلشرز محفوظ ہیں۔ کسی طرح بھی اس کے کسی حصّہ کی اشاعت یا کسی بھی طرح استعمال سے پہلے تحریری اجازت لینی ضروری ہے

مطبوعہ: انڈین پرنٹنگ ورکس، نئی دہلی ٹائیٹل کے صفحات: رین بو پرنٹرز، دہلی

ایجنسی: اُردو بازار، جامع مسجد، دہلی ۶
ٹیلی فون: ۲۶۱۷۷۳
دیگر دفاتر: بمبئی، کلکتہ اور مدراس

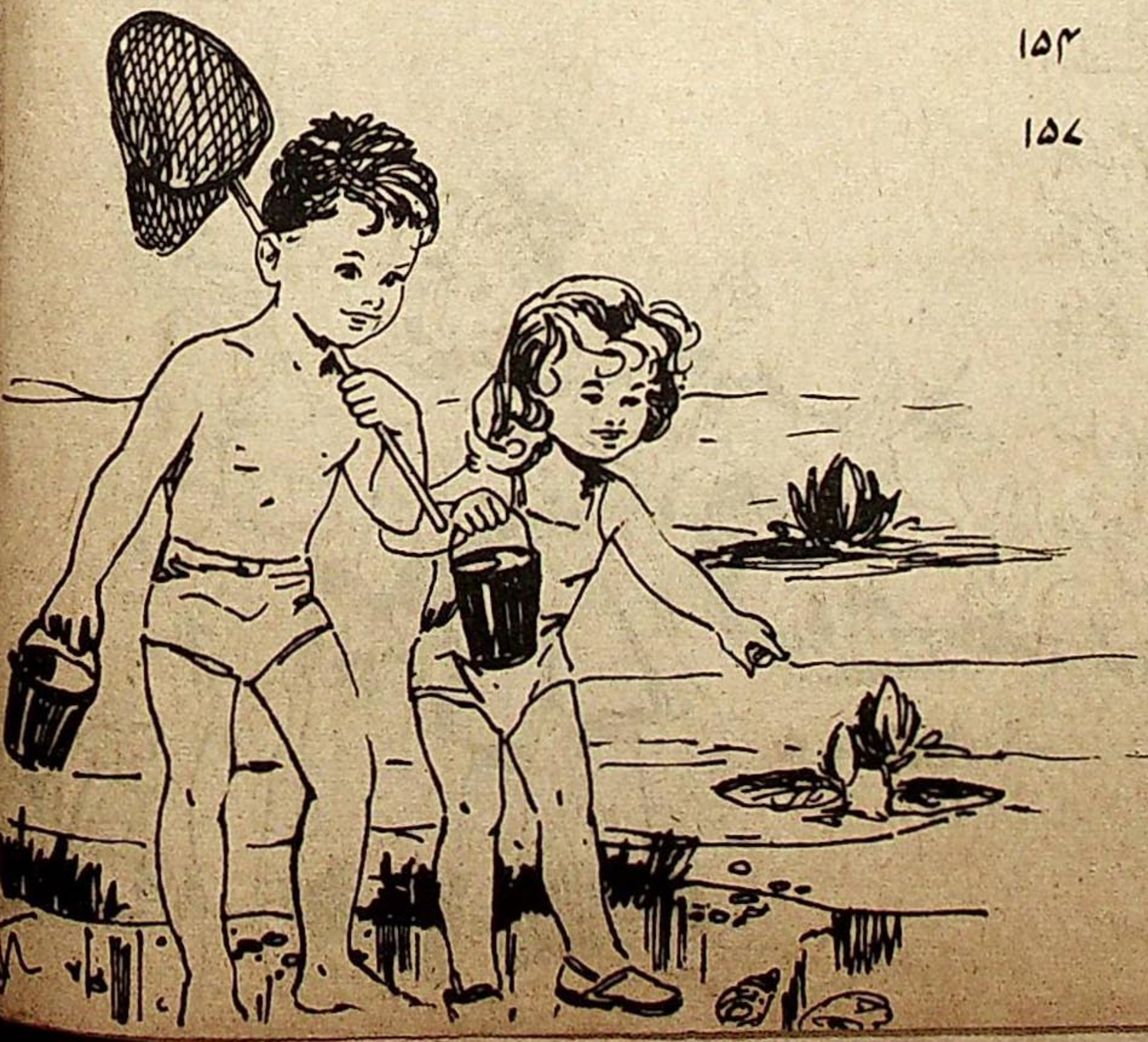

TajTahir Foundation

ایک باتی

کھلونا کا سال نامہ حاضر ہے۔ اس کے لئے تم کو بہت انتظار کرنا پڑا، بہت راہ دیکھنا پڑی، اس کے لئے ہم معافی چاہتے ہیں، کھلونا ہمیشہ وقت پر آتا ہے۔ چاہے اس کا عام پرچہ ہو یا خاص نمبر یا سال نامہ۔ مگر اس بار نہ جانے کیا بات تھی کہ ہر جگہ دیر ہو گئی، ہر کام لیٹ ہو گیا ـــــ مگر تمہارے سال نامہ میں حفیظ جالندھری، خواجہ احمد عبّاس، علی عبّاس حسینی، حجاب امتیاز علی، عادل رشید، احمد ندیم قاسمی، ساحر لدھیانوی، عصمت چغتائی، واجدہ تبسّم، رضیہ سجّاد ظہیر اور نہ جانے کتنے مشہور لکھنے والے حِصّہ لے رہے ہیں، اتنے اچھّے اور مشہور لکھنے والے اتنی تعداد میں شاید ہی کسی سال نامہ میں جمع ہوتے ہیں۔ ہم تمہاری طرف سے ان سب کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

سال نامہ پڑھ کر اپنی رائے جلد ہی بھیجئے۔ تاکہ ہمیں پتہ چلے کہ تمہیں کون سی چیز پسند آئی اور کون سی چیز اچھی نہیں لگی ـــــ بہت سی کہانیاں اور مضامین جو دیر سے آئے تھے سال نامے میں نہیں جا سکے، انہیں تم اگلے پرچوں میں دیکھ سکو گے۔

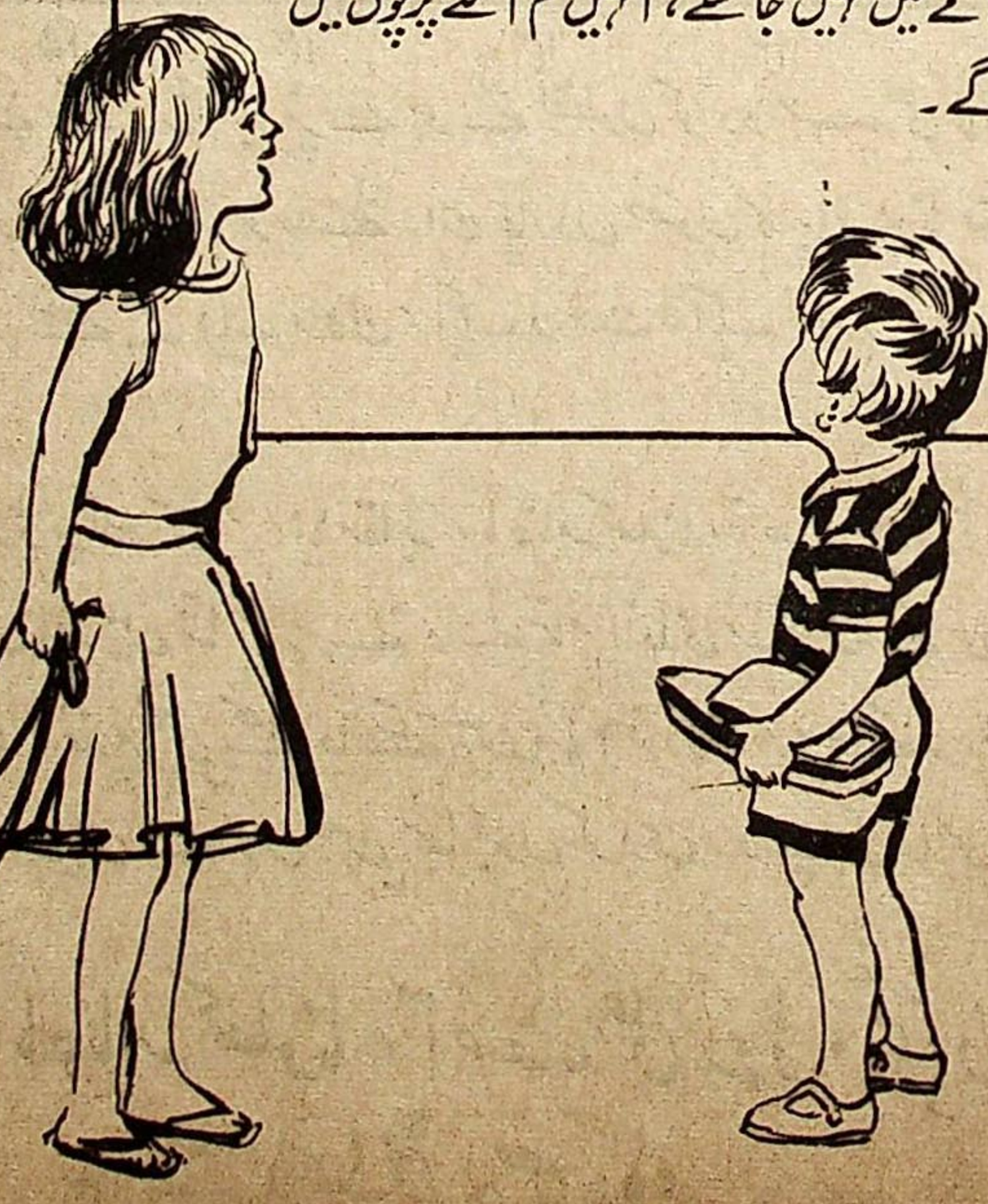

Taj Tahir Foundation

نیا مقابلہ

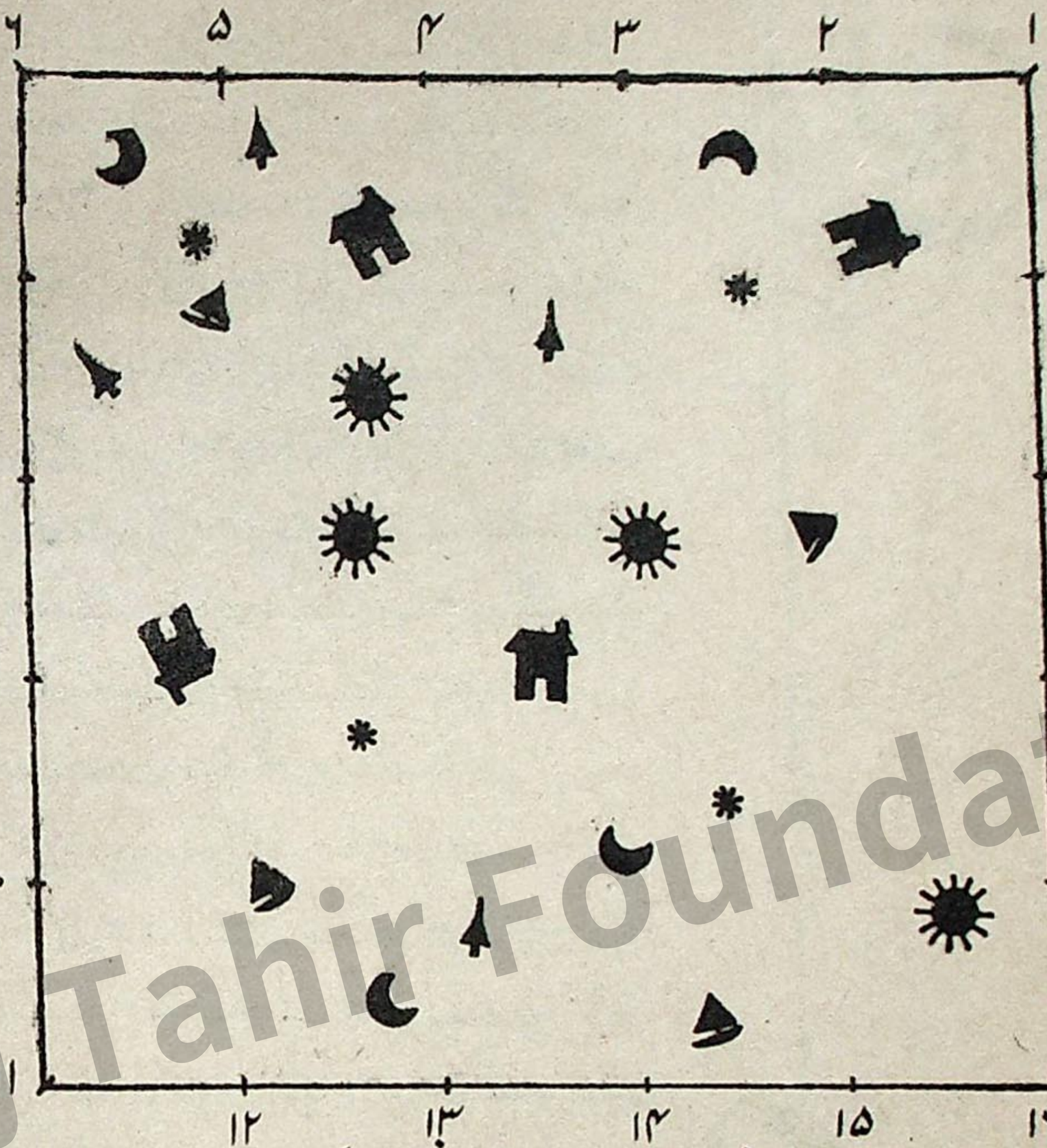

اِس مربّع کے آمنے سامنے کے رُخ نمبر پڑے ہوئے نقطوں کو دو سیدھی لائنوں سے اِس طرح مِلاؤ کہ مربّع چار حصّوں میں تقسیم ہو جائے۔ ان چاروں حصّوں کا برابر ہونا ضروری نہیں ہے، لیکن یہ ضروری ہے کہ ہر حصّے میں ایک مکان، ایک درخت، ایک سورج، ایک چاند، ایک تارا اور ایک کشتی آجائے۔

اپنا جواب ایک پوسٹ کارڈ پر لکھ کر "'نیا مقابلہ'، ماہ نامہ کھلونا، آصف علی روڈ، نئی دہلی نمبرا" کے پتے پر بھیج دو۔ (سال نامہ میں شائع ہونے والے تمام انعامی مقابلوں کے جواب ایک ہی لفافے میں علیحدہ علیحدہ کاغذ پر بھی بھیجے جا سکتے ہیں) ۲۷ فروری ۱۹۶۸ تک ملنے والے جوابوں میں جو جواب صحیح ہوں گے ان میں سے دس بہن بھائیوں کو دس روپے کی کتابیں انعام دی جائیں گی۔

"نیا مقابلہ" ماہ نامہ کھلونا، آصف علی روڈ، نئی دہلی نمبرا

Taj Tahir Foundation

ابوالاثر حفیظؔ جالندھری

چُنری

دیکھ لُوا میری گوٹے کی چُنری

آہا جی ! گُل ناری چُنری — رنگ رنگیلی پیاری چُنری
ململ کی اِک تاری چُنری — نازک نازک ساری چُنری

دیکھ لُوا میری گوٹے کی چُنری

امّی کے کچھ جِی میں آیا — گوٹے کا اِک تھان منگایا
چُنری پر سارا چپکایا — ہر کونے پر پھول بنایا

دیکھ لُوا میری گوٹے کی چُنری

لچکا ہے ہاتھوں میں لچکتا — گوٹا ہے کُندن سا دمکتا
روشنی میں کیسا ہے چمکتا — ہاتھ لگانے سے ہے مسکتا

دیکھ لُوا میری گوٹے کی چُنری

اِس کو خراب نہ ہونے دوں گی — بیٹھوں گی تو سنبھال رکھوں گی
گھر میں جا کر رکھ چھوڑوں گی — ہر تہوار کے دن اوڑھوں گی

دیکھ لُوا میری گوٹے کی چُنری

Taj Tahir Foundation

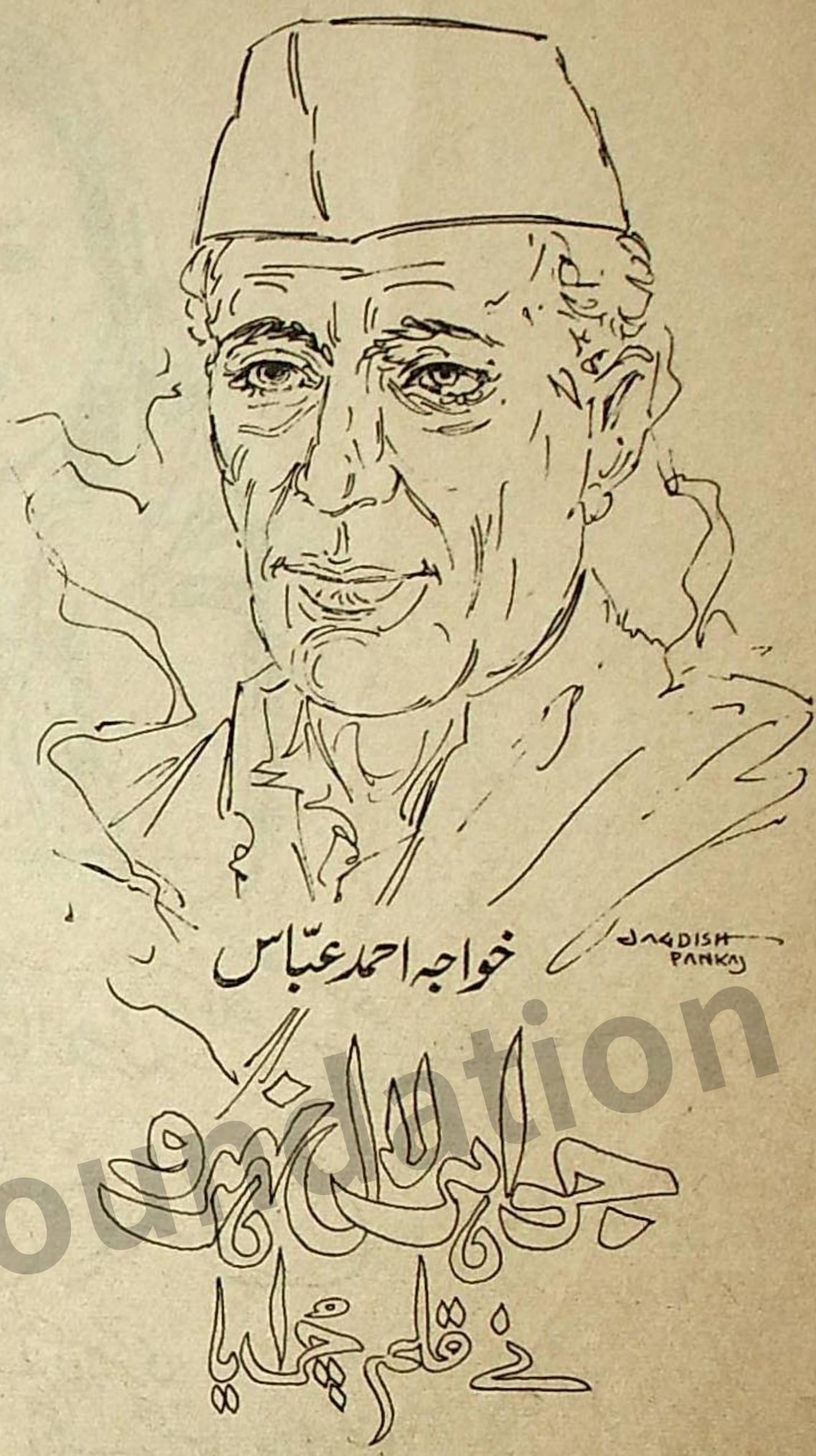

جواہر لال نہرو نے قلم چھایا

خواجہ احمد عبّاس

سب بچّے عام طور پر چور ہوتے ہیں۔ کوئی چُرا کر مٹھائی کھاتا ہے، کوئی دوسرے کے باغ سے امرود، کچّی کیریاں، بیر اور جامن اُڑا لیتا ہے۔ سُنا ہے کہ چُرائی ہوئی چیز میں زیادہ مزا آتا ہے۔ چوری کی کھٹّی اِملی بھی میٹھی ہوتی ہے۔

جب ہم چھوٹے تھے (اس واقعہ کو کتنے برس ہوئے یہ نہیں بتاؤں گا) تو ہمیں تین میل پیدل چل کر اسکول جانا پڑتا تھا۔ گرمیوں کے موسم میں اسکول چھ بجے صبح کو شروع ہوتا تھا۔ اس لئے ہمیں ساڑھے چار پونے پانچ بجے اندھیرے ہی میں گھر سے نکلنا ہوتا تھا۔ راستے میں کتنے ہی کھیت پڑتے تھے۔ اِن کھیتوں میں موسم کے لحاظ سے کبھی مکئی کے بھُٹّے لگے ہوتے تھے، کبھی شلغم، گاجر اور چقندر بوئے ہوتے تھے، کبھی گنّے کی فصل کھڑی ہوتی تھی۔ اور ہمارا ناشتہ راستے ہی میں ہو جاتا تھا۔ کبھی گنّا اُکھاڑ کر اُس کو چُوستے جاتے تھے، کبھی گاجروں اور شلغموں پر ہاتھ صاف کرتے تھے، کبھی بھُٹّے توڑ کر اُن کو راستے میں بھڑ بھونجے کے ہاں بھُنوا کر اُن کے دانے بنوا لیتے تھے۔

جواہر لال نہرو بھی کبھی بچّے تھے۔ بعض لوگوں کا تو یہ کہنا ہے (اور اُن کا خود یہ خیال تھا) کہ اُن کا بچپن کبھی گیا ہی نہیں۔ ستّر برس کی عمر میں بھی اُن کے مزاج میں بچپن کی معصومیت اور بھولاپن تھا۔ وہ اپنی فرصت کا وقت بچّوں کے ساتھ کھیلنے میں گزارنا پسند کرتے تھے۔ بچّوں سے باتیں کرنے میں ان کو بڑا مزا آتا تھا۔ کھیل کھیل میں وہ بچّوں سے بڑے پتے کی بات کہہ جاتے تھے۔

مگر یہ اُس زمانے کا واقعہ ہے جب جواہر لال نہرو سچ مُچ بچّے تھے، اور اُن کی عمر صرف پانچ یا چھ سال کی تھی۔

جواہر لال کے والد پنڈت موتی لال نہرو امیر آدمی تھے۔ بڑے مشہور وکیل تھے۔ اُن کا بہت بڑا گھر تھا جہاں ہر قسم کا قیمتی ساز و سامان تھا۔ سنگِ مرمر کا فرش، بڑے بڑے کمرے، اُن میں ایرانی قالین بچھے ہوئے، میز کرسیاں، صوفے دیوان، سونے کے لئے چھپر کھٹ، مسہریاں۔ مگر اس گھر میں جہاں جواہر لال نہرو نے آنکھ کھولی صرف وہی سب نہیں تھا جو دولت سے حاصل ہوتا ہے، کچھ اور بھی تھا۔ اُن کے والد موتی لال نہرو کے دفتر کے کمرے میں اونچی اونچی الماریاں تھیں، جن میں رنگ برنگی موٹی موٹی کتابیں بھری ہوئی تھیں۔ زیادہ کتابیں قانون کے بارے میں تھیں جن کی ایک کامیاب وکیل کو ضرورت پڑتی ہے۔ لیکن دوسری کتابیں بھی تھیں۔ کتابیں مختلف زبانوں میں تھیں۔ سنسکرت کی کتابیں، فارسی کی کتابیں، اُردو کی کتابیں۔ موتی لال نہرو فارسی کے عالِم تھے اور اُردو ادب اور اُردو شاعری کا اُن کو خاص شوق تھا۔ ہندی کی کتابیں جواہر لال نہرو کی والدہ سروپ

Taj Tahir Foundation

رانی پڑھتی تھیں۔ انگریزی کی کتابیں بھی گھر میں بہت تھیں، کیوں کہ موتی لال نہرو خود اُن کو پڑھتے تھے اور وہ چاہتے تھے کہ اُن کا اکلوتا بیٹا شروع سے ادب اور علم اور سائنس کے ماحول میں پروان چڑھے۔

جواہر لال نہرو کے بچپن میں اُن کو ہر قسم کا آرام میسّر تھا۔ لیکن اُن کے ساتھ کھیلنے والا کوئی نہیں تھا۔ انگریز گورنس تھی۔ کتنے ہی نوکر تھے۔ مگر اپنا ہم عمر کوئی بچہ نہیں تھا۔ اُن کی بہن اُس وقت پیدا ہوئیں جب وہ گیارہ برس کے ہو گئے تھے۔ اِس لئے

اُن کا پورا بچپن اکیلا ہی گزرا۔ دن میں موتی لال جی عدالت کچہری جاتے۔ ماتا جی کا وقت پوجا پاٹھ یا اتنے بڑے گھر کی دیکھ بھال میں گزرتا۔ جواہر لال گھومتے گھومتے باغ میں جا نکلتے۔ لان کی ہری بھری گھاس پر دَوڑ لگاتے یا قلابازیاں کھاتے۔ مالی اُن کو پھُول توڑ کر دیتا۔ پھولوں سے اُن کو اُن دنوں بھی بڑا لگاؤ تھا، اسی لئے تو آخر عمر تک اُن کی شیروانی میں گلاب کا سُرخ پھول لگا رہتا تھا۔ جب وہ باغ میں دَوڑنے بھاگنے سے تھک جاتے تو مکان کے اندر آجاتے۔ کبھی اپنی ماں کے پاس بیٹھ کر رامائن اور مہابھارت کی کہانیاں سنتے۔ کبھی اپنے والد کے منشی مبارک علی صاحب سے الف لیلا کے حیرت انگیز قصّے کہانیاں سنتے۔ پھر بھی دن کسی طرح ختم ہونے میں نہ آتا تو وہ اپنے والد کی لائبریری اور دفتر کے کمرے میں کتابوں کی الماریوں کے درمیان اپنا وقت گزارتے۔

ابھی جواہر لال نہرو اُن کتابوں کو پڑھ نہیں سکتے تھے۔ ابھی تو وہ اپنی انگریز گورنس سے اے بی سی ہی پڑھ رہے تھے اور منشی مبارک علی سے اُردو کی الف، ب، ت سیکھ رہے تھے۔ مگر نہ جانے ان کتابوں میں کیا جادو تھا جو بار بار جواہر لال کو یہاں کھینچ لاتا تھا۔ اونچی الماریوں تک تو اُن کا ہاتھ نہیں پہنچتا تھا، کسی نیچے کے خانے سے کبھی کبھی وہ کوئی کتاب نکال لیتے۔ اس کی جِلد پر لکھے ہوئے سنہری حرفوں کو غور سے دیکھتے۔ پھر ورق اُلٹ کر اگر کتاب میں تصویریں ہوئیں تو ان کو دیکھتے۔ وہ کتاب کے کاغذوں کو سونگھتے۔ ان کتابوں کے اندر بڑی سوندھی سوندھی خوش بو تھی جیسی خوش بو مٹّی میں سے نکلتی ہے، اور جو جِلد کی سرِیش سے مِل جُل کر پیدا ہوتی ہے لیکن پانچ سالہ جواہر لال کو یہ علم کی خوش بو معلوم ہوئی ——— علم جو اِن کتابوں کے اندر تھا اور جس سے دوستی کرنے اور میل ملاقات بڑھانے کے لئے یہ بچّہ بیتاب تھا۔

جب جواہر لال کا کتابوں کی الماریوں سے جی بھر جاتا تو وہ اپنے والد کی لمبی چوڑی میز کی طرف توجہ کرتے۔ یہ میز بھی اُن کا من لُبھانے کی چیز تھی ——— اتنی اونچی کہ پانچ سال کی عمر میں جواہر لال کا قد وہاں تک نہ پہنچتا۔ اس لئے وہ پہلے اپنے والد کی شان دار کُرسی پر چڑھتے، پھر کُرسی کے گدّے پر کھڑے ہو کر میز کا معائنہ کرتے۔ میز پر لکڑی کا حاشیہ چھوڑ کر سبز بانات کا کپڑا لگا تھا۔ اس پر موٹی موٹی قانون کی کتابیں، لمبے لمبے عدالتی کاغذوں کے فائل، اخبار، رسالے قاعدے سے لگے ہوتے۔ بیچ میں ایک گلابی رنگ کا بلاٹنگ پیڈ تھا۔ اس کے سامنے چاندی کے دو فریموں میں جواہر لال کی والدہ اور خود جواہر لال کی تصویریں لگی تھیں۔ یہ جواہر لال کی پہلی سال گرہ کی تصویر تھی، اور خود جواہر لال اکثر حیرت سے سوچتے کیا میں سچ مچ کبھی اتنا چھوٹا سا بچّہ تھا۔

بلاٹنگ پیڈ کے پاس ہی بلوّر کا قلم دان رکھا تھا۔ اُس میں دو دواتیں تھیں۔ ایک میں نیلی روشنائی تھی، دوسری میں لال روشنائی۔ قلم دان میں کئی قلم رکھے ہوئے تھے، کوئی لال روشنائی سے لکھنے کے لئے، کوئی نیلی روشنائی سے۔ جواہر لال نہرو کو لکھنے کے عمل سے اتنی ہی دل چسپی تھی جتنی پڑھنے سے۔ انہوں نے اپنے والد کو لکھتے دیکھا تھا۔ پہلے قلم کی نِب کو روشنائی میں ڈبوتے، پھر کاغذ پر قلم چلتا۔ جیسے گھوڑا چلتا ہے اور اے بی سی جیسے حرف بنتے جاتے اور جب یہ لکھائی پوری ہو جاتی تو لوگ کہتے، "واہ، واہ موتی لال جی آپ نے تو قلم توڑ دیا۔" اور جواہر لال سوچتے شاید لکھنے سے قلم واقعی ٹوٹ گیا ہو، مگر بعد میں جب دفتر خالی ہوتا اور بچّہ قلم کا معائنہ کرتا تو دیکھتا کہ قلم تو صحیح سالم ہے، نِب بھی کہیں سے نہیں ٹوٹی، پھر لوگ کیوں میرے بابا پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ انہوں نے قلم توڑ دیا۔

موتی لال جی کے گھر میں اور اُن کی میز پر بہت سی بڑھیا ولایتی چیزیں تھیں جو اُس زمانے میں اور کسی کے پاس نہیں ہوتی تھیں۔

بڑی بڑی عجیب شکلوں کے چینی اور بلّور کے پیپر ویٹ تھے، ایک ننھّی سی سنہری کُرسی تھی جس کی مخمل کی گدّی میں پنیں لگی رہتی تھیں، ایک ماچس کی ڈِبیا تھی جس میں سے ماچس نکال کر گھِسنا نہیں پڑتا تھا صرف بٹن دبانے سے ایک شعلہ نکلتا تھا، پھر اس سے سگریٹ یا سگار جلا کر دوسرا بٹن دباتے تھے اور شعلہ آپ سے آپ بجھ جاتا تھا۔ دو فاؤنٹن پن تھے۔ یہ قلم ولایت سے آئے تھے اور الہ آباد میں بڑی عجیب چیز سمجھے جاتے تھے۔ ان کے پیٹ میں روشنائی بھری جاتی تھی۔ گویا قلم بھی تھے اور دوات بھی۔ ان دو قلموں کو دیکھ کر جواہر لال کا جی چاہتا تھا کہ وہ بھی اپنے والد کی طرح قلم چلا سکتے۔ ان قلموں سے کاغذ کے کاغذ لفظوں سے بھر سکتے۔ بڑی بڑی کتابیں لکھ سکتے۔ تاکہ لوگ اُن سے بھی کہیں، "واہ واہ، جواہر لال تم نے تو قلم توڑ دیا۔"

ہر روز جواہر لال کُرسی پر چڑھ کر جب میز پر رکھی ہوئی سب چیزوں کا معائنہ کرتے تو اُن کی نظر سمٹ کر اُن دو قلموں پر جم جاتی جیسے وہ قلم کہہ رہے ہوں، "میرا تمہارا زندگی بھر کا ساتھ ہے۔ تم کیوں نہیں مجھے اُٹھا لیتے؟ میں تمہیں لکھنا سِکھاؤں گا۔ میں تمہیں الفاظ کی طاقت دوں گا۔ بیان کا حُسن دوں گا۔ تم مجھے لو تو سہی ہاتھ میں ——"

جواہر لال کو معلوم تھا کہ موتی لال جی کا حکم ہے کہ اُن کی میز کی کسی چیز کو نہ چھیڑا جائے۔ لیکن قلم کا جادو باپ کے حکم سے زیادہ طاقت ور تھا۔ ایک دن جواہر لال نہرو نے ایک قلم اُٹھا ہی لیا۔ پہلے تو ایسے ہی دیکھنے کو اُٹھایا تھا، پھر نِب گھِس کر دیکھا، واقعی بغیر روشنائی میں ڈبوئے چلتا تھا۔ اے۔ بی۔ سی لکھ کر دیکھا۔ پھر الگ الگ حرفوں میں (جیسا اُن کی گورنس نے سِکھایا تھا) اپنا نام لکھا۔ ج۔ و۔ ا۔ ہ۔ ر۔ ل۔ ا۔ ل۔ پھر جوش میں آکر ایک لکیر اس کے نیچے کھینچ دی۔

جواہر لال نے سوچا پتا جی دو قلموں کا کیا کریں گے۔ اُن کے لکھنے کے لئے ایک قلم کافی ہے۔ ننھے سے دماغ میں شاید سوشلزم کا بیج پڑ چکا تھا۔ دنیا کی چیزوں کا بٹوارہ ہونا چاہئے۔ یہ کیا کہ سب اچھی اچھی چیزیں ایک آدمی کو مِل جائیں، اور دوسرے مونہہ دیکھتے رہ جائیں۔ دو قلم ہیں۔ ایک قلم موتی لال کو ملنا چاہئے، دوسرا جواہر لال کو۔ چنانچہ انہوں نے وہ قلم چُرا کر اپنی اندر کی جیب میں رکھ لیا۔

جواہر لال نے اپنی آپ بیتی میں لکھا ہے کہ سارے گھر میں اس قلم کی ڈھنڈیا پڑی۔ نوکروں پر ڈانٹ پڑی۔ اُن پر چوری کا الزام لگا۔ ایک پانچ برس کے بچّے پر کون شبہ کر سکتا تھا۔ جواہر لال نے ڈر کے مارے کھانا پینا چھوڑ دیا۔ مگر چوری کا اقرار نہیں کیا، کیونکہ اُن کا دل نہیں مانتا تھا کہ یہ چوری ہے۔ یہ تو قلموں کا بٹوارہ ہے۔ ایک قلم ہندوستان کے بڑے وکیل موتی لال کے پاس رہے گا کہ وہ اُس سے اپنے مقدموں کی کارروائی لکھیں گے۔ دوسرا جواہر لال کے پاس رہے گا۔ وہ اِس سے کیا لکھے گا؟ یہ اُسے خود اُس وقت نہیں معلوم تھا۔

جب موتی لال کو معلوم ہوا قلم کس نے چُرایا تھا تو انہوں نے بیٹے کی خوب مرمّت کی۔ جواہر لال بہت روئے۔ ماں کی گود میں پناہ لی، لیکن قلم کی چوری سے توبہ نہیں کی۔

موتی لال کو کیا معلوم تھا کہ اس قلم سے آگے چل کر کیا کیا لکھا جائے گا۔

جواہر لال نہرو کی اپنی "آپ بیتی"۔

دنیا کی تاریخ۔

ہندوستان کا اعلانِ آزادی۔

امنِ عالم کی دستاویز۔

لیکن جواہر لال نہرو کا دل کہتا تھا کہ آج جو قلم میں نے چُرا کر اپنے ہاتھ میں لیا ہے اِس میں بہت بڑی طاقت ہے جو ایک دن میں اپنے اور اپنے وطن کے لوگوں کی آزادی اور ترقّی کے لئے استعمال کروں گا۔

●●

Taj Tahir Foundation

Taj Tahir Foundation

سالگرہ

بسمل سعیدی

مبارک باد، اہلِ گُل ستاں، فصلِ بہار آئی، نویدِ سالِ نو لے کر نسیمِ خوش گوار آئی
چلو، صحنِ چمن میں ہم منائیں جشنِ نوروزی
اُٹھو، ابرِ بہار آیا، ہوائے سازگار آئی

آفریں تجھ پر طلوعِ آفتابِ صبحِ نَو، لے کر اِک انگڑائی جاگ اُٹھی ہے روحِ کائنات
ہے تری ایک اِک کرن میں زندگی کی بازگشت
عالمِ انسانیت نے پائی ہے تازہ حیات

صبحِ بہارِ نو ہے اور گُل ستاں ہمارا، گُلشن ہے، شاخِ گُل ہے اور آشیاں ہمارا
ہر صبح اب ہے اپنی، ہر شام اب ہے اپنی
منزل ہے اب ہماری اور کارواں ہمارا

ہے جِلائے روح بھی اور دِل کی تابانی بھی ہے ہونے والی منعقد محفل کی تابانی بھی ہے
مرحبا اے صبحِ امروزِ درخشاں مرحبا
تیرے رُخ پر صبحِ مستقبل کی تابانی بھی ہے

اہلِ کشتی کے لئے کشتی بھی ساحل ہے، مگر، تیرنے والے کا ساحل ہے بہت دُور ابھی
ہیں جو بے حوصلہ ہر گام ہے منزل اُن کی
حوصلہ مند کی منزل ہے بہت دُور ابھی

حاصل نہیں جہاں میں جن کو مقام کوئی، محتاج کوئی جن میں بے ننگ ــــ و نام کوئی
اے صبح و شام والو اُن کی بھی کچھ خبر لو
جن کی نہ صبح کوئی جن کی نہ شام کوئی

Tajbir Foundation

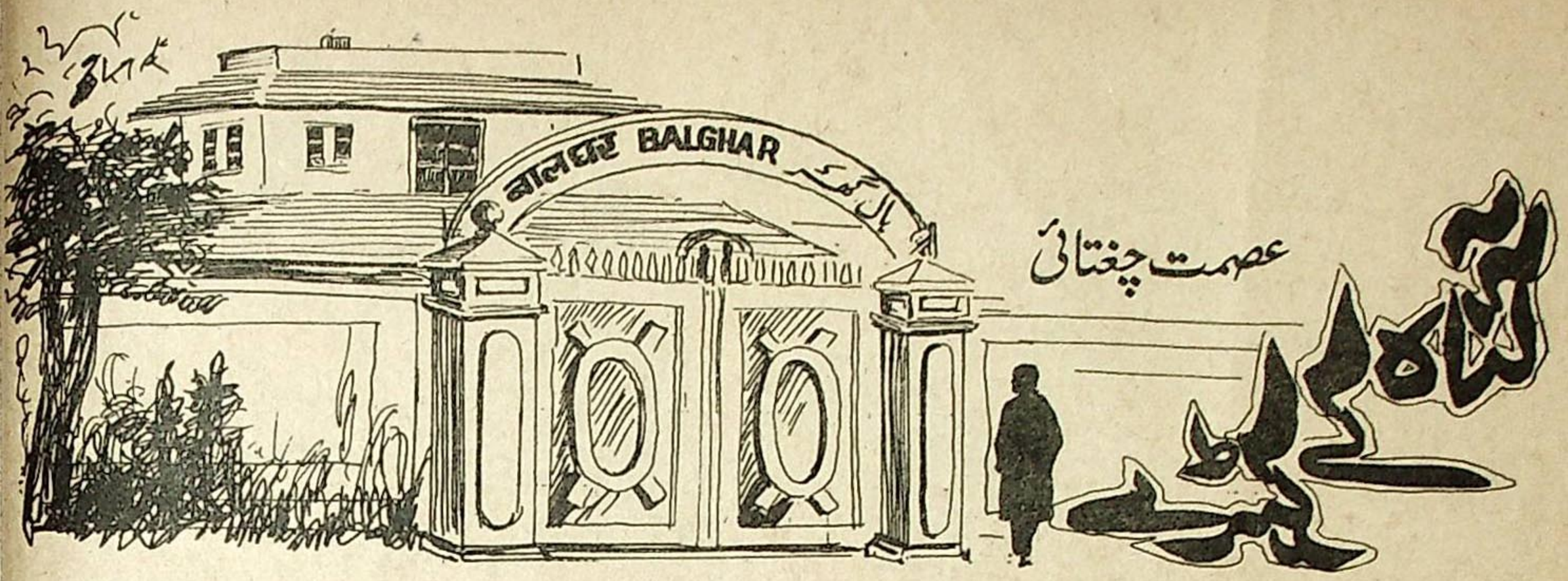

گناہ کے بیج

عصمت چغتائی

گھر میں داخل ہوئی تو ٹیلی فون کی گھنٹی اِس بُری طرح چیخ رہی تھی کہ میرے ہاتھ پاؤں پھُول گئے۔

"آتی ہوں بابا۔" میں نے ٹیلی فون کو ڈانٹا۔ مگر توبہ کرو، کہیں ٹیلی فون سُنا کرتے ہیں۔

"ہلو، میں چندرا بول رہی ہوں۔" ٹیلی فون چُپ ہوا تو دوسری طرف سے آواز آئی۔

"کیوں کیا بات ہے؟ خیریت تو ہے۔" میں نے پوچھا۔

"خیریت ہوتی تو تمہیں کیوں تکلیف دیتی توشی۔۔۔۔۔" اُن کی آواز بھرا گئی۔

"اچھا تو ہے توشی؟"

"ہاں ویسے تو اچھا بھلا ہے۔۔۔۔ دیکھو میں نے گاڑی بھیجی ہے۔ تم فوراً آجاؤ۔"

میں جو چندرا کے ہاں پہنچی تو وہ سچ مچ روئی سی بیٹھی تھیں۔

"ویسے صحت تو اچھی ہے؟" میں نے جاتے ہی سوال کیا۔

"شہر بھر کے مشہور اور ماہر ڈاکٹر بُلا چکی ہوں۔ سب یہی کہتے ہیں بالکل تن درست ہو۔ تین دفعہ ایکس رے کرایا۔ بھئی میں تو سچی پاگل ہو جاؤں گی۔"

"اُونھ ہو کیا جاؤ گی، ہو ہی پاگل، خواہ مخواہ کا وہم ہو گیا ہے۔" توشی، چندرا اور رما کا اکلوتا بیٹا ہے۔ اُنہوں نے اُسے جنم نہیں دیا مگر بڑے پیار سے پالا ہے۔ جب اُن کے ہاں اپنی کوئی اولاد نہیں ہوئی تو اُنہوں نے اُسے گود لے لیا۔ میں چندرا اور ان کے شوہر ورما جی آٹھ سال ہوئے اُسے بال گھر سے لائے تھے۔ انہوں نے اُس سے کبھی یہ بات نہیں چُھپائی۔ سنتوش کو بھی اِس کی کوئی فکر نہ تھی کہ وہ لے پالک ہے، کیوں کہ جو محبت اُسے ممی اور ڈیڈی سے ملتی تھی وہ کافی سے زیادہ تھی۔ توشی مسٹر اور مسز ورما کی آنکھ کا تارا تھا۔ دنیا کا شاید ہی کوئی کھلونا ہوگا جو اُس کے پاس نہ تھا۔

مگر کوئی ہفتہ بھر سے توشی کو نہ جانے کیا ہو گیا تھا۔ نہ ہنسنا نہ بولنا، نہ وہ پیاری پیاری شرارتیں، بس ایک دم چُپ سی لگ گئی تھی۔ چندرا جو اُس پر جان چھڑکتی تھیں سب ترکیبیں کر کے ہار گئیں، مگر وہ دن بدن اور زیادہ اُداس اور سُست ہوتا گیا۔

"اب ایک نئی جھک سوار ہوئی ہے۔"

"نئی جھک؟"

"ہاں کہتا ہے برتھ ڈے نہیں چاہیئے۔ پوچھتی ہوں بابا کیوں، تو چُپ۔ زیادہ کہو تو وہی آنکھوں میں آنسو۔ بہن میرے بچے پر ضرور کسی نے ٹونا کر دیا ہے۔ کتنا کھِلکھِلاتا ہوا بچہ تھا۔ اب تو جب دیکھو کھوئی کھوئی نظروں سے گھُورا کرتا ہے۔ نظر ملا کے تو بات ہی نہیں کرتا۔"

"کچھ عقل کام نہیں کرتی کہ یہ راز کیا ہے؟"

"ایک عجیب بات ہوئی۔"

"کیا؟"

"پرسوں اسکول کی چھٹی کے بعد غائب۔ ڈرائیور ڈھونڈ ڈھونڈ کے ہار گیا۔ جانتی ہو کہاں ملا؟ بال گھر کے سامنے!"

"وہاں کیا کر رہا تھا؟"

"کچھ بھی نہیں، ٹکٹکی لگائے دیکھ رہا تھا۔ میں نے بہت پوچھا تو اپنے کمرے میں بھاگ گیا۔"

"شاید بال گھر میں اُس کا کوئی دوست ہے۔"

"ایں؟ بال گھر میں کوئی دوست ہے تو....."

"شاید کوئی غریب بچہ ہے، تو شی اُسے گھر لاتے شرماتا ہے۔"

"میرا تو شی ایسا چھچھورا نہیں۔ اُس کے دوست امیر بھی ہیں، غریب بھی۔ نوکروں کے بچے برابر اُس کے ساتھ کھیلتے ہیں۔ نہ میں نے اُن بچوں کو کبھی نوکر سمجھا نہ تو شی نے۔"

"شاید گندہ ہوگا۔"

"بچہ گندہ نہیں ہوتا؛ اُس کے کپڑے گندے ہو سکتے ہیں، ہاتھ پیر گندے ہو سکتے ہیں۔ اور انہیں دھویا جا سکتا ہے۔"

"بھائی اپنی عقل تو کام نہیں کرتی۔ کیا سوچ رہی ہو؟" میں

Taj Tahir Foundation

نے اُنہیں فکرمند دیکھ کر پوچھا۔

"کچھ نہیں۔ یہی کہ میرے تو ہواس گم ہوتے جا رہے ہیں۔ کہیں کی کہیں چیز رکھ دیتی ہوں پھر ڈھونڈتی پھرتی ہوں۔ صبح دو سو کے نوٹ نکالے اب جو ملازم کو راشن کے لئے روپے دینے کو پرس کھولا تو ایک نوٹ ہے، دوسرا غائب۔"

"ورما جی یا۔۔۔۔" میں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"ارے ورما جی نے نہیں لئے نوٹ تو اُن کے دفتر جانے کے بعد نکالے تھے۔"

"تب تو تمہارے نوکروں کی حرکت معلوم ہوتی ہے۔"

"کوئی نوکر میرے کمرے میں نہیں آتا۔"

"یہ جو تمہاری نئی نوکرانی ہے، بڑی خرانٹ معلوم ہوتی ہے۔"

"کون کلاوتی، ارے نہیں وہ تو بے چاری گائے ہے گائے۔ جب تک میں سامنے نہ بیٹھوں کمرہ صاف نہیں کرتی۔ بہت ڈرتی ہے۔ پچھلے مالکوں نے اُس پر چوری کا الزام لگا کر بہت رکھڑایا۔ بڑی مشکل سے چھوٹی۔ تب سے بڑی محتاط ہو گئی ہے۔ دو مہینے آئے ہو گئے آج تک ایک پیسہ اِدھر سے اُدھر نہیں ہوا۔"

"پھر کیا پریاں اُڑا لے گئیں نوٹ؟ نوکروں کے سوا اور کون ہو سکتا ہے۔"

"ارے بابا کوئی نوکر نہیں آیا۔۔۔۔۔ نوٹ نکال کر میں نے بٹوے میں ڈالے اور اخبار دیکھنے لگی۔ توشی بٹوے سے کھیل رہا تھا۔ میں نے کہا نا بیٹے ٹرپ خراب ہو جائے گا، اتنے میں اُس کی بس آگئی اور وہ چلا گیا۔ ملازم نے پیسے مانگے، بٹوہ کھولتی ہوں تو ایک نوٹ غائب۔"

"ہوں۔" میں سوچ میں پڑ گئی۔

"بوکھلائی ہوئی تو رہتی ہوں۔ شاید ایک ہی نوٹ نکالا اور دو کا دھیان رہا۔ اور پھر کوئی نکالتا تو دونوں نہ نکالتا ایک کاہے کو چھوڑ دیتا؟"

"اس سے پہلے بھی کبھی روپے غائب ہوئے؟"

"دس پانچ کی گڑبڑ ہوئی ہو گی، یا میرا وہم ہو گا۔"

ایک نہایت خوف ناک خیال نے ایک دم میرے دماغ میں پھن اُٹھایا۔ نہیں، نہیں۔ توشی بہت چھوٹا ہے۔ اگلے ہفتہ وہ نو برس کا ہو گا۔ اگر ذرا بڑا ہوتا تو ہو سکتا تھا کہ بُری صحبت میں پڑ گیا ہو۔

"کوئی اور چیز تو نہیں گئی۔" میں نے پھر پوچھا۔

"اے بھئی مجھے یاد ہی نہیں رہا۔ کل رات میری نیلم کی انگوٹھی یہیں سامنے میز پر میں نے رکھی، انناس کاٹ رہی تھی۔ شاید لڑھک کر صوفے کے نیچے چلی گئی۔ توشی صوفے پر کود رہا تھا۔" میرا دل بیٹھنے لگا۔ جب ہم توشی کو بال گھر سے لائے تھے تو لوگوں نے اعتراض کیا تھا کہ نہ جانے کس چور ڈاکو کی اولاد ہو۔ کسی رشتہ دار کا بچہ لینا چاہئے۔ تب ہم نے یہ کہہ کر اعتراض کرنے والوں کے مونہہ بند کر دئے تھے کہ کوئی جنم سے چور نہیں ہوتا، ماحول اُسے شاہ اور چور بناتا ہے۔ مگر اب میرے دل میں شبہ پیدا ہو رہا تھا، شاید میرا خیال غلط تھا۔

"کوئی اور چیز؟"

"نہیں، اُس زنجیر اور انگوٹھی کے سوا اور تو کچھ۔۔۔۔"

"زنجیر بھی؟"

"ہاں، توشی نے اس کا ہک ٹیڑھا کر دیا تھا، کہیں گر پڑی ہو گی۔"

توشی بٹوے سے کھیل رہا تھا۔ نوٹ غائب۔

صوفے پر کود رہا تھا۔ انگوٹھی غائب۔

زنجیر کا ہک ٹیڑھا کر دیا۔ زنجیر غائب۔ مگر میں نے چندرا سے نہیں کہا وہ اور بوکھلا جاتیں۔ توشی کے نام کے ساتھ چوری کا لفظ جوڑتے مجھے بھی دُکھ ہو رہا تھا۔ یہ چوری تھی بھی نہیں۔ بچپن کی کوئی ادا ہو گی۔ چھپا کے رکھ دی ہوں گی سب چیزیں، ایک دن مِل جائیں گی۔

"تم تو کہتی ہو توشی ہر وقت اُداس رہتا ہے۔ پھر یہ بٹوے سے کھیلنا، صوفے پر کودنا۔" میں نے ایک اور سوال کیا۔

"پانچ منٹ کے لئے ذرا ہنستا پٹتا ہے بس پھر ایک دم غائب۔"

Taj Tahir Foundation

"غائب ؟"

"ہاں، دیکھوں تو کمرے میں سہما ہوا بیٹھا ہے۔ میرا تو ڈر کے مارے دم نکلا جا رہا ہے۔ بھگوان نہ کرے کوئی دماغی بیماری ہوئی تو۔۔۔"

"نہیں جی کوئی ایسی بیماری نہیں جس کا علاج نہ ہو۔ زیادہ چنتا نہ کرو۔۔۔۔" میں نے سمجھایا۔

اتنے میں توشی اسکول سے آگیا۔ ہمیشہ وہ مجھے دیکھ کر اس بُری طرح حملہ آور ہوتا تھا کہ سنبھلنا مشکل ہو جاتا تھا۔ آج مجھے دیکھ کر ایسا انجان بن گیا کہ جیسے پہچانتا ہی نہیں اور بھاگا اپنے کمرے کی طرف۔ میں نے پکارا تو مرے مرے قدموں سے آیا، کھسیانی ہنسی رونی صورت، بات کا جواب ندارد۔ آنکھوں میں آنسو۔

انگوٹھی کے بعد چندرا ذرا چونکی ہو گئیں۔ اُس کے بعد کوئی چیز غائب نہیں ہوئی۔

مگر توشی کی حالت پہلے سے بدتر ہو گئی۔ اب تو وہ کھانے سے بھی مونہہ موڑنے لگا۔ راتوں کو نہ جانے کیا ڈراؤنا خواب دیکھ کر چیخیں مارنے لگتا۔

"نہیں۔۔۔۔ نہیں۔ بال گھر نہیں۔ ممی۔۔۔۔۔ ڈیڈی۔۔۔"

وہ بہکی بہکی باتیں کرتا۔ اتنا اندازہ ہوتا تھا کہ بال گھر سے توشی کی بیماری کا گہرا تعلق ہے۔ میں نے بہت پوچھا سمجھایا مگر توشی جیسے بہرا ہو گیا تھا پتھر کا ہو گیا تھا، اور پتھر میں جونک کہاں لگتی ہے۔

چندرا کی حالت غیر تھی۔ لاکھ سمجھایا مگر کچھ جو سمجھی ہوں۔ ایک دن کچھ بارش بھی تلی کھڑی تھی۔ چندرا نے کہا رات یہیں سو جاؤ، صبح چلی جانا۔

اُس رات توشی کو دیکھ کر واقعی خوف آ رہا تھا۔ اُس نے کھانا چکھا تک نہیں۔ زبردستی دودھ پلانا چاہا تو اُلٹی کرنے لگا۔ آج وہ بہت ہی سہما ہوا تھا۔

سونے سے پہلے توشی کا خیال جی کو مسلتا رہا۔ وہ کیا راز تھا جس نے ایک معصوم کو اپنے شکنجے میں کس لیا تھا۔ رات کے کوئی گیارہ بجے ہوں گے کہ ایک دم جیسے کسی نے مجھے جھنجھوڑ کر جگا دیا۔ دوسرے پلنگ پر چندرا غافل پڑی تھیں۔ گھر میں کچھ ہو رہا تھا۔ آہستہ سے کوئی دروازہ کھلا۔۔۔۔۔ پھر کوئی سیڑھیوں پر سے اُترنے لگا۔ ایک انجانا سا خوف میرے دل کو مسوسنے لگا۔ میں نے جلدی سے ساڑھی لپیٹی اور زینے پر جا کر جھانکا۔

میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب میں نے دیکھا توشی جیسے مقناطیسی طاقت کے زیرِ اثر چلا جا رہا ہے۔ فضا میں کچھ سسکیاں سنائی دیں اور وہ باہر نکل گیا۔ "یہ ضرور سوتے میں چلنے کی بیماری میں مبتلا ہے۔" میں نے سوچا دیکھوں کہاں جاتا ہے۔ میں نے اُسے پکارنا چاہا مگر پھر رُک گئی۔ اگر اس بیماری کے مریض کو پکار لو تو دماغ کو دھکا لگ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ میں اُس کے پیچھے پیچھے چلنے لگی۔ وہ اگر مُڑ کر دیکھتا تو یقیناً مجھے پکڑ لیتا۔ مگر وہ تو سو رہا تھا۔ رات بڑی سنسان اور ڈراؤنی تھی۔ چاند کالے کالے بادلوں میں سے بڑی کوشش سے نکلتا اور پھر کالے دیو اُسے دبوچ لیتے۔ مگر وہ مجھے نظر آ رہا تھا۔ وہ اُسی طرح کھنچتا ہوا کھنڈروں کی طرف جا رہا تھا۔ بھئی بچے سمجھتے ہیں صرف چھوٹے ہی ڈرتے ہیں۔ بڑے بہت بہادر ہوتے ہیں۔ مجھے کھنڈروں سے بڑا ڈر لگتا ہے۔ کہتے ہیں وہاں بھوت رہتے ہیں۔ میری سٹی گم تھی مگر وہ بے دھڑک جا رہا تھا۔ چلتے چلتے وہ ایک ستون کے پاس رُکا، پھر اُس نے اکڑوں بیٹھ کر کچھ پتھر اور کوڑا ہٹایا۔

"اچھا تو چوری کا مال یہاں چھپایا جاتا ہے۔" مجھے غصہ آنے لگا: یہ بچے کا کام نہیں۔ مورو ثی چور کی حرکت ہے۔ کون جانے واقعی توشی چور کا بچہ ہو۔ تب تو اِسے واپس ہی کر دینا چاہیے۔ پھٹ پڑے وہ سونا جس سے ٹوٹیں کان۔ ایسی اولاد سے کیا اُمید ہو سکتی ہے۔ اب یہ حال ہے تو نہ جانے بڑا ہو کر کیا گُل کھلائے گا۔

اُس نے پھر اپنے خزانے پر پتھر اور کوڑا ڈال دیا اور تیزی سے چلا۔ گھر کی طرف نہیں مخالف سمت۔ میں نے جلدی جلدی پتھر ہٹائے تو یہ دیکھ کر میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ وہاں ایک ٹوٹی ہوئی کھریا

Taj Tahir Foundation

کی گڑیا پڑی تھی۔ روپیہ ڈیڑھ روپیہ کی ہوگی مگر سنگِ مرمر کی معلوم ہوتی تھی۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں رہا تھا۔ یہ کیا قصہ ہے۔ میں نے جلدی سے پتھر برابر کر دئے اور توشی کے پیچھے چلی۔ مگر وہ دُور نکل گیا تھا اور دیکھتے دیکھتے نظروں سے اُوجھل ہوگیا۔ مگر میں تیز تیز چلتی گئی۔ کوئی دو فرلانگ جا کر وہ مجھے ایک موڑ پر پھر نظر آیا۔

چاند پھر ہاتھ پیر مار کر بادلوں کے سمندر سے چھُوٹ آیا تھا۔ میں نے دیکھا سامنے بال گھر تھا۔ توشی دروازے کے سامنے خاموش کھڑا تھا۔ میں دیوار سے لگی لگی آگے بڑھی۔ اس کے کندھے لرز رہے تھے اور سسکیوں سے سارا جسم کانپ رہا تھا۔ میرا جی بھر آیا۔ اتنے چھوٹے سے بچے کو یوں اکیلا اتنی رات گئے یوں سِسکتے دیکھ کر میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ یا خدا یہ ہزاروں لاکھوں لاوارث بچّوں پر قیامت بیتتی ہے تو دل والے کہاں چین سے سوئے پڑے رہتے ہیں۔ کسی کی آنکھ کیوں نہیں کھُلتی۔ وہ آگے بڑھا۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ دروازہ کھٹکھٹاتا میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

توشی نے ایک فلک شگاف چیخ ماری اور بے ہوش ہوگیا۔

بال گھر کا چوکی دار شاید اونگھ گیا تھا ہڑبڑا کے دوڑا۔ منیجر صاحب بھی نکل آئے۔ مجھے پہچانے بھی نہیں، سمجھے کوئی عورت بچّے کو چھوڑنے آئی ہے۔ جب بات سمجھ میں آئی تو سوالوں کی بوچھار کر دی میں نے اُن کے کسی سوال کا جواب نہیں دیا۔ ٹیلی فون کی تلاش میں بھاگی۔

چندرا اور درماجی بھاگے ہوئے آئے۔ توشی فوراً ہوش میں آگیا تھا اور بُری طرح رو رہا تھا۔ نہ جانے کیا بڑبڑا رہا تھا۔ "بال گھر نہیں بھیجو، ممی..... بال گھر نہیں۔"

بڑی مشکلوں سے سسکیوں کے درمیان توشی نے بتایا ایک دن اس سے گھر کی گڑیا ٹوٹ گئی، کلاوتی نے اُسے ڈرایا کہ اب اس کی ممی کو معلوم ہوگا تو وہ اُسے واپس بال گھر بھیج دیں گی۔ وہ اُن کا اپنا بچّہ نہیں بال گھر کا بچّہ ہے وہیں پھنکوا دیں گی۔ لیکن اگر وہ ممی ڈیڈی کے پیسے نکال کر دے گا تو وہ اس کا راز افشا نہیں کرے گی۔ اُس کی ہوس بڑھتی گئی۔ انگوٹھی اور زنجیر کے بعد اس نے سیف کی چابی کی شرط لگائی۔ توشی بھی چابی بھی دے دی مگر پھر اسے بہت ڈر لگا۔ اس نے سوچا اب اگر ممی کو پتہ چلا تو وہ اُسے ضرور بال گھر بھیج دیں گی۔ اس سے بہتر ہے کہ وہ خود ہی وہاں چلا جائے۔

"بیٹے تم لاکھ روپے کا بھی نقصان کر دو، ہم تمہیں اپنے سے الگ نہیں کریں گے۔ ہم نے سوگند کھا کر تمہیں اپنا بیٹا بنایا ہے اور تم ہمیشہ ہمارے بیٹے رہو گے۔ تم نے چھوٹا سا ایک جھوٹ بولا۔ گڑیا توڑ کر چھپا دی۔ اس جھوٹ کے لئے اور جھوٹ پیدا ہوئے۔ تم ہمیں بتا دیتے تو شاید ہم تمہیں ڈانٹتے بات ختم ہو جاتی۔ تم اتنا دُکھ نہ اُٹھاتے نہ ہم کو اور تمہاری ممی کو اتنا پریشان ہونا پڑتا۔" درماجی نے پیار سے توشی کو سینے سے لگا لیا۔ "کیا وقت ہے۔" وہ چونک پڑے۔ "بارہ بجنے والے ہیں۔ میرے خیال میں کلاوتی آج ہی سیف کا صفایا کرنے آئے گی۔ اس سے پہلے کہ ہمیں چابی کے کھونے کا پتہ چلے اور ہم کوئی دوسرا انتظام کریں وہ ہاتھ مارے گی۔" درماجی ٹیلی فون کی طرف بڑھے۔

دو بج گئے تو ہم لوگوں کو یقین ہوگیا کہ کلاوتی کو شبہ ہوگیا اس نے ارادہ بدل دیا۔ ہم لوگ اُٹھ کر جانے ہی والے تھے کہ دو کالے کالے سائے رَدِش پر لہرائے۔ سب نے سانس روک لی۔ چُوں سے دروازہ کھُلا اور کمرے میں ٹارچ کی روشنی آگے بڑھی اور سیف کے اوپر رُک گئی۔

کلک! سیف کا تالا کھنکا۔ دوسرے لمحے نوٹوں کی گڈیاں اور زیورات کے ڈبے جیبوں میں ڈوبنے لگے۔ کھٹاک سے کمرے کی ساری روشنیاں جگمگا اٹھیں۔ ایک دم کمرہ پولیس کے سپاہیوں سے بھر گیا۔

کلک! کلک!! ہتھکڑیوں کے تالے کھنکے اور کلاوتی کے دونوں بھائی گرفتار ہوگئے۔ وہ خود نہیں آئی مگر ان دونوں کو بھیج دیا۔

چندرا کی آنکھوں میں آنسو تھے اور ہونٹوں پر مسکراہٹ۔

توشی غافل ان کی گود میں سو رہا تھا۔ اور میں دل ہی دل میں اس سے معافی مانگ رہی تھی۔

کسی کے خون میں گناہ کے کیڑے نہیں ہوتے۔ ●●

Taj Tahir Foundation

ایک رات

بلونت سنگھ

ریل گاڑی رات کے گیارہ بجے چلنے والی تھی۔ میں نے ساڑھے دس بجے ہی فرسٹ کلاس کے ڈبّے میں ایک سِرے والی نچلی سیٹ پر بستر لگا دیا۔ میں ہمالیہ کی ترائی میں شکار کے لئے جا رہا تھا، اِس لئے میری دونالی بندوق اور رائفل میرے پاس تھیں، جنہیں میں نے اپنے پہلو میں بستر کے نیچے چھپا دیا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ ناحق دوسروں کی ان پر نظر پڑے۔

اِس ڈبّے میں کل پانچ برتھ تھیں۔ ایک میرے اوپر والی، دوسری میری داہنی طرف ڈبّے کے بیچوں بیچ، تیسری دوسرے سِرے

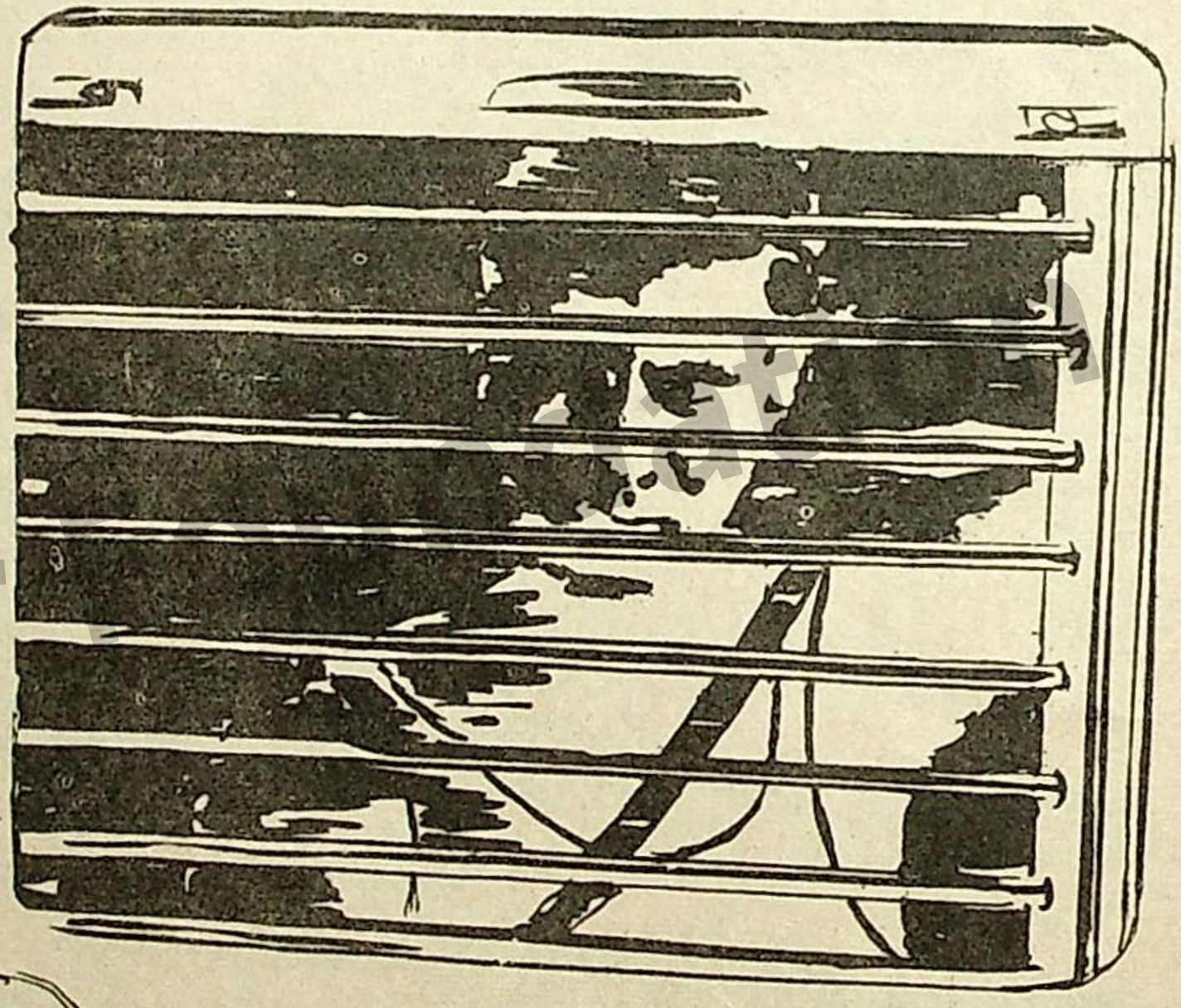

پر، چوتھی، تیسری کے اُوپر۔ ایک دروازہ میرے پاؤں کی طرف کُھلتا تھا، اور دوسرا دروازہ تیسری برتھ کے قریب کُھلتا تھا۔ باتھ رُوم میرے پاؤں کی طرف تھا ـــــ پانچویں برتھ میری اپنی تھی۔

اِن سیٹوں کی یوں تفصیل بیان کرنے کا بھی ایک سبب ہے ـــــ

میں بستر پر آرام سے دراز ہو گیا۔ باقی مُسافر، جنہوں نے اِس ڈبّے میں اپنی برتھ ریزرو کروا رکھی تھی، رفتہ رفتہ آنے لگے۔ میرے اُوپر والی سیٹ پر پھُولے پیٹ اور گچھے دار مونچھوں والے

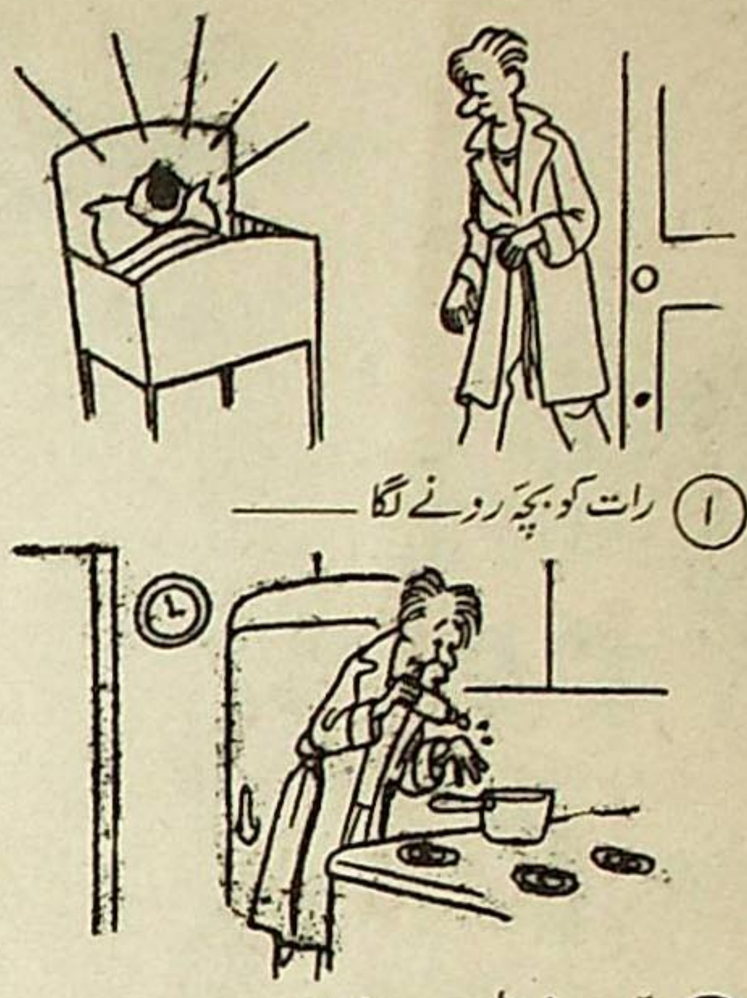

(۱) رات کو بچہ رونے لگا ——

(۲) ابّا جان اُٹھے، دودھ گرم کیا ——

(۳) پلانے لگے ——

کوئی صاحب تھے۔ بیچ والی سیٹ پر کوئی کاروباری قسم کے انسان تھے۔ تیسری سیٹ کے مالک گورے چٹے رنگ کے کھاتے پیتے رئیس نظر آتے تھے۔ چوتھی سیٹ پر کس کر بندھی ہوئی داڑھی والے لمبے تڑنگے سردار جی تھے۔

گاڑی کے چلنے کا وقت ہوگیا تو گارڈ نے سیٹی دے دی۔ گاڑی کے بھاری بھرکم پہیوں کو حرکت ہوئی۔ تھوڑی دیر بعد گاڑی مزے میں ہچکورے لینے لگی۔ یوں محسوس ہوا جیسے میں پنگوڑے میں لیٹا ہوا ننھا سا بچہ ہوں۔ تھوڑی ہی دیر بعد نیند آگئی۔

عجیب بات ہے کہ گھر میں معمولی شور بھی ہو تو نیند کوسوں دُور بھاگ جاتی ہے لیکن ریل گاڑی میں ٹانگیں پسارنے کو جگہ مل جائے تو انسان گاڑی کی گڑگڑاہٹ سے بے نیاز مزے کی نیند سو جاتا ہے۔

اچانک میری نیند ٹوٹ گئی۔

میں نے اَدھ کھُلی آنکھیں اِدھر اُدھر دوڑائیں، لیکن کوئی غیر معمولی بات دکھائی نہیں دی۔ گاڑی مقررہ رفتار پر چلی جا رہی تھی۔ سب مُسافر سو رہے تھے۔ غسل خانے کی بتّی جان بوجھ کر روشن چھوڑ دی گئی تھی۔ وہاں کے دروازے کے اُوپر سے روشنی نکل کر پھیلی ہوئی تھی۔ ڈبے کی فِضا خواب ناک ہو رہی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ میں چند گھنٹے گہری نیند سو چکا ہوں۔

اتنے میں تیسری برتھ کا گورا چِٹّا مُسافر اُٹھا۔ وہ میرے پاؤں کی طرف غسل خانے کے دروازے کی طرف بڑھا۔ اندر گھُس کر اُس نے دروازہ بند کر لیا۔ باقی سب مُسافر پڑے سوتے رہے۔ کچھ دیر کے بعد مُسافر نمبر ۳ غسل خانہ میں سے باہر نکلا۔ میں پھر آنکھیں بند کر کے سونے ہی کو تھا کہ وہ مُسافر اپنی سیٹ کی جانب بڑھتے بڑھتے ایک دَم رُک گیا۔

مجھے تعجّب ہوا۔ میں چُپ چاپ لیٹے لیٹے اُس کی طرف دیکھتا رہا۔ وہ میری برتھ کی پائنتی کی جانب گاڑی کے دروازے کو ٹکٹکی باندھے گھُور رہا تھا۔

چند لمحے اسی طرح گزر گئے۔ پھر وہ ایک دم بول اُٹھا، "تم کون ہو؟"

یہ سوال وہ کس سے کر رہا تھا؟ کمرے میں اور کوئی تو جاگ نہیں رہا تھا۔ لیکن اِس مُسافر کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔ اُس کے نتھنے پھڑک رہے تھے۔ چہرے پر ہیجان کے آثار تھے۔

میں نے سوچا کہ کہیں یہ پاگل تو نہیں ہے۔

پھر وہ جھپٹ کر اپنے تکیے کے نیچے سے ایک پِستول نکال لایا، اور اُس کی نالی کا رُخ دروازے کی طرف کر کے پہلے سے بھی زیادہ اونچی آواز میں بولا، "کون ہو تم؟"

اب مجھ سے نہ رہا گیا۔ میں کہنیاں بستر پر ٹیک کر اُوپر کو اُٹھا اور پوچھا، "کیا بات ہے؟"

Taj Tahir Foundation

اس نے میری طرف دیکھے بغیر جواب دیا، "دروازے کے باہر کوئی ڈاکو کھڑا ہے۔ اس کے ہاتھ میں پستول ہے۔ گلے میں چمڑے کی پیٹی ہے۔"

میں نے بٹن دبا کر بڑا بلب روشن کر دیا۔ اس شور سے دوسرے مسافر بھی ایک ایک کر کے جاگ اُٹھے۔ ہم نے دیکھا کہ دروازے کے باہر سچ مچ کوئی آدمی کھڑا تھا۔ اس نے بنیان پہن رکھا تھا۔ اس کے اوپر اس کے سینے پر سے ہو کر نیچے کو جاتی ہوئی چمڑے کی پیٹی چمک رہی تھی۔

وہ زور زور سے دروازہ کھٹکھٹا رہا تھا۔

مسافر نمبر ۳ نے کہا، "اس کے ہمراہ ضرور اس کے ساتھی بھی گاڑی سے لٹکے ہوں گے۔"

ہم پانچوں مسافر صلاح مشورہ کرنے لگے کہ اب اس سلسلے میں کیا قدم اُٹھایا جائے۔ گاڑی کی زنجیر کھینچ دیں، یا دروازہ کھول دیں ——— آخر ہم اِس نتیجہ پر پہنچے کہ ہم تعداد میں پانچ ہیں، ہمارے پاس دو پستول، ایک بندوق اور ایک رائفل موجود ہے۔ کیوں نہ دروازہ کھول دیا جائے۔ اگر ہم دروازہ تھوڑا سا کھولیں گے تو ایک دم سب ڈاکو دن دناتے ہوئے اندر نہیں چلے آئیں گے۔ اگر وہ ہم پر حملہ بولیں گے تو ہم بھی گولیاں چلا دیں گے۔

چنانچہ مسافر نمبر ۴ یعنی سردار جی اپنا پستول تان کر دروازے کی اوپر والی سیٹ پر ڈٹ گئے۔ میں نے اپنی بندوق مسافر نمبر ۲ کو دے دی اور رائفل خود سنبھالی۔ مسافر نمبر ۳ پہلے ہی کی طرح پستول لئے دروازے کے سامنے کھڑا رہا۔ مسافر نمبر ۵ زنجیر کے پاس کھڑا ہو گیا، تاکہ ضرورت پڑنے پر فوراً زنجیر کھینچ دے۔

اس طرح تیار ہو کر پروگرام کے مطابق مسافر نمبر ۳ نے دروازہ کھول دیا۔

ہم سب کارروائی کرنے کو بالکل تیار تھے۔

دروازے کے آگے ایک سہما ہوا آدمی کھڑا تھا۔ اس کے گلے میں تھرمس کی بوتل کی پیٹی تھی۔ ہم نے باہر جھانکا۔ اُس کا کوئی ساتھی نظر نہیں آیا۔

نوادر نے بتایا کہ پچھلے اسٹیشن پر وہ تھرمس میں چائے بھروانے کے لئے اُترا تھا۔ چائے لیتے تک گاڑی چل دی۔ ہمارا ڈبا اس کے سامنے سے گزرا۔ وہ اُسی پر لٹک گیا۔ اس نے سوچا تھا کہ اگلا اسٹیشن جلد ہی آجائے گا، لیکن جب اس کے بازو تھک گئے تو اس نے دروازہ پیٹنا شروع کر دیا.....

ہمارے پستول، رائفل، بندوق دیکھ کر اس کی گھگھی بندھ گئی۔ اُلٹے ہم ہی اُسے تسلیاں دینے لگے۔

وہ اگلے اسٹیشن پر اُتر گیا۔

آج بھی اُس رات کا خیال آتا ہے تو رونگٹے بھی کھڑے ہو جاتے ہیں اور ہنسی بھی آتی ہے۔

●●

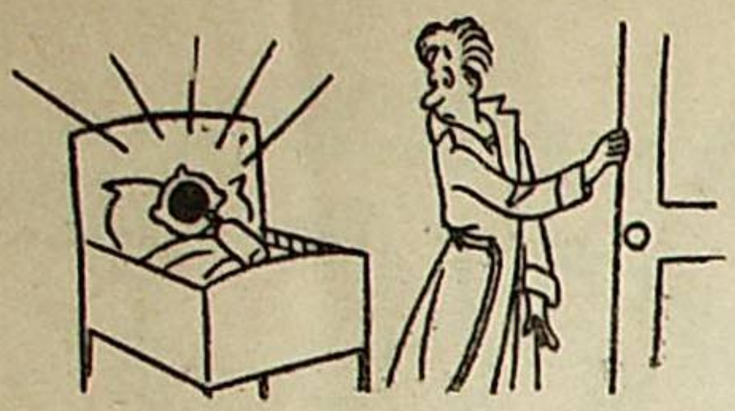

④ بچہ پھر بھی روتا رہا ———

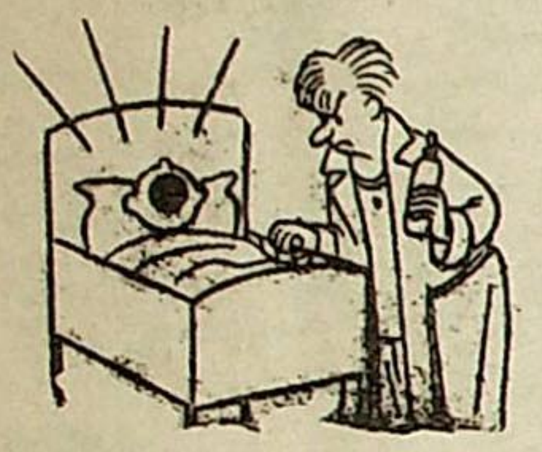

⑤ ابا جان نے ایک منٹ سوچا، اور ———

⑥ دودھ کی شیشی سے بچے کا مونہہ بند کر کے چل دیئے۔

Taj Tahir Foundation

گوپال کا راز

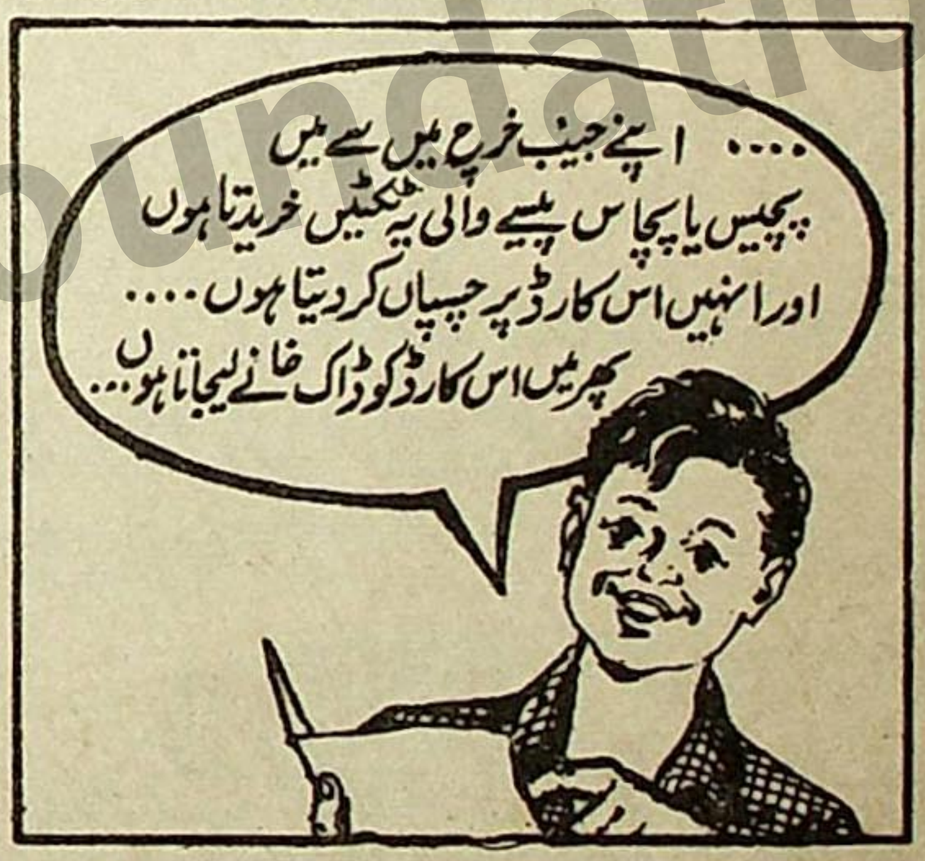

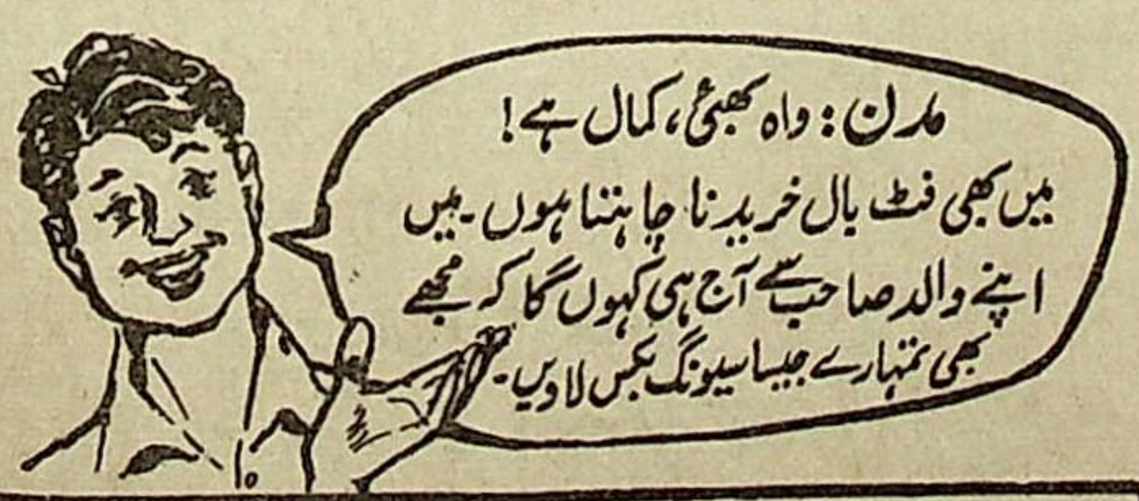

قومی بچت آرگنائزیشن

davp 67/134

Taj Tahir Foundation

احمد ندیم قاسمی

ابّا تو چلے گئے ہیں دفتر — امّی کو "بُخار" آ رہا ہے
چھمّن تو گیا ہوا ہے بازار — جمّن کھانا پکا رہا ہے
زیبن کو اسی کا تازہ بچّہ — پکّا گانا سُنا رہا ہے
امجد صوفے پر، کوئلے سے — کالا طوطا بنا رہا ہے
اسلم دادی کی لے کے تصویر — اُس کی مونچھیں اُگا رہا ہے
توقیر بلیڈ کے کمالات — قالین پہ آزما رہا ہے
چھ سات تپائیاں مِلا کر — اکبر گاڑی چلا رہا ہے
تسنیم بنی ہوئی ہے گھوڑا — جو میز پہ بھاگا جا رہا ہے
اختر پردے کی جھالروں سے — بِلّی کو دُلہن بنا رہا ہے
ننھا اقبال لیٹے لیٹے — ندّی نالے بہا رہا ہے

سُنتے ہیں کہ عنقریب اِن کا
ایک اور بھی بھائی آ رہا ہے

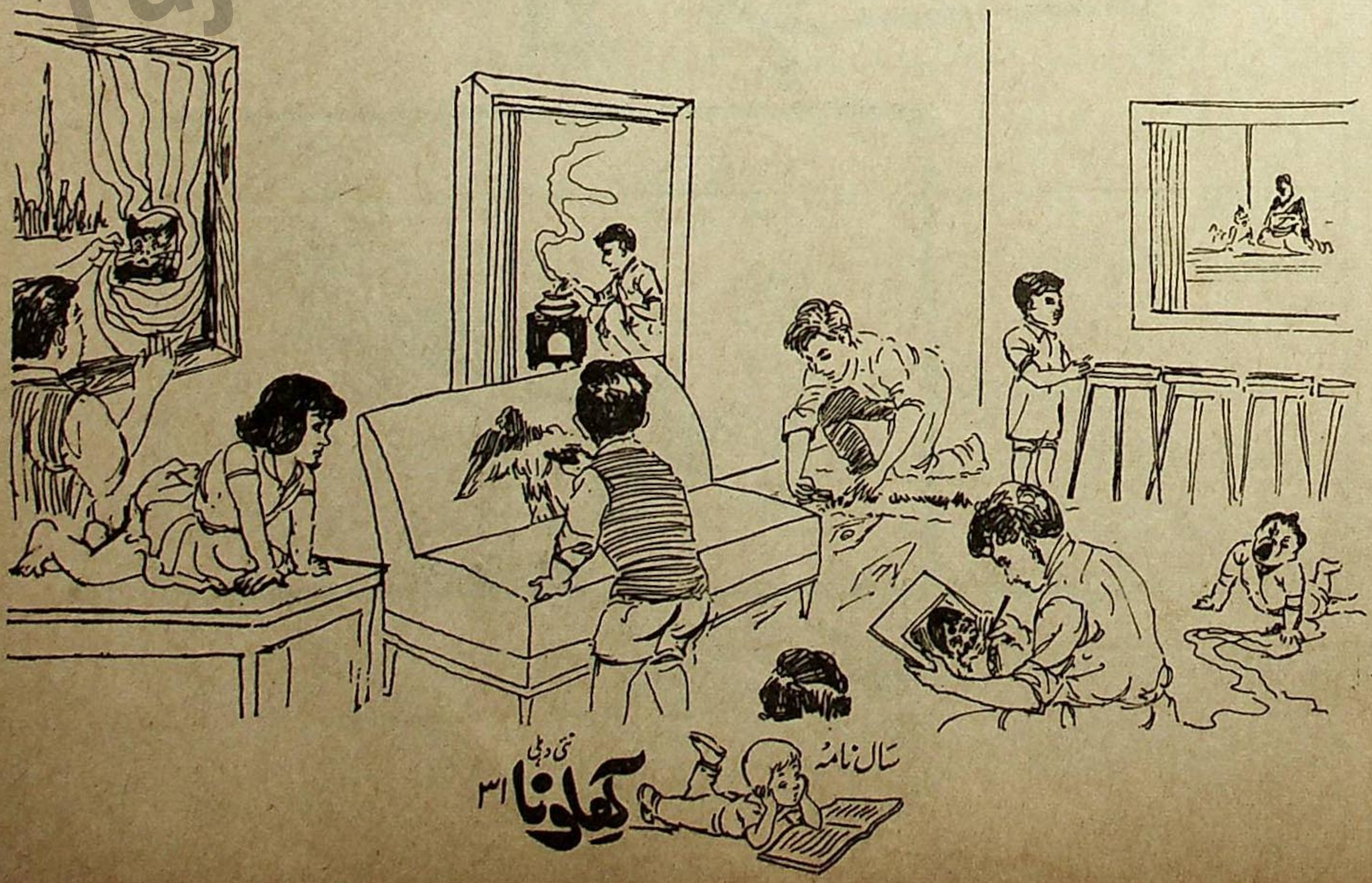

Taj Tahir Foundation

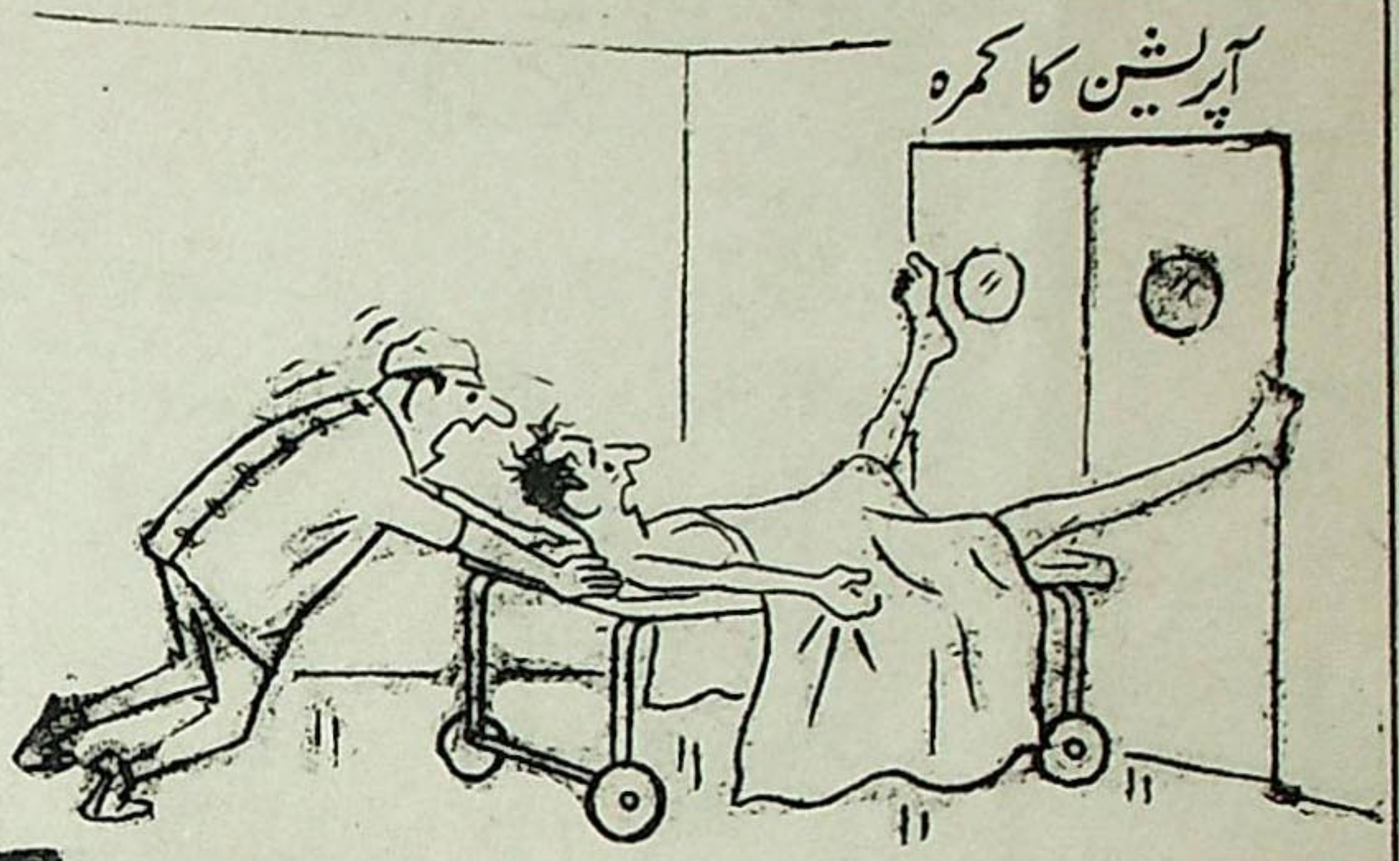

"میں قدرتی
موت مرنا چاہتا
ہوں!"

آپریشن کے وقت
ٹانگیں اُلٹی
ہوگئی ہوں گی

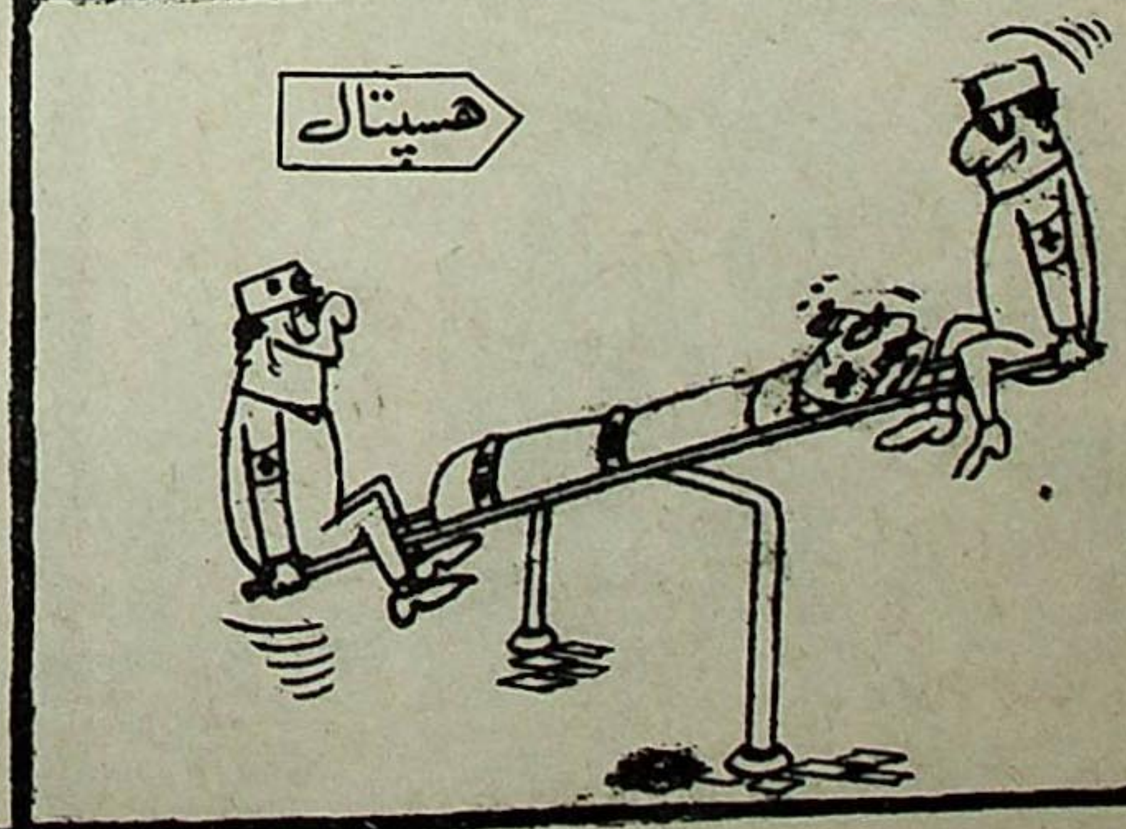

بچپن کی یاد

Taj Tahir Foundation

زکام اور شیطان

حجاب امتیاز علی

"کھلونا" کے ننھے پڑھنے والو، میں آپ کو اپنی روزمرہ زندگی کے چند ہنسانے والے تجربے سناتی ہوں۔

دو تین مہینے ہوئے میں تعطیلات گزارنے کے لئے اپنے ماموں کے ہاں گئی ہوئی تھی۔ وہ سمندر کے کنارے رہتے تھے۔ آب وہوا اچانک بدلنے کی وجہ سے مجھے وہاں جاتے ہی زکام کی شکایت ہوگئی۔ میں زکام سے بے حد ڈرتی ہوں، کیوں کہ ناک بند ہو جاتی ہے اور آواز گلہری کی آواز جیسی باریک ہو کر گلے سے نکلتی ہے۔

میں کانوں پر مفلر لپیٹے ایک بڑا سا کوٹ پہنے کمرے کے ایک کونے میں اداس بیٹھی تھی۔ اتنے میں میرے ماموں جان کے ایک دوست اندر تشریف لائے اور مجھے دیکھ کر فرمانے لگے "ارے بی بی! نئی نئی اِس شہر میں آئی ہو تو سیر کو باہر کیوں نہیں جاتیں؟ اُداس ہو کر کیوں کونے میں دُبکی بیٹھی ہو؟"

میں نے اپنی زکام والی پست آواز میں کہا: "مجبور ہوں زُکام ہو گیا ہے۔"

یہ سُن کر وہ بولے، "ارے تو اس میں اتنے اُداس ہونے کی کیا بات ہے؟"

میں نے کہا، "میں ہمیشہ زکام سے ڈرتی اور اس کا علاج کسی بہت بڑے ماہر ڈاکٹر سے کراتی ہوں۔"

وہ میری طرف حیران ہو کر دیکھنے لگے، بولے، "تو پھر کسی ڈاکٹر سے علاج کیوں نہیں کراتیں؟"

میں نے کہا، "مگر کس سے علاج کراؤں؟ نئی جگہ، نیا شہر ہے۔ آپ جانتے ہیں کسی ماہر ڈاکٹر کو؟"

وہ بولے: "بیسیوں کو جانتا ہوں۔ چلو ابھی میرے ساتھ چلو۔ میں تمہیں اپنی کار میں لے چلتا ہوں۔ اپنی سیر اور آپ کا علاج ہو جائے گا۔"

Taj Tamir Foundation

میں نے کہا۔" مگر میں اپنا علاج کسی ایرے غیرے سے کرانے کی عادی نہیں۔ آخر زکام ہے اِس کا علاج کسی جانے پہچانے ماہر ڈاکٹر سے کرانا چاہتی ہوں۔"

یہ سُن کر وہ بہت ہنسے۔ کہنے لگے،" حد کر دی بی بی تم نے حد۔ ہی ہی ہی ہی ـــ مجھے تو ہنسی آرہی ہے۔ معاف کرنا زکام نہ ہوا۔ جذام ہو گیا۔ آیئے میں آپ کو لے چلوں۔ یہ مفلر وغیرہ اُتار پھینکیئے۔ کل تک بالکل ٹھیک ہو جائیں گی۔ آئس کریم تک کھا سکیں گی۔ چلئے اُٹھئے۔ ہی ہی ہی ہی۔"

مجھے اُن کی ہنسی پر غصّہ تو آرہا تھا۔ مگر کرتی کیا۔ چار و نا چار اُٹھ کھڑی ہوئی اور پوچھا۔" آپ کا خاندانی ڈاکٹر کون ہے؟"

"خاندانی ڈاکٹر؟" وہ حیرت سے پوچھنے لگے۔

میں سنجیدگی سے بولی،" ہاں ہاں خاندانی ڈاکٹر ـ کیونکہ اس پر مجھے زیادہ اعتبار ہو گا۔"

وہ کہنے لگے،" اجی، اب تو خاندانی ڈاکٹروں کا زمانہ ہی لد گیا۔ تم کیسی باتیں کرتی ہو؟ اب خاندانی ڈاکٹر کہاں سے آئے گا۔؟"

میں حیران ہو کر بولی،" کیوں؟ آج کل خاندان نہ رہے یا ڈاکٹر نہ رہا؟ کیا بات ہے؟"

انہوں نے کہا،" یہ بات نہیں۔ میں اقرار کرتا ہوں کے خاندان بھی موجود ہیں اور ڈاکٹر بھی۔ مگر ایک خاندانی ڈاکٹر۔ یہ شے اب نہیں نظر آتی۔"

میں نے سوال کیا،" لیکن جب آپ کے خاندان میں کوئی بیمار پڑتا ہے تو علاج کے لئے کون آتا ہے؟"

وہ بولے۔" پہلے تو ڈاکٹر تجمّل حسین آتے تھے۔"

"اور اب؟ میں نے چُھوٹتے ہی پوچھا۔

وہ بولے،" اب صورت حال یہ ہے کہ پھوپی جان محترمہ کے لئے گال بلیڈر کے ماہر ڈاکٹر امجد آتے ہیں۔ پھوپا میاں قبلہ جوڑوں کے درد کے ماہر ڈاکٹر منظور احمد کے ہاں جاتے ہیں چھوٹی بہن علاج کے لئے ٹانسلز کے ماہر ڈاکٹر فرّخ کا دروازہ کھٹکھٹاتی ہیں، تو آپا جان ماہرِ چشم ڈاکٹر جوّاد حسین قریشی سے اپنی آنکھوں کا علاج کراتی ہیں۔ بھائی جان دانتوں کی تکلیف کے سلسلے میں ایک ماہرِ دندان ڈاکٹر اجمل سے رجوع کرتے ہیں۔ چچا جان بلڈ پریشر کے سلسلے میں ایک ماہرِ قلب ڈاکٹر ضیاء اللہ سے ہدایات لیتے رہتے ہیں، اور میں اپنڈی سائٹیس کی تکلیف کی وجہ سے ایک سرجن سے وقتاً فوقتاً ملتا رہتا ہوں۔"

یہ سُن کر میں حیران ہو کر ان کا مونہہ تکنے لگی اور مجھے مان لینا پڑا کہ اب خاندانی ڈاکٹروں کا زمانہ لد چکا۔

میرا زکام آخر ایک معمولی دوا سے رفع ہو گیا تو ماموں جان کے یہی دوست ایک دن پھر میرے پاس آئے اور کہنے لگے،" اب تو آپ کا زکام وکام رفع دفع ہو گیا ـــ میں بنیان خریدنے بازار جا رہا ہوں۔ سیر کا شوق ہو تو ساتھ چلی چلو۔"

"ضرور، ضرور،" یہ کہتے ہوئے میں اِن کی کار میں جا بیٹھی۔

ایک دکان پر گھُستے ہی ہمارے اِن ماموں صاحب نے دُکان دار سے پوچھا،" کیوں جناب آپ کی دُکان پر گرم بنیان ہیں؟"

دکان دار ہنس کر کہنے لگا،" جی ہاں! جی ہاں! کیوں نہیں؟ کیوں نہیں؟ یہاں تو بنیان ہی بنیان ہیں۔ تشریف لائیے۔"

ماموں صاحب نے سوال کیا، میرے سائز کا بھی کوئی بنیان ہو گا؟"

"کیا سائز ہے جناب کا؟"

ماموں نے فرمایا۔" سائز وائز تو میں جانتا نہیں۔ لیکن بنیان ایسا ہو کہ پیٹ اور پیٹھ سے چپکا رہے تاکہ سرد ہوا اندر

نہ جا سکے۔"

دُکان دار بولا، "میرے ہاں ہر سائز کا بنیان ہے جناب۔ آپ اندر چلئے۔ جو بنیان آپ کے فِٹ آئے وہی خریدیئے پہن کر تو دیکھئے۔"

میں بھی ماموں صاحب کے ہمراہ اندر گئی — ہمارے سامنے بنیانوں کا ڈھیر لگ گیا۔ ماموں جان نے سوچ سوچ کر ایک بنیان اُٹھا لیا۔ اور گلے میں ڈال لیا۔ پھر چلّا کر بولے، "ارے! اسے پہن کر تو میں غبارہ لگتا ہوں۔ ساری ہوا اندر بھر رہی ہے۔ یہ تو بہت ڈھیلا ہے۔"

"تو یہ دوسرا لیجئے۔ یہ ٹھیک رہے گا،" دکان دار نے کہا۔

ماموں جان نے تھوڑی دیر اسے پہننے کی کوشش کی۔ ان کا سانس چڑھ گیا اور وہ چیخ پڑے، "ہائے ہائے! یہ کس شکنجے میں کس دیا آپ نے مجھے! ارے صاحب! آپ بھی تو آگے سے کھینچئے۔ گردن اور ہاتھ پھنس گئے ہیں۔ میرا ارادہ خودکشی کرنے کا تھوڑا ہی تھا؟ مجھے تو بنیان خریدنا ہے جناب قینچی ہی سے کاٹ ڈالئے۔ سانس رُک رہا ہے۔"

یہ دیکھ کر میں اور دکان دار گھبرا گئے ہم دونوں نے مِل کر ایڑی چوٹی کا زور لگایا تو وہ بنیان ماموں جان کی گردن سے نکل آیا۔ ماموں جان کی شکل بالکل بیمار بندر جیسی ہو گئی۔ سانس پھولا ہوا، اس پر ان کا غصّہ سونے پر سُہاگہ۔

دکان دار نے معذرت چاہی۔ بولا، "معاف کیجئے۔ بڑی تکلیف ہوئی آپ کو۔ شربت پیش کروں؟ یا کافی پیئیے گا؟"

"نہیں —" ماموں جان نے غصّے سے چلّا کر کہا۔

تھوڑی دیر بعد دکان دار بولا، "اب یہ تیسرا بنیان ٹرائی کر کے دیکھئے جناب۔ بالکل فِٹ آئے گا۔"

ماموں جان نے کہا، "پہننے کی کوشش کروں گا۔ چلا جائے گردن میں —" پھر اچانک ایک فلک شگاف چیخ مار کر بولے، "ہو — ارے صاحب۔ او دکان دار صاحب، کہاں ہیں آپ؟ اس تیسرے بنیان میں تو میرا سر پھنس گیا۔ ایک آنکھ دب گئی ہے۔ پھوٹ نہ جائے۔ یہ تیسرا بنیان تو مجھے اندھا بنا کر رہے گا۔ ارے کھینچئے صاحب۔ لگائیے زور۔"

دکان دار نے اور میں نے زور لگایا تو ماموں جان بنیان سے باہر نکل آئے۔ وہ گرج کر بولے، "توبہ توبہ۔ میں تو پھانسی پاتے پاتے بال بال بچا ہوں۔ ادھر آنکھ کا بھی خطرہ تھا۔ آپ کو مجھ پر رحم نہیں آتا۔؟"

دکان دار شرمندہ ہو کر بولا، "گرم دودھ پیش کروں۔؟ صاحب میرے پاس ہر نمبر اور ہر ٹائپ کا بنیان موجود ہے چوتھا آزمائیے یہ آپ کی ہر چیز پر سے اتر جائے گا اور آپ اس دفعہ انشاءِ اللہ زخمی بھی نہ ہوں گے۔ پہن کر تو دیکھئے۔"

ماموں جان ناراض سے تھے۔ بولے، "کیا خاک پہنوں مرتے مرتے بچا تو ہوں۔ لائیے اب چوتھا بنیان بھی دیجئے — مگر ٹھیریئے۔ میں سارے بنیانوں کے نمبر دیکھ لوں —"

اس کے بعد ماموں جان نے بیسیوں بنیانوں کو ہاتھ میں اٹھا کر غور سے دیکھا پھر آخر ایک بنیان ہاتھ میں لے کر زور سے ہنسے۔ بولے، "آخر مِل گیا۔ یہ ہے میرا سائز۔ یہ فِٹ آئے گا۔ اب آپ اِس کم بخت کا بِل اور بنڈل بنا دیجئے۔"

دکان دار بے حد خوش اور مطمئن آگے کو بڑھا۔ بولا "شکر ہے نجات مِل گئی۔ اب میں بنڈل بناتا ہوں۔ مگر ایں۔ یہ کیا جناب؟ یہ تو آپ کا وہی پُرانا بنیان ہے، جسے پہن کر آپ یہاں تشریف لائے تھے۔"

یہ سننا تھا کہ میں ہنستے ہنستے ایک کرسی پر جا گری ماموں جان حیران ہو کر کہہ رہے تھے "ہائیں! وہی پُرانا بنیان ہے؟ کمال ہو گیا —؟"

■■

Taj Tahir Foundation

قبائلی شکار کی تلاش میں نکلا

اُوپر اسے ایک بہت بڑا پرند نظر آیا

اُس نے نشانہ تاکا

اور زہر میں بجھا ہوا تیر پرند کی طرف اُچھال دیا

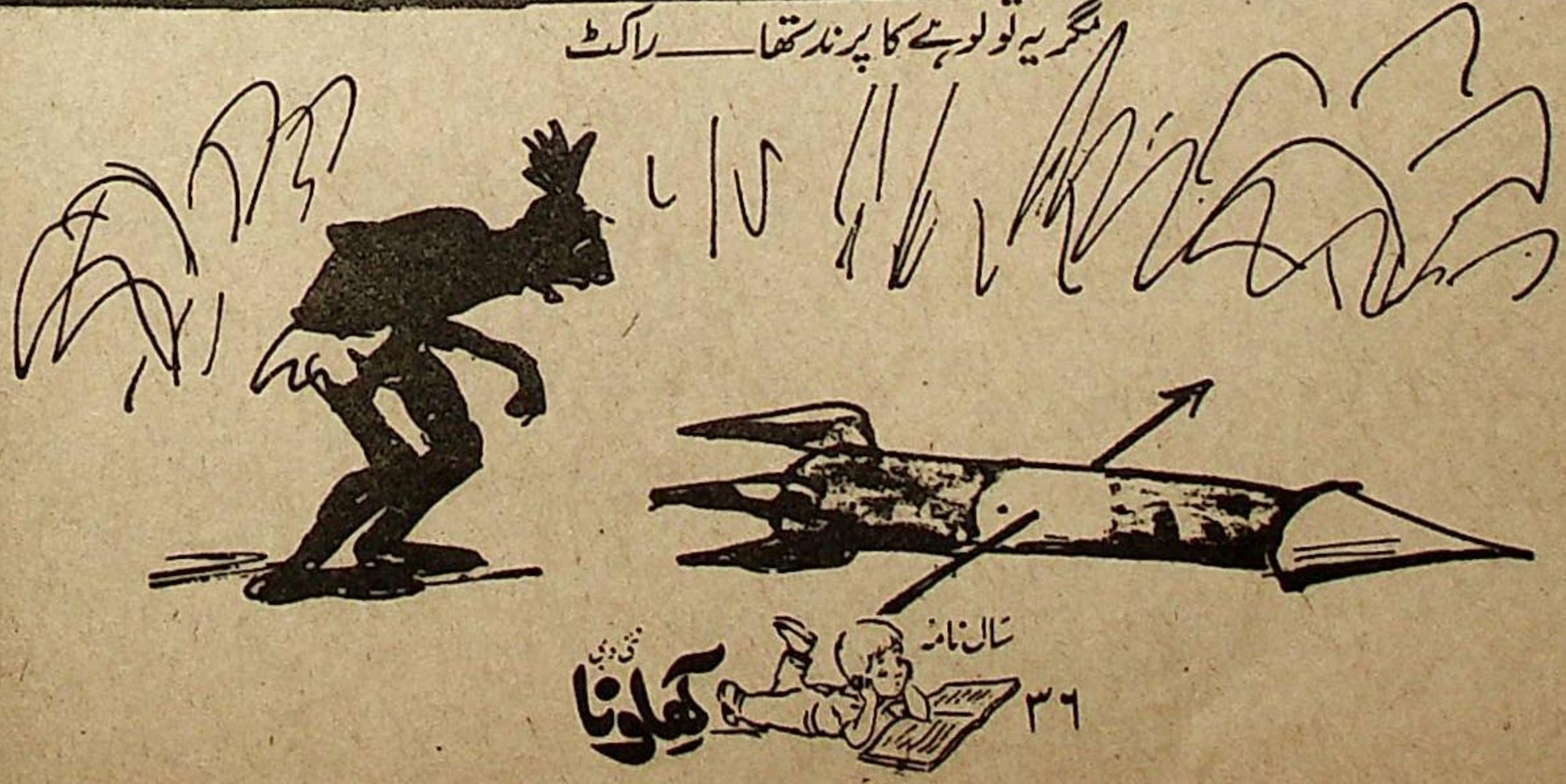

مگر یہ تو لوہے کا پرند تھا ـــــ راکٹ

Tahir Foundation

بچے من کے سچے

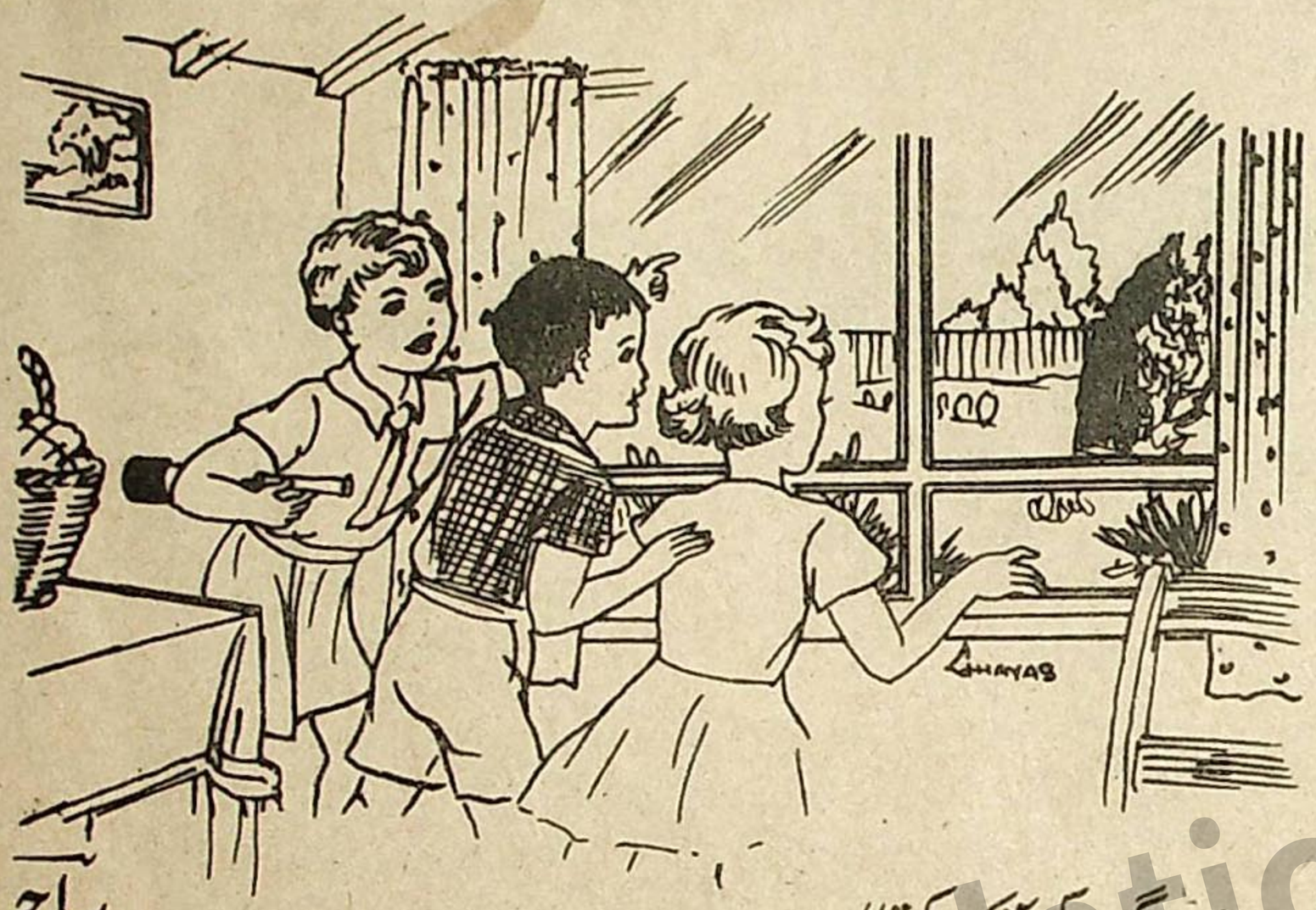

ساحر لدھیانوی

بچے، من کے سچے، سارے جگ کی آنکھ کے تارے
یہ وہ ننھے پھول ہیں، جو بھگوان کو لگتے پیارے
خود رو ٹھیں، خود من جائیں
پھر ہم جولی بن جائیں
جھگڑا جس کے سات کریں
اگلے ہی پل پھر بات کریں
اِن کو کسی سے بیر نہیں
اِن کے لئے کوئی غیر نہیں
اِن کا بھولا پن ملتا ہے سب کو بانہہ پسارے
بچے من کے سچے، سارے جگ کی آنکھ کے تارے
انساں جب تک بچا ہے
تب تک سمجھو سچا ہے
جوں جوں اُس کی عمر بڑھے
من پر جھوٹ کا میل چڑھے
کرودھ بڑھے، نفرت گھیرے
لالچ کی عادت گھیرے
بچپن اِن پاپوں سے ہٹ کر اپنی عمر گزارے
بچے، من کے سچے، سارے جگ کی آنکھ کے تارے
تن کومل، من سُندر ہیں
بچے بڑوں سے بہتر ہیں
اِن میں چھوت اور چھات نہیں
جھوٹی ذات اور پات نہیں
بھاشا کی تکرار نہیں
مذہب کی دیوار نہیں
اِن کی نظروں میں اِک ہیں مندر، مسجد، گورودوارے
بچے، من کے سچے، سارے جگ کی آنکھ کے تارے

Taj Tahir Foundation

آج چائے کے ڈبوں میں سوکھی پتیاں اور رنگے ہوئے ڈھاک کے پتّے، دھنیا، مرچوں میں لکڑی کا برادہ، نمک میں پاؤڈر کی کہانیاں خاص و عام کی زبان پر ہیں، بازار میں اصلی چیز ہاتھ نہیں آتی۔ نقلی چیزوں کے استعمال سے صحت کی بجائے لوگ طرح طرح کی بیماریاں خرید لیتے ہیں۔ ان بیماریوں کے علاج کے لئے دواؤں کا سہارا لیتے ہیں، اور اگر دوائیں بھی دوسری چیزوں کی طرح نقلی ہوں، اُن میں ملاوٹ ہو تو پھر بیمار کا خدا ہی حافظ ہے ـــــ طبیب کا کام بیمار کو شفا دلانا ہے، اسے نقلی دوائیں استعمال کرا کر موت کے نزدیک پہنچانا نہیں ہے۔

شمع (یونانی اینڈ آیورویدک) لیبارٹریز، لال کنواں، دہلی

اصلی اور نقلی

کے فرق کو پہچان لیجئے

جو ماہ نامہ شمع کے مدیرِ اعلیٰ جناب **یوسف دہلوی** کی نگرانی میں قائم ہے۔ خالص ادویات بناتا ہے۔ شہد کی جگہ گڑ، سچے موتیوں کے بدلے سیپ کا استعمال نہیں کرتا۔ یہاں زعفران کی جگہ رنگی ہوئی گھاس یا رنگا ہوا کاغذ استعمال نہیں ہوتا۔ شربتوں میں پھولوں اور پھلوں کی جگہ خوشبوئیں ڈال کر خوش نہیں کیا جاتا، ہندوستان کے ہر حصّہ میں شمع لیبارٹریز کی ایجنسیاں موجود ہیں۔ ان سے شمع لیبارٹریز کی تیار کردہ دوائیں، شربت، تیل وغیرہ لینے پر اصرار کیجئے۔

ہندوستان کی چند خاص خاص ایجنسیاں

۱	بمبئی	حکیم محمد یٰسین بیگ ۱۷۹، وزیر بلڈنگ، بھنڈی بازار	۵	مظفر نگر	میسرز جگموہن لال اینڈ سنز، لوہیا بازار	۹	نینی تال	رحیمیہ دواخانہ، پورہ ماہابیر
۲	پٹنہ	میسرز محمد یعقوب محمد حسین، منڈی چوراہا	۶	جودھپور	شمانیہ دواخانہ، چہار سو بازار	۱۰	مراد آباد	نیشنل یونانی فارمیسی، بازار سنبھلی گیٹ
۳	کانپور	میسرز کان پور میڈیکل اسٹورس، مُول گنج	۷	بریلی	میسرز محمد عقیل ہاشمی، دوکان نمبر ۱۲، بازار پُل خاص	۱۱	[illegible]	میسرز گوپال کرشن بھجنامل چڈھا بالمقابل حبیب بخش، پہاڑ گنج
۴	ورانسی	ایجنسی شمع لیبارٹریز، نزد شیریں ٹاکیز، نئی سڑک	۸	بھوپال	دواخانہ حکیم بھوپالی، مدنی روڈ			

انگلستان میں ایجنسی:

طبِ مشرق TIBMASHRIQ ۳۵، ڈرائی ڈین چیمبرز 35, DRYDEN CHAMBERS ۱۱۹، آکسفورڈ سٹریٹ 119, OXFORD STREET لندن ڈبلیو ۱ LONDON, W-1

ٹیلی فون: 01 7344983 01 7344984 تار کا پتہ: طبِ مشرق CABLE: TIBMASHRIQ

Taj Lahore Foundation

آکاش

پرکاش پنڈت

جاپان دیس کی ایک بہت پُرانی کہانی ہے۔ ایک چھوٹا سا، لیکن بہت ہی خوب صورت گاؤں تھا اور اس چھوٹے سے خوب صورت گاؤں میں ایک چھوٹا سا کنبہ رہتا تھا۔ ایک میاں، ایک بیوی اور ان کی ایک ننھی سی لڑکی۔ لڑکی کیا تھی پھولوں کی ڈالی تھی —— ویسی ہی نرم و نازک اور خوب صورت۔ تینوں کی زندگی بڑے سُکھ چین سے گزر رہی تھی۔

لیکن پھر ایسا ہوا کہ ایک بار میاں کو کسی کام سے بہت دُور جانا پڑا۔ نہ جانے کتنے گاؤں، قصبے، جنگل اور پہاڑ پار کر کے اُسے اس شہر میں جانا تھا، جو جاپان دیس کی راجدھانی تھی —— اور جانا بھی پیدل تھا۔ ماں بیٹی بہت فکرمند ہوئیں کہ نہ جانے راستے میں کیا ہو جائے۔ لیکن میاں نے انہیں دلاسا دیا اور وعدہ

Taj Tahir Foundation

zia

کیا کہ واپسی پر وہ اُن کے لئے بہت سے اچھے اچھے تحفے لائے گا۔ میاں تو دلاسا دے کر چلا گیا لیکن بیوی کے دل کو برابر دھڑکا لگا رہا کہ وہ اگر خیریت کے ساتھ وہاں پہنچ بھی گیا تو کون جانے وہاں اس کا کیا حال ہو؟ آخر وہ جاپان کا سب سے بڑا شہر تھا، جس کے بارے میں اُس نے سُن رکھا تھا کہ وہاں بڑی بڑی اور بہت اونچی عمارتیں تھیں اور وہاں خود دیوتاؤں کا بیٹا جاپان کا بادشاہ رہتا تھا۔

دن اسی طرح گزرتے گئے۔ کبھی اندیشے دل کو جکڑ لیتے، کبھی آس کے چراغ دل میں جھلملانے لگتے۔

آج میاں کے لوٹنے کا دن تھا۔ ماں بیٹی دونوں کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے آج اُن کا گاؤں اور بھی خوب صورت ہو گیا تھا۔ باغوں کے پھول اور بھی رنگین ہو گئے تھے۔ کھیتوں کی فصلیں اپنے پورے قد کے ساتھ لہلہانے لگی تھیں۔ خود انہوں نے بھی بڑے خوب صورت کپڑے پہن رکھے تھے۔

میاں آ پہنچا۔ وہ اپنے ساتھ بیٹی کے لئے بہت سے کھلونے اور دوسری چیزیں لایا۔ پورا گھر خوشی سے جگمگا اٹھا۔ میاں نے بہت سی کہانیاں سُنائیں ——— کیا کیا دیکھا، سب بتایا۔ پھر اپنے سفری تھیلے میں سے اس نے ایک گول سی چمک دار چیز نکال کر اپنی بیوی کو دی اور کہا، "شہر والے اسے آئینہ کہتے ہیں۔ دیکھو، کتنا خوب صورت ہے ——— اور ذرا غور سے دیکھو اس میں کیا ہے؟"

بیوی نے جب آئینہ دیکھا تو اُس میں اُسے ایک ——— بہت ہی خوب صورت عورت کا چہرہ دکھائی دیا۔ آئینے کے چاروں طرف کچھ رنگین تصویریں بھی بنی ہوئی تھیں ——— پھول، پرندے، پہاڑ ——— بیوی بڑی مسرت سے اُسے دیکھتی رہی۔

بیوی کو خوش دیکھ کر میاں نے پوچھا، "اس میں کیا دکھائی دے رہا ہے؟"

بیوی نے جواب دیا، "ایک بہت ہی خوب صورت عورت میری طرف دیکھ رہی ہے ——— اور دیکھو نا، کتنے تعجب کی بات ہے، اُس نے بھی میری طرح نیلے رنگ کے کپڑے پہن رکھے ہیں۔"

میاں نے کہا، "ارے یہ تو تم ہی ہو۔ شہر میں ہر آدمی کے پاس ایسے آئینے ہوتے ہیں۔ تم نے اسے کبھی نہیں دیکھا، اس لئے تمہارے لئے آئینہ لایا ہوں۔"

سچ مچ بڑا خوب صورت آئینہ تھا۔ بیوی کو اپنا چہرہ اس میں بہت صاف شفاف نظر آتا تھا۔ وہ بار بار آئینے میں اپنا چہرہ دیکھتی تھی اور خوش ہوتی تھی۔ اُسے اپنا چہرہ بہت خوب صورت نظر آتا تھا۔

اچانک ایک دن اس کے دل میں خیال آیا کہ یہ آئینہ دیکھ کر اُس کے دل میں اپنی خوب صورتی کا غرور بھی پیدا ہوتا ہے ——— پھر روز روز کے استعمال سے یہ خراب بھی ہو جائے گا۔ یہ سوچ کر اُس نے آئینے کو ریشمی کپڑے میں لپیٹ کر بڑی حفاظت سے اپنے صندوق میں رکھ دیا۔

اس کے بعد کئی برس گزر گئے۔ وہ ننھی سی لڑکی بڑی ہو گئی اور اپنی ماں جیسی ہی خوب صورت نکل آئی ——— مزاج کے اعتبار سے بھی وہ اپنی ماں کی طرح نرم دل اور میٹھی تھی ———

اتنے عرصے میں آئینے کو گھر کے دوسرے لوگ تو بالکل بھول بھال گئے تھے لیکن بیوی نہیں بھولی تھی۔ اس آئینے میں اپنی شکل دیکھ کر کبھی اس کے دل میں غرور پیدا ہوا تھا، اس لئے اس نے اُسے چھپا رکھا تھا۔ بیٹی کو بھی نہیں بتایا تھا۔

پھر ایک دن وہ اچانک بیمار پڑ گئی۔ آنکھوں کے نیچے

سیاہ حلقے پڑ گئے۔ جسم سوکھ کر کانٹا ہو گیا۔ اس نے سمجھ لیا کہ اس کا آخری وقت قریب آ گیا ہے۔ اس لئے اس نے بیٹی کو بُلا کر اپنے پاس بٹھایا اور کہا، "بیٹی! اب میں اس دنیا سے چلی جاؤں گی۔ تم یوں تو بہت اچھی لڑکی ہو لیکن پھر بھی مجھے ڈر ہے کہ کبھی تم اپنے آپ پر گھمنڈ یا غرور نہ کرنے لگو۔ گھمنڈ کا بڑا بُرا نتیجہ ہوتا ہے اور غرور کا سر ہمیشہ نیچا ہو جاتا ہے۔ ویسے تو میں تمہیں سمجھانے کے لئے اس دنیا میں نہیں رہوں گی ——— لیکن یہ لو، یہ ایک جادوئی آئینہ ہے۔ تم جب بھی اِسے دیکھو گی، میں اس میں آجایا کروں گی۔"

ماں مر گئی۔ بیٹی ہر روز صبح شام آئینہ نکال کر دیکھتی اور پلک جھپکنے میں اس کی ماں اس میں آجاتی۔ اس کی یہ ماں آخری دموں والی بڑھیا ماں نہیں تھی بلکہ بہت دن پہلے کی ماں تھی جسے وہ اپنے بچپن کے زمانے میں دیکھا کرتی تھی۔ وہی چھوٹی چھوٹی خوب صورت آنکھیں، وہی مُسکراتے ہوئے ہونٹ۔ ماں شاید اس لئے اس روپ میں سامنے آتی تھی کہ بیٹی بھی اسی کی طرح خوب صورت اور نیک بنے۔ بیٹی ہر روز آئینے کے سامنے اپنا سر ٹیکتی اور کہتی، "تم بالکل فکر نہ کرو ماں۔ میں تمہاری طرح ہی اچھی اور نیک بنوں گی ——— تم دیکھتی رہنا۔"

ایک دن بیٹی نے اپنے باپ کو بھی ماں کی آخری خواہش بتا دی اور کہا، "ابا جی! میں ہر روز ماں کو آئینے میں دیکھتی ہوں۔"

باپ اس بات کا کیا جواب دیتا۔ سچ بات بتا کر وہ اس کا دل نہیں توڑنا چاہتا تھا۔ وہ چُپ ہو رہا اور مری ہوئی ماں ہر روز آئینے میں اپنی بیٹی کے پاس آ کر ایسے مُسکراتی رہی جیسے کہہ رہی ہو ——— "میری بیٹی بڑی اچھی ہے!" ●●

کھائیے چاہے جتنا مگر اکسیر معدہ کی جگہ ضرور رکھئے، کیونکہ یہ خوراک کو ہضم کرنے میں مدد دیتی ہے اور کھانے کے بعد پیٹ کے بوجھل اور بھاری پن کو دُور کرتی ہے "اکسیر معدہ" پیٹ میں گیس اور ہواؤں کو بھی پیدا نہیں ہونے دیتی۔

قیمت:
تین روپے پچاس پیسے (۸۰ ٹکیاں)

شفا (یونانی اینڈ آیورویدک) لیبارٹریز، لال کنواں، دہلی

اِس میں دُلہن کا قصور نہیں، "مجرم" ہے ہی اِتنا دِل چسپ کہ ایک بار شروع کر دینے کے بعد آپ بھی اُسے پورا پڑھے بغیر نہیں رہ سکتے۔ شمع کے ادارے سے شائع ہونے والا جاسوسی ماہ نامہ "مجرم" ہندوستان بھر کا سب سے مقبول و محبوب جاسوسی رسالہ ہے جو ہر ماہ ایک مکمّل جاسوسی ناول کے ساتھ ساتھ جرم و سزا کے دوسرے سچّے قصّے شائع کرتا ہے۔ اگر آپ نے ابھی تک نہیں پڑھا تو آج ہی اسے اپنے ایجنٹ سے یا کسی بھی ریلوے بُک سٹال سے حاصِل کیجئے۔ ایک کاپی کی قیمت ایک روپیہ پچیس پیسے ہے اور سال بھر کی قیمت پندرہ روپے ہے جس میں سال نامہ آپ کو مُفت مِلتا ہے۔

جاسوسی ماہ نامہ **مجرم** آصف علی روڈ، نئی دہلی نمبرا

ڈاکٹر سلیم ـــــ انہیں ہمارے فیملی ڈاکٹر یا خاندانی معالج کہہ لیجئے ـــــ اس قدر صحت مند اور چاق و چوبند ہستی تھے کہ جس کی حد ہی نہیں۔ بے حد ہنس مکھ، حد درجہ زندہ دل، ہر بات کو مذاق میں ہنس کر ٹال جانے والے۔ اور کوئی بیماری تو شاید اُنہیں ہو بھی سکتی تھی لیکن ہارٹ اٹیک ـــ تو ہو سکتا ہی نہ تھا۔ اس لئے کہ وہ کسی بات کو محسوس کرتے ہی نہیں تھے۔ (اور عام طور پر یہی سنا گیا ہے کہ ہارٹ اٹیک عموماً اُن لوگوں کو ہوتا ہے جو زیادہ کام کرتے ہوں، یا بہت حسّاس ہوں، یا ہر بات کو محسوس کرتے ہوں۔) لیکن پچھلے دنوں جب ڈاکٹر سلیم منّے میاں کو دیکھنے کے لئے آئے تو۔ . . .

قصّہ دراصل یہ ہے کہ ابّا کے کوئی بہت ہی گہرے دوست آنے والے تھے۔ انہوں نے امّی سے کہا تھا، "بیگم

واجدہ تبسّم

Taj Tahir Foundation

ہمارے دوست لندن سے ایک زمانے بعد پلٹ رہے ہیں۔ وہاں کے پھیکے سیٹھے بدمزہ کھانے کھاتے کھاتے وہ بے حد اکتا گئے ہوں گے، آپ کے ہاتھ کے کھانوں کے وہ ہمیشہ سے مدّاح رہے ہیں۔ ایسی شان دار دعوت کیجئے بیگم کہ مرزا صاحب لوٹ پوٹ ہو جائیں۔

یقیناً امّی کسی باورچی کے خان دان سے نہیں ہیں۔ لیکن کھانے اس قدر مزے دار اور لاجواب پکاتی ہیں کہ باورچی شرمندہ ہو جائیں۔ امّی کو ابّا کی بات ماننے میں بھلا کیا عار ہو سکتا تھا ـــ فوراً ہی ایک مزے دار دعوت کا انتظام شروع ہو گیا۔

بیچ کی تفصیل میں جانے سے کوئی حاصل نہیں ـــ ہوا یہ کہ جب مرزا چچا آئے تو ایک بار تو وہ بھی کھانے کی میز (بلکہ میزیں) دیکھ کر چکرا گئے۔ بہرحال تعریفوں کے پُل باندھے گئے۔

اور کھانا کھانے کے بعد یہ ہوا کہ مرزا چچا کو بس اسٹرچر میں نہیں ڈالا گیا، بلکہ بہ مشکل اُن ہی کی کار میں سوار کرا کے ابّا نے خاص طور سے دو، دو نوکر ساتھ کر دیئے کہ "صاحب کو اچھی طرح سنبھال کر اُن کے بستر پر سُلا آنا۔"

خیر مرزا صاحب تو چلے گئے، لیکن ہوا یہ کہ اُن کے جانے کے کوئی ڈیڑھ دو گھنٹہ بعد رات کے کوئی ۱۲ بجے منّے میاں نے ہائے وائے مچانی شروع کی۔ ظاہر ہے خطرے کا بگل بجتے ہی سب اُن کے کمرے کی طرف دوڑ پڑے ـــ منّے میاں کے بارے میں پہلے ایک چھوٹی سی بات آپ کو بتا دوں کہ ہمارے ہاں ایک عام خیال یہ ہے کہ ہندوستان میں اناج کی قلّت کے واحد ذمّہ دار منّے میاں ہیں۔ حکومت کی ایک خاص اجازت کے ذریعہ اکیلے منّے میاں کے چار راشن کارڈ بنوائے گئے ہیں۔ خیر ان باتوں سے (اگر وہ پڑھ لیں) منّے میاں کی دِل شکنی ہو گی اس لئے اس ذکر کو چھوڑیئے، اصل بات سنئے کہ ڈاکٹر سلیم کو ہارٹ اٹیک کیوں ہوا۔ (حالانکہ ایمان داری کی بات یہ ہے کہ اب تک کسی کو بھی پتہ نہیں چل سکا ہے کہ وجہ کیا تھی جو ڈاکٹر صاحب چکّر کھا کر گر پڑے تھے؟)

بہرحال سب لوگ منّے میاں کے کمرے کی طرف دوڑے۔ پتہ چلا کہ منّے میاں سخت قسم کے پیٹ کے درد کا شکار ہیں۔ دونوں ہاتھوں سے پیٹ تھام رکھا ہے اور چلّائے جا رہے ہیں۔ لازماً ماں ہونے کے ناطے سب سے زیادہ امّی ہی پریشان ہوئیں۔

"ہائے میرے لال کو کیا ہوا ـــ" (حالاں کہ رائے عامّہ یہ ہے کہ امّی کو یوں کہنا چاہئے کہ ہائے میرے کالے کو کیا ہوا) مگر لال مونہہ سے بولنے کی سُدھ میں نہیں تھے۔

بھائی جان نے ڈرائنگ روم میں جا کر فوراً ڈاکٹر سلیم کو فون کیا۔ "معاف کیجئے ڈاکٹر صاحب بڑے ناوقت آپ کو تکلیف دینی پڑ رہی ہے، مگر کیا کیا جائے، منّے میاں کی طبیعت سخت خراب ہے۔"

تھوڑی ہی دیر میں کار کی آواز آئی۔ پتہ چلا ڈاکٹر صاحب آ چکے ہیں۔ (اس وقت تک بھی، کچّی نیند سے جاگ کر آنے کے باوجود، ڈاکٹر صاحب ایک دم تندرست اور بھلے چنگے تھے۔)

حسبِ معمول ڈاکٹر صاحب نے آ کر اپنا بکس کھولا۔ سینے، نبض، زبان وغیرہ کا معائنہ کیا۔ (خود کا نہیں منّے میاں کا) پیٹ کو بہ مشکل دبا کر دیکھا۔ اور پاس کھڑے ہوئے ابّا سے پوچھا، "منّے میاں نے رات کو کھایا کیا تھا؟"

اس سے پہلے کہ ابّا کچھ جواب دیتے، چنّو، جو منّے میاں کے سایہ بنے ہمیشہ ساتھ ہی رہتے تھے، جھٹ سے بول اُٹھے: "ارے ڈاکٹر صاحب، پوچھئے نہیں، آج تو منّے میاں نے حد کر دی، یہ سمجھئے اکیلے اتنا کھانا کھا گئے کہ بیس لوگ خوشی سے ہیضہ سے مر سکتے تھے۔" اک دم باوجود تکلیف کے منّے میاں چلّا اُٹھے ـــ "یہ الزام ہے۔ چنّو بکتا ہے . . . ."

مٹر اور منی کا سامان گڈمڈ
ہوگیا ہے تم ان کی مدد کرو اور
سامان ان کے
سوٹ کیس میں رکھ دو۔
جواب صفحہ ۱۵۹ پر دیکھو

اور وہ پھر درد کی لہروں میں بہنے لگے۔

"اچھا۔ اچھا، ڈاکٹر صاحب انہیں مناتے ہوئے بولے (اس لمحے تک بھی بے چارے ڈاکٹر صاحب بالکل اچھے تھے۔) "آپ ہی بتائیے کہ آپ نے کیا کیا کھایا تھا۔؟"

منّے میاں نرم پڑکر کچھ شرم ساری سے بولے — "جی ڈاکٹر چچا میں نے تو ہر چیز ذرا ذرا چکھی تھی۔ البتہ مُرغ بریانی امّی بہت مزے کی پکاتی ہیں تو میں نے دو مُرغ کی ٹانگیں، ایک قاب بریانی، دہی کی چٹنی کے ساتھ یوں ہی کھالی تھی کہ ابھی اور بھی دوسری چیزیں چکھنے لائق تھیں، پھر میں نے ایک مُرغ مسلّم، تین چار شِیرمالوں کے ساتھ چکھا۔ پھر دس بارہ دہی بڑے مونہہ میں رکھ لئے۔ پتہ نہیں امّی نے دسہری آم کہاں سے حاصل کر لئے تھے، آٹھ دس وہ بھی چکھ لئے تھے۔ تلے ہوئے کلیجی گُردے تو انسان یوں ہی چلتے ہوئے کھا لیتا ہے۔ مٹھائیوں سے مجھے کوئی خاص رغبت، آپ تو جانتے ہی ہیں، کبھی سے نہیں، لیکن امّی گھر میں جو مٹھائی بناتی ہیں وہ تو میں ضرور چکھتا ہوں۔ موتی چُور کے صرف چھ لڈّو، ایک پلیٹ قلاقند۔ بارہ رس گُلّے۔ بارہ گلاب جامن، کٹورہ بھر باسندی، چھوٹی کٹوری بھر رَبڑی، آپ خود بھی سوچ سکتے ہیں کہ ایک بچّہ آخر کتنا چکھ سکتا ہے؟ (اس لمحے تک بھی ڈاکٹر صاحب بالکل بخیر تھے — البتہ آنکھیں کچھ پھیلنے لگی تھیں۔) میٹھا کھانے سے میری طبیعت اکثر کچھ مالش کرنے لگتی ہے، اس لئے میں پھر دوسری ٹیبل پر آگیا۔ اور مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ مجھے پتہ ہی نہیں تھا کہ ایک تیسری ٹیبل بھی سجی ہوئی ہے — اب کے میں نے بکرے کی ایک بھُنی ہوئی ٹانگ، تلے ہوئے روسٹ کی ایک قاب، دس بارہ سنبوسے (جو بلیٹر کے قیمے سے بنائے گئے تھے) ایک پلیٹ چنے مٹر، آٹھ دس چانپ، چھ سات کوفتے چکھے۔ اب تک میں نے روٹی کو ہاتھ تک نہ لگایا تھا۔ اس لئے دس بارہ چپاتیاں قورمہ لے کر بیٹھا ہی تھا کہ مجھے یاد آیا ابھی میوے تو میں نے چکھے ہی نہیں، تو ذرا سا قورمہ، یہی کوئی کٹورہ بھر، صرف چھ چپاتیوں سے چکھا، اور کوئی آدھ کلو تلے ہوئے کاجو، چھوٹی طشتری بھر بھُنے ہوئے اخروٹ، دماغی طاقت کے لئے دو تین مُٹھی بادام، اور چلغوزے چکھ ہی رہا تھا کہ خیال آیا . . . ."

لیکن اُسی دم اپنے بکس، اسٹتھ اسکوپ اور انجکشن کی سُرنج لئے ڈاکٹر صاحب چکرا کر گر پڑے سخت بے ہوشی کا عالم طاری تھا، جب ڈاکٹر ہی خود بیمار پڑ جائے تو پریشانی کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے!

اِس بات کو کافی دن گزر گئے ہیں۔ خدا کے فضل سے منّے میاں رُو بصحت ہیں، لیکن آج تک پتہ نہ چل سکا کہ اتنے تندرست ڈاکٹر صاحب پر کیا افتاد آپڑی تھی؟ ■■

Taj Tahir Foundation

سال نامہ
نئی دہلی
کھلونا ۴۵

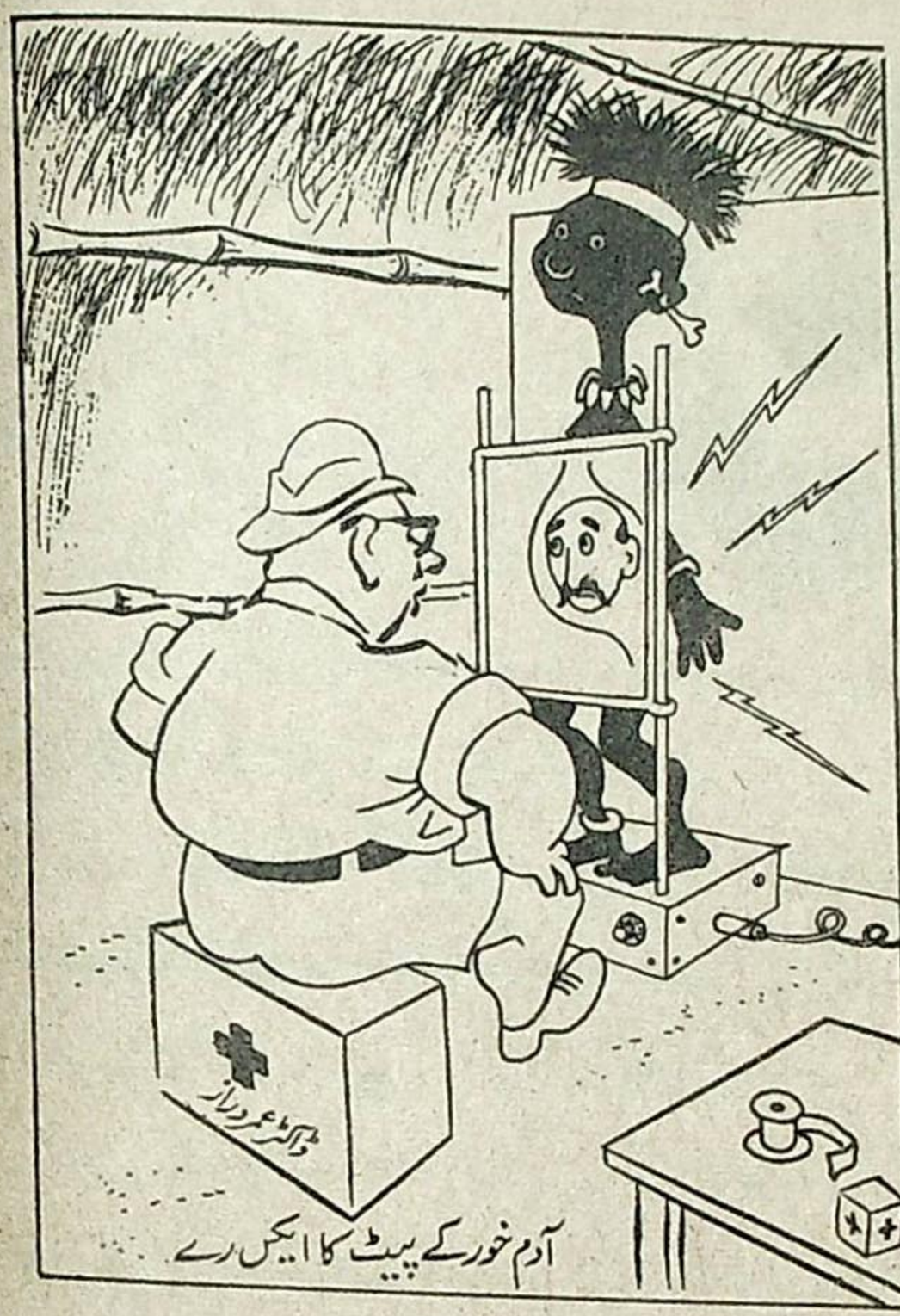

آدم خور کے پیٹ کا ایکس رے

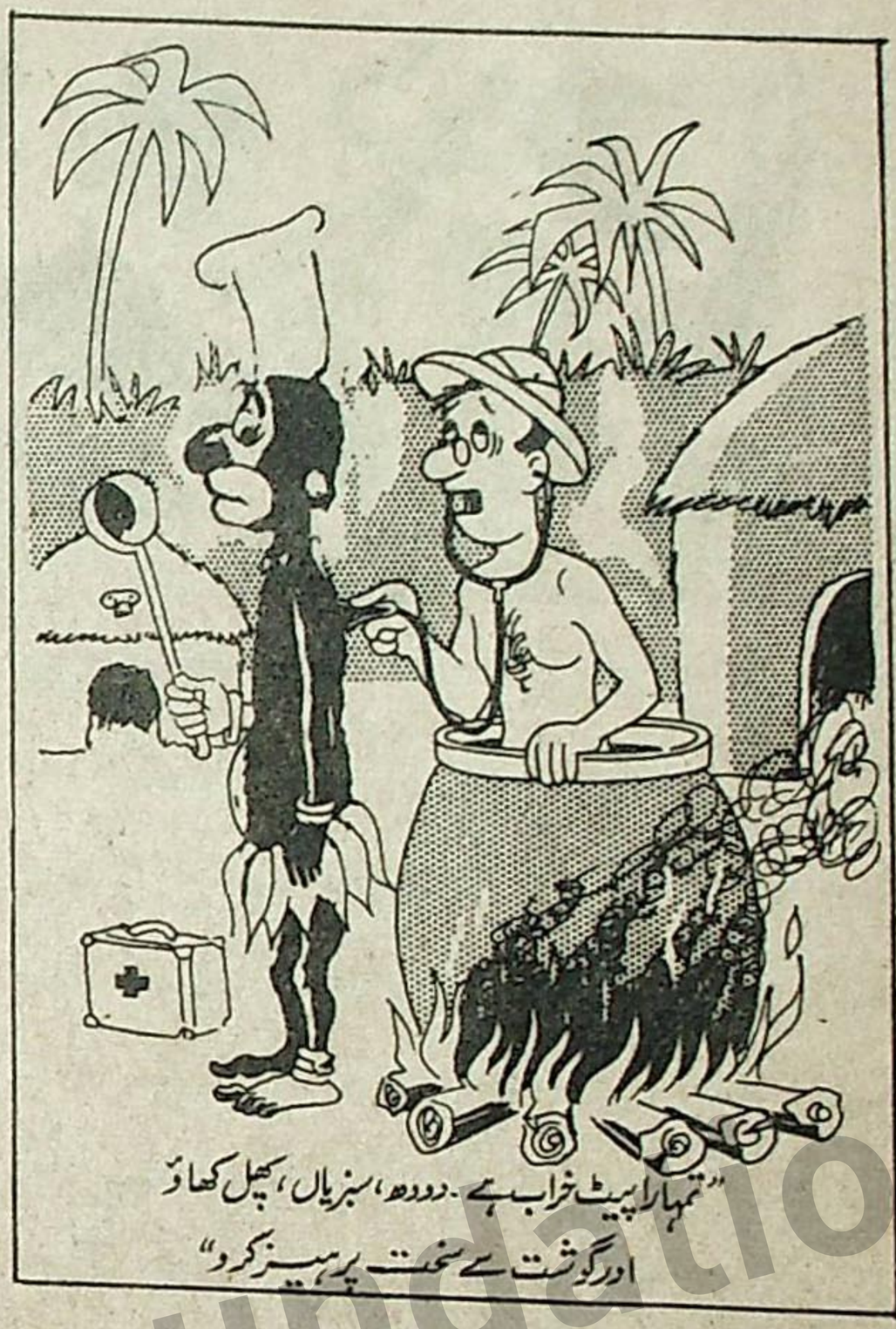

"تمہارا پیٹ خراب ہے۔ دودھ، سبزیاں، پھل کھاؤ
اور گوشت سے سخت پرہیز کرو"

اب کب تشریف لائیں گے؟

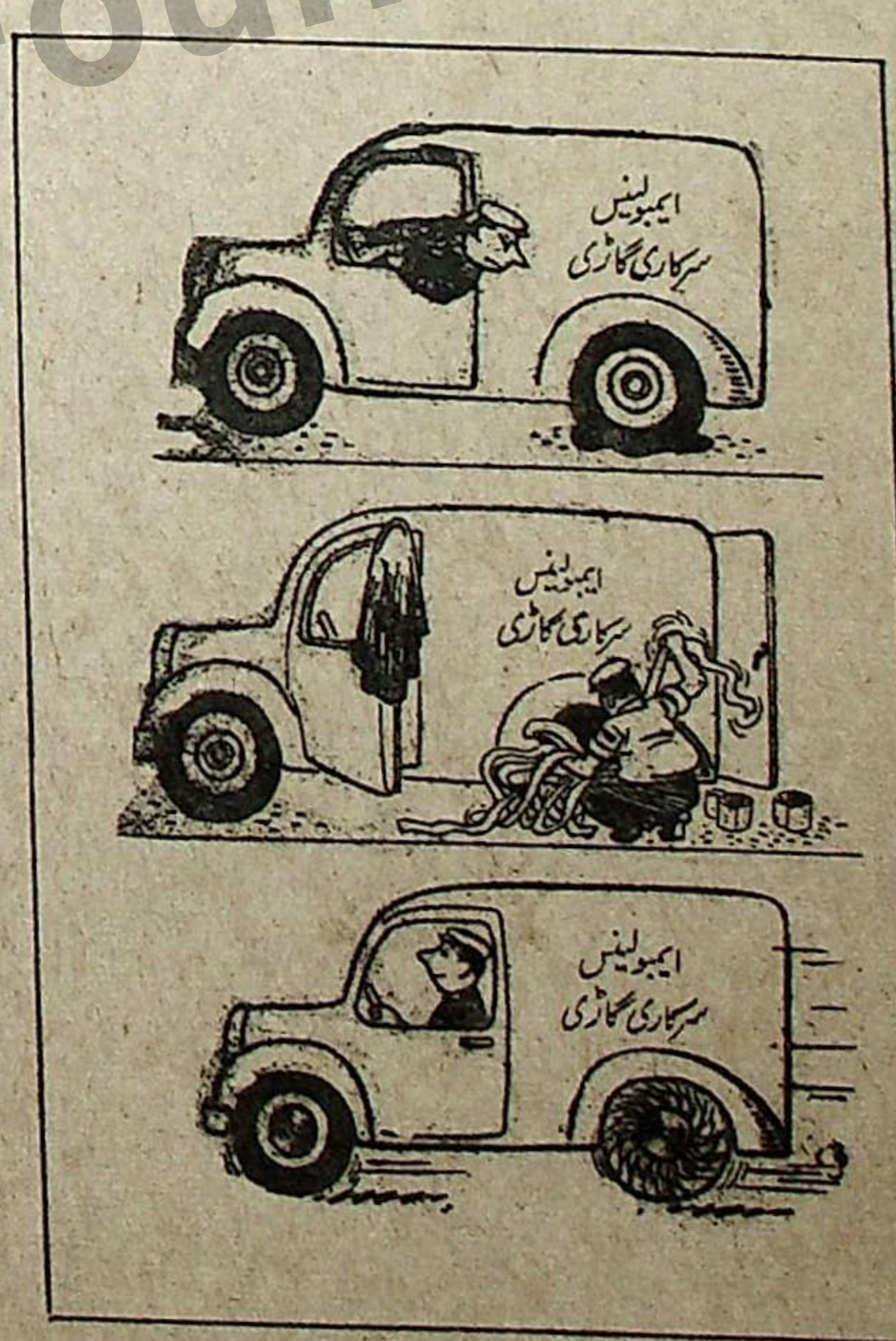

Taj Tahir Foundation

بدوش

قتیلؔ شفائی

زندگی بھر سفر میں رہتے ہیں
ہم کو خانہ بدوش کہتے ہیں

یوں تو کوئی نہیں ہمارا وطن
پھر بھی ہے ہر کہیں ہمارا وطن

دُور تک نیلے آسماں کے تلے
بن گئی ہے زمیں ہمارا وطن

ہر کہیں ساتھ ساتھ رہتے ہیں
ہم کو خانہ بدوش کہتے ہیں

کوئی موسم حسیں مِلا تو رُکے
کوئی غنچہ کہیں کِھلا تو رُکے

مُسکراتی ہَوا کے جھونکوں سے
کوئی پتّہ کہیں ہِلا تو رُکے

ورنہ اِک موج بن کے بہتے ہیں
ہم کو خانہ بدوش کہتے ہیں

گُنگُناتے ہیں گاؤں گاؤں میں
گھومتے ہیں کھُلی فضاؤں میں

کبھی دریاؤں کے کناروں پر
کبھی پیڑوں کی ٹھنڈی چھاؤں میں

حُسن کے آس پاس رہتے ہیں
ہم کو خانہ بدوش کہتے ہیں

لے لیا دَم تو پھر رواں ہوں گے
اب یہاں ہیں تو کل وہاں ہوں گے

تھک کے ہم بیٹھ جائیں کیوں آخر
رقص میں ہوں گے ہم جہاں ہوں گے

ہم غموں کو بھی ہنس کے سہتے ہیں
ہم کو خانہ بدوش کہتے ہیں

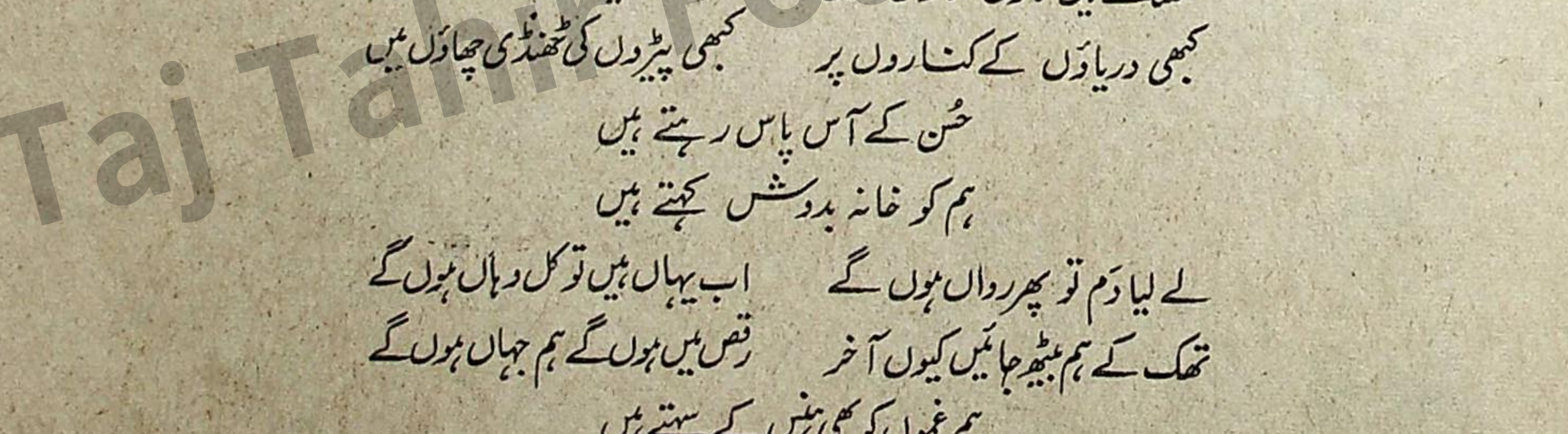

سال نامہ
کھلونا ۴۷
نئی دہلی

Taj Tahir Foundation

شکر ہے آپ ٹھیک ہیں، ڈاکٹر صاحب میرے مزاج کیسے ہیں؟

افسوس ہے ہم یہ نہیں بتا سکتے کہ آپ کے خون سے ملتا جلتا خون کون آپ کے لئے دے رہا ہے

ذرا لمبا سانس لو!

سنیما ہسپتال میں

Taj Tahir Foundation

بالو بیچنی
بادام کاٹنے

علی عبّاس حسینی

ہندوستان کے سارے پھل دار درختوں کی کانفرنس تھی۔ سیب، انار، اننّاس، سنترہ، ناشپاتی، موسمبی، لیمو، چکوترہ، شریفہ، شفتالو، کھجور، رس بھری، کھرنی، بڑہل، بادام، چلغورہ، اخروٹ، کاجو اور طرح طرح کے آم تخمی اور قلمی، سب ہی پھل دار درختوں اور پودوں کے نمائندے موجود تھے ——— یہاں تک کہ بی اِملی بھی اپنی نقصان دہ کھٹاس کی وجہ سے ایک گوشے میں سُکڑی سُکڑائی بیٹھی تھیں۔ تاڑ کا درخت صدر کے سر پر ایک جانب اپنے چتر کا سایہ کئے کھڑا تھا اور دوسری طرف کیلا اپنا ہرا شامیانہ تانے ہوئے تھا۔ اپنی جسامت اور حجم کی وجہ سے صدر بنائے گئے تھے میاں کٹہل۔ ترکاریوں نے کہا اگر تربوز اور خربوزے کو اس کانفرنس میں جگہ مِل سکتی ہے تو ہم میں سے بھی اکثر کو اس کانفرنس میں شرکت کا حق ملنا چاہیئے۔ بڑی گرما گرم بحثِ کے بعد، ککڑی، لوکی، کدو، بھنڈی، سیم، چقندر، زمیں قند، شکر قند، آلو، ٹماٹر، شلجم وغیرہ کو بھی شرکت کی اجازت مِل گئی۔ اب باری آئی مونگ پھلی کی۔ اِس پر بعض نمائندوں نے اعتراض کیا کہ یہ نہ تو پھلوں میں ہے، نہ ترکاریوں میں اور نہ میووں میں۔ یہ تو

Taj Tahir Foundation

ایک طرح کا غلہ ہے اور پھر ہے بھی بدیسی، اور بدیسیوں کی لائی ہوئی۔ اس پر صدر صاحب، کنہل کی اجازت سے، وہ اُچک کر ڈائس پر آئیں مگر دِقّت یہ تھی کہ مائکروفون لاکھ نیچا کیا جائے مگر وہ کسی طرح اس کے مونہہ تک پہنچتی ہی نہ تھیں۔ آخر صدر صاحب نے انہیں اُٹھا کر اپنی میز پر کھڑا کر دیا اور وہ مائک کے مونہہ کے قریب آ کر یوں گویا ہوئیں۔

"خواتین اور حضرات۔ میں جنابِ صدر کا شکریہ ادا کرتی ہوں کہ انہوں نے مجھ کو اس کا موقع دیا کہ میں آپ کو اپنی رام کہانی سناؤں۔"

مجمع میں ہر طرح کے مزاج والے تھے۔ کوئی گھمنڈی، کوئی سیدھا سادہ، کوئی فقرہ باز، کوئی مسخرہ، کوئی کم بولنے والا، کوئی باتونی۔ ان میں سے ایک بول اُٹھا، "کیا پدّی، کیا پدّی کا شوربا!" اور پورا ہال قہقہوں سے گونج اُٹھا۔

صدر نے اپنی کھُردری آواز میں ڈانٹا، "خاموش! کسی کو حقیر اور ذلیل سمجھ کر اس کی بات سُننے سے انکار نہ کیجئے، کہیں وہ بعد میں آپ سے بڑا نہ ثابت ہو! آپ اس مونگ پھلی کی صورت پر نہ جائیے، نہ اس کے چھوٹے سے قد پر ہنسئے، نہ میاں بادام بہت بڑے ہیں، نہ چلغوزہ، نہ پستہ، مگر ان کی قدر و قیمت سارے پھلوں سے بڑی ہے۔ آپ کی بی کھرنی اس سے بھی چھوٹی ہیں۔ مگر آپ کے پہلو بہ پہلو بیٹھی ہیں۔ اس لئے پہلے اس کی بات کان لگا کر سُن لیجئے۔ پھر فیصلہ تو آپ کے ہاتھوں میں ہے، اپنے برابر کُرسی دیجئے گا یا نہ دیجئے گا۔"

صدر کی اس اپیل پر مجمع خاموش ہو گیا۔

مونگ پھلی نے پھر کہنا شروع کیا، "میں بھی یہی چاہتی ہوں کہ آپ پہلے میری آپ بیتی سُن لیں، میں کس کس طرح کام آتی ہوں اسے دیکھ لیں، پھر انصاف سے کہیں کہ کیا میں کسی پھل سے کم درجہ رکھتی ہوں؟ کیا میں آپ میں سے اکثر سے زیادہ اشرف المخلوقات انسان کی خدمت نہیں ادا کرتی؟"

اُس کے اِس دعوے پر پھر ہال میں بیٹھے کچھ پھل غرّانے لگے۔ صدر نے پھر کہا، "خاموش!"

مونگ پھلی ذرا اور بلند آواز میں بولنے لگی، "میں مانتی ہوں کہ میرا اصلی وطن ہندوستان نہیں ہے، مگر اس کانفرنس میں بہت سے پھل اور کئی ترکاریاں ایسی ہیں جو میری ہی طرح بدیسی ہیں۔ اور تو اور اس ملک میں جو لوگ آج راج کر رہے ہیں وہ بھی زیادہ تر بدیسی ہیں۔ آریہ دوسرے ملک سے آئے، کشن ہون دوسرے ملک سے آئے، پٹھان دوسرے ملک سے آئے، مغل، شیخ، سیّد، سب ہی تو بدیسی ہیں۔ پھر یہ سب خود آئے۔ میں خود آئی نہیں، لائی گئی ہوں! لیکن آج جیسے آپ سب ہندوستانی ہیں، اسی طرح میں بھی ملکی اور ہندوستانی ہوں۔"

اس پر پھر کچھ شور سا اُٹھا۔ صدر نے پھر گرج کر کہا، "خاموش!"

مونگ پھلی نے تقریر جاری رکھی، "میں اقرار کرتی ہوں کہ میرا اصلی وطن جنوبی امریکہ ہے۔ اور آپ کو یہ سُن کر تعجّب ہوگا کہ ہم جب وہاں تھے تو ہمارے بھی بڑے بڑے درخت ہوتے تھے اور ہمارے پھل بھی بڑے بڑے ہوتے اور کُھلے بندوں شاخوں میں لٹکے ہوتے تھے۔ چڑیاں بھی ہمیں کھاتی تھیں، بندر اور بَن مانس بھی اور آج کی طرح انسان بھی۔ جب بدیسی لوگ ہمارے ملک میں پہنچے اور جہازوں میں بھر بھر کر ہمارے ہاں کے پھل اپنے اپنے ملکوں کو لے جانے لگے تو وہ ہمارے پھل بھی بڑی مقدار میں لے گئے۔ اُن کے ملک والوں کو ہمارے پھل بہت پسند آئے اور ہماری برابر برآمد ہونے لگی۔ ملک والوں نے جو یہ دیکھا تو ہمارے درخت دور دراز کے جنگلوں سے لا کر ساحلی علاقوں میں لگائے۔ مگر وہاں کی ریت بھری زمین میں نہ ہم کو میٹھا پانی ملا اور نہ اس طرح کی بڑھانے اور پنپانے والی ہَوا۔ اس لئے ہمارے درختوں کے قد چھوٹے ہوتے چلے گئے۔ ہم نے بڑے بڑے درختوں کی جگہ چھوٹے چھوٹے پودوں کی صورت اختیار کر لی۔ اب پھل بھی کم نکلے اور جو نکلے بھی وہ سُکڑا کر رہ جاتے یا وقت سے پہلے ہی سوکھ کر گر جاتے۔ اس لئے ہمارے درختوں نے اپنے پھلوں کو شاخوں میں لٹکانے کی جگہ زمین میں چھپایا۔ وہاں یہ خرابی

ہوئی کہ ہماری نرم جِلدوں کو زمین کی نمی اور تراوٹ نقصان پہنچانے لگی۔ اس لئے ہم نے اپنی ہلکی پتلی جِلد پر ایک اور سخت موٹی خول چڑھائی اور اسے ناہموار رکھا تاکہ نمی پوری جِلد پر یکساں طور پر نہ پہنچ سکے اور اسے آسانی سے خراب نہ کر سکے۔ جب ہمارے پھلوں نے دانے کو اس طرح چھپا لیا تو اُن کی تلاش ہوئی اور لوگوں نے زمین کھود کھود کر ہمیں وہاں ڈھونڈھ نکالا۔ چونکہ ہمارے پھل ہلکے بھی ہوتے ہیں اور اِن کا ذائقہ امیر، غریب، خاص اور عام سب کو پسند آیا اس لئے لوگ ہمارے پھل دوسرے دوسرے ملکوں تک لاد کر لے گئے اور اپنے ہاں کی زمینوں میں ہماری کاشت شروع کر دی۔ امیروں اور روپے والوں نے تو ہمیں بادام کا مرتبہ نہ دیا، مگر ایسے عام لوگوں نے جو روز بادام نہ کھا سکتے تھے ہمیں اپنے کلیجے سے لگایا اور کسانوں نے ہماری مانگ دیکھ کر ہمیں غلّہ کی طرح بونا یوں ہم پھل کی جگہ ایک طرح کا غلّہ بن گئے۔"

اور وہ ذرا آواز بلند کر کے بولی، "اور یاد رکھئے کہ ہر غلہ پھل سے زیادہ انسان کی زندگی کے لئے ضروری ہے۔"

مجمع میں ذرا غصّہ کی لہر دوڑ گئی۔ سیب، آم، انار، سنترہ، موسمبی لال پیلے ہونے لگے۔

مونگ پھلی نے مسکرا کر کہا، "جناب یہ خفا ہونے کی بات نہیں ہے۔ نہ آپ لوگ ہر موسم، ہر فصل میں ہوتے ہیں اور نہ سال بھر آپ کو سنبھال کر بچا کر رکھا جا سکتا ہے اور نہ صرف آپ کو کھا کر انسان رہ سکتے ہیں۔ اس ملک کی پچھتر فی صدی آبادی تو آپ میں سے بعض کو عمر بھر میں ایک بار بھی نہیں چکھتی۔ ان کے پاس اتنا پیسہ ہی نہیں ہوتا کہ وہ بادام یا پستہ خریدیں۔ اخروٹ، چلغوزہ، کاجو صاحبان کی بھی یہی حالت ہے۔ مگر میں تو بچّے بچّے کی جیبوں میں دکھائی دیتی ہوں۔ اتنا ہی نہیں، میرا کوئی حصّہ بیکار نہیں جاتا۔ اجی اُدھر کا سخت چھلکا بھی غریب غربا آگ سلگانے میں کام میں لاتے ہیں۔" وہ کچھ پھلوں کو مخاطب کر کے بولی، "آم صاحب، خفا نہ ہو جئے گا، آپ کا چھلکا، آپ کی گٹھلی چُوس کر پھینک دی جاتی ہے۔ انار صاحب کا چھلکا بھی یوں ہی کوڑے خانہ کی زینت بنتا ہے۔ موسمبی صاحبہ کے چھلکے کی بھی یہی گت بنتی ہے۔ سنترہ صاحب کے چھلکے سے ضرور تھوڑا بہت کام لیا جاتا ہے۔ اس کا اب کچھ لوگ بدیسیوں کی دیکھا دیکھی جیم بنانے لگے ہیں۔ مگر وہ دیسی صاحب لوگوں ہی کے دسترخوان پر دکھائی دیتا ہے۔ بے چارے اسّی فی صدی دیہاتی تو اس کے نام سے بھی واقف نہیں۔ اکثر ترکاریوں کے چھلکے بھی یوں ہی پھینک دئے جاتے ہیں۔ اجی اور تو اور بعض نفاست پسند لوگ سیب تک کو چھیل ڈالتے ہیں۔ اور بیچ کا گودا جس میں بیج ہوتا ہے، تقریباً ہر پھل کا نکال پھینکا جاتا ہے۔ مگر میرا کوئی حصّہ بیکار نہیں جاتا۔ چھلکے کے اندر گودا ہی گودا ہے۔ اُسے کچّا بھی کھاتے ہیں بھون کر بھی۔ مجھے پیس کر آٹا بناتے ہیں اور گیہوں کے آٹے میں ملا کر بڑی لذیذ ٹکیاں اور پھلکے پکاتے ہیں۔ مجھ ہی کو کوٹ پیس پیل کر تیل نکالتے ہیں۔ آج جو آپ گھر گھر نہ جانے کتنے بناسپتی گھی دیکھتے ہیں، وہ سب میرا ہی رس ہیں۔ ملک کے ننانوے فی صدی لوگ میرے ہی روغن پر آج کل پلتے اور پروان چڑھتے ہیں، اور مجھی کو گرم بالو میں بھون کر گلی گلی بیچتے پھرتے ہیں اور لڑکے چاروں طرف سے انہیں خریدنے کو....."

یکایک میری آنکھ کھل گئی۔ میرے کمرے کے سامنے ہی گلی میں مونگ پھلی والا آواز دے رہا تھا، "بالو میں بھُنی! خستہ مونگ پھلی۔ یہ غریبوں کا بادام ہے، جاڑوں کا خاص میوہ ہے، گرم گرم! خستہ! بالو میں بھُنی.....!"

میں نے دیکھا تو میرا بارہ برس کا ملازم حفیظ میری پائنتی کھڑا مجھے بڑی آرزو سے دیکھ رہا ہے۔ میں اس نظر کا مطلب سمجھ گیا۔ میں نے پندرہ پیسے سرہانے سے نکال کر اُسے دئے۔ وہ دوڑ کر مونگ پھلیاں لے آیا۔ میں نے اس کو بھی دیں اور خود بھی کھائیں۔ افسوس یہ ضرور رہا کہ کھلونا پڑھنے والے بچّوں کی جیبوں تک یہ خستہ، گرم گرم، بالو میں بھُنی سوندھی سوندھی مونگ پھلیاں نہ پہنچا سکا!

●●

Taj Tahir Foundation

ڈاکٹر شکیل الرحمٰن

بہت دنوں کی بات ہے! شمالی ہندوستان کے کسی گاؤں میں ایک کسان رہتا تھا، اس کا نام رام پیارے تھا۔ منّی اور موہن کا باپ رام پیارے دن بھر اپنے کھیتوں پر کام کرتا اور شام ہوتے ہی گھر آجاتا اور اپنے کھلونوں کے ساتھ کھیلتا رہتا۔ اُس کی بیوی مر چکی تھی، وہ موہن اور منّی کو اپنے سینے سے لگائے رہتا، وہ کوشش کرتا کہ ان معصوم روحوں کو کبھی بھی ماں کی کمی محسوس نہ ہو۔

منّی اور موہن میں بڑا پیار تھا۔ دونوں بھائی بہن ایک ساتھ رہتے، ایک ساتھ کھاتے پیتے اور ایک ساتھ کھیلتے، بھائی بہن کی محبّت دیکھ کر گاؤں والے اپنے بچّوں سے کہتے "دیکھو تو یہ دونوں کتنے پریم سے رہتے ہیں، آپس میں کبھی نہیں لڑتے، کتنے اچھے بچّے ہیں۔" سب اپنے لڑاکو بچّوں کے سامنے منّی اور موہن کے پیار اور محبّت کی مثال پیش کرتے۔

منّی اور موہن کبھی کبھی رام پیارے کے ساتھ کھیتوں پر بھی جاتے اور چھوٹے چھوٹے کام کرتے، اپنے باپ کی اس طرح مدد کرتے ہوئے انہیں بڑی خوشی ہوتی تھی، رام پیارے زیادہ تھک جاتا تو منّی اس کے لئے لسّی بناتی، موہن دوڑ کر کنویں سے ٹھنڈا پانی لاتا۔

ایک دن کی بات ہے۔

کھیتوں میں ہل چلاتے ہوئے رام پیارے کو محسوس ہوا جیسے زمین میں کوئی سخت چیز دبی پڑی ہے، اپنے بیلوں کو چھوڑ کر وہ زمین کی مٹّی ہٹانے لگا، منّی اور موہن نے جو جامن کے درخت پر چڑھے ہوئے تھے، دُور سے رام پیارے کو زمین سے اس طرح مٹّی ہٹاتے ہوئے دیکھا تو دوڑے ہوئے آئے۔ رام پیارے نے ایک بار نظر اُٹھا کر اپنے معصوم بھولے بھالے بچّوں کو دیکھا جو حیرت سے تک رہے تھے اور جانے کیا سوچ رہے تھے اور پھر مٹّی ہٹانے میں مصروف ہو گیا، چند ہی لمحوں کے

Tahir Foundation

بعد زمین سے ایک بڑا لیکن بہت پُرانا آئینہ نکلا۔

رام پیارے ہنسنے لگا، دل ہی دل میں اس نے شاید یہ سوچا تھا کہ باپ دادا کے اس پُرانے کھیت میں کوئی خزانہ چھُپا ہوا ہے۔ وہ اپنی بدنصیبی پر دل ہی دِل میں جانے کیا کچھ سوچ رہا تھا۔ کتنا بدنصیب ہے وہ، نکلا بھی کیا، ایک پُرانا آئینہ۔ اِس آئینے پر گرد کی تہیں جمی ہوئی تھیں اور صورت بھی نظر نہیں آرہی تھی۔ رام پیارے نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر آئینہ موہن کو دیتے ہوئے کہا۔

"بیٹے" اس آئینے کو گھر لے جا اور اسے اچھی طرح صاف کرلے۔ اتنا کہہ کر وہ پھر اپنے کام میں مصروف ہوگیا — منّی اور موہن دھرتی کے دیئے ہوئے اس تحفے کو گھر لے آئے، اور اسے صاف کرنا شروع کیا — پانی سے، مٹّی سے، مٹّی اور پانی سے۔

لیکن آئینہ صاف نہ ہوا، گرد کی موٹی تہیں اسی طرح جمی رہیں، دونوں حیران تھے، آخر ماجرا کیا ہے، جتنا پُرانا آئینہ ہو، اتنی محنت سے کچھ تو صاف ہوتا۔

دونوں گھنٹوں محنت کرتے رہے، آئینہ صاف نہ ہوا، منّی اور موہن تھک ہار کر بیٹھ گئے۔

"کیسا آئینہ ہے منّی، صاف ہی نہیں ہوتا" موہن نے کہا۔

"میں بھی تھک گئی موہن، جانے کیسا آئینہ ہے" منّی ایک طرف مایوس بیٹھ گئی۔

"یہ کس طرح صاف ہوگا؟" موہن نے آئینے میں گھورتے ہوئے کہا، کوشش کے باوجود اسے اپنی صورت نظر نہیں آئی۔

"وہی تو میں سوچ رہی ہوں موہن، چلو کھیتوں پر، بابا شاید کوئی ترکیب بتادیں" منّی نے جواب دیتے ہوئے موہن کو

سال نامہ
نئی دہلی
کھلونا ۵۳

Taj Tahir Foundation

مشورہ دیا۔

"ٹھیک ہے، آؤ چلیں۔" موہن کپڑے جھاڑتا ہوا اُٹھ گیا۔

اُسی وقت جھونپڑی سے باہر ایک سادھو کی آواز سنائی پڑی!

"الکھ نرنجن! الکھ نرنجن!" آئینہ صاف ہو جائے گا، آئینہ صاف ہو جائے گا، الکھ نرنجن! الکھ نرنجن!"

سادھو کی آواز سُن کر منّی اور موہن نے ایک دوسرے کو حیرت سے دیکھا سادھو مہاتما تو آئے دن گاؤں میں آتے رہتے تھے لیکن آج تک کوئی ایسا سادھو نہیں آیا تھا جو جھونپڑی سے باہر کھڑا رہے اور یہ جان لے کہ جھونپڑی میں کیا ہو رہا ہے اور پھر آئینے کے بارے میں اُسے کیا معلوم تھا، یہ پُرانا آئینہ تو رام پیارے کے کھیت سے نکلا تھا اور منّی اور موہن اسے گھر لائے تھے، اسے تو کسی نے دیکھا بھی نہیں تھا، چند ہی لمحوں کے بعد سادھو کی آواز پھر آئی۔

"الکھ نرنجن، الکھ نرنجن، آئینہ صاف ہو جائے گا، آئینہ صاف ہو جائے گا، الکھ نرنجن، الکھ نرنجن!"

اب تو منّی اور موہن دونوں کو یقین آگیا کہ وہ جو کچھ سُن رہے ہیں، غلط نہیں ہے، دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے آہستہ آہستہ جھونپڑی کے دروازے تک آئے، دونوں نے دیکھا دروازے کے قریب ایک سادھو مہاتما کھڑے ہیں، آنکھیں سُرخ ہیں لیکن ہونٹوں پر مسکراہٹ ہے، لمبے لمبے اُلجھے ہوئے بال ہیں، لمبی سی ڈاڑھی ہے، ایک ہاتھ میں سانپ کی شکل کی ایک بَل کھاتی ہوئی چھڑی ہے اور دوسرے ہاتھ میں ایک بڑی جھولی ہے جس میں جانے کیا کچھ ہے، بڑے بڑے ناخن ہیں، پاؤں میں کھڑاؤں ہے دونوں بچّوں کو حیرت سے اپنی طرف تکتے ہوئے دیکھ کر مہاتما جی مسکرائے کچھ اس طرح جیسے وہ ان بچّوں کو دوست بنانا چاہتے ہوں اور پھر چیخ اُٹھے

"الکھ نرنجن! الکھ نرنجن! صاف ہو جائے گا آئینہ، آئینہ صاف ہو جائے گا، الکھ نرنجن! الکھ نرنجن!

"سادھو مہاراج، آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ ہم آئینہ صاف کرنا چاہتے ہیں؟ آپ کون ہیں سادھو مہاراج!" چنچل منّی نے سادھو سے سوال کیا۔

سادھو نے گھُور کر منّی کی طرف دیکھا، موہن کو ایسا لگا جیسے سادھو کی آنکھوں سے سُرخ انگارے نکل رہے ہیں۔ سادھو مہاراج نے پھر آنکھیں بند کر لیں اور مُسکرانے لگے، مُسکراتے ہوئے کہا۔

"الکھ نرنجن، بیٹی، سادھو مہاتماؤں کو سب کچھ معلوم ہے، کون سی بات ہے اِس زمین کی اور کون سی بات ہے اُس آکاش کی جو ہمیں معلوم نہیں، بچّے! ہم ہمالیہ کے نزدیک برف سے ڈھکے ایک غار میں تپسیا کر رہے تھے، اچانک اُدھر سے اِس گاؤں کی ہواؤں کا گزر ہوا، ہواؤں نے کہا، "رام پیارے کے کھیت سے صدیوں پُرانا آئینہ نکلا ہے، یہ سننا تھا کہ ہم چلے آئے، الکھ نرنجن! الکھ نرنجن!"

سادھو کی یہ باتیں سُن کر منّی اور موہن کو اور زیادہ حیرت ہوئی۔

"سادھو مہاراج، ہوا نے آپ سے ٹھیک ہی کہا ہے، بابا کے کھیت سے ایک بڑا لیکن بہت پُرانا آئینہ نکلا ہے" موہن نے کہا۔

"ہم کب غلط سنتے ہیں، ہم کب غلط کہتے ہیں، الکھ نرنجن، الکھ نرنجن" سادھو مہاراج نے آنکھیں کھول دیں۔

"لیکن سادھو مہاراج، اِس آئینے میں ہمیں کچھ نظر نہیں آتا، ہم تو اِسے صاف کرتے کرتے تھک گئے" موہن نے کچھ کہنے کی ہمّت کی۔

"ہم سب جانتے ہیں بیٹے، اسی لئے تو آئے ہیں، آئینہ

اگر آگ لگ جائے تو یہ تمام باتیں تفصیل سے پڑھئے

صاف ہو جائے گا، آئینہ بالکل صاف ہو جائے گا اور....
اور.... وہ سب کچھ نظر آئے گا جو آئینے میں ہے، الکھ نرنجن،
الکھ نرنجن !!"

"کوئی ترکیب بتائیے مہاراج !" منّی نے کہا

"یہ لو" سادھو نے اپنی بڑی جھولی میں ہاتھ ڈال کر گندے کاغذ کی ایک پُڑیا نکالتے ہوئے کہا، "یہ جڑی بُوٹی سے بنا ہوا سفوف ہے بیٹے، اس سفوف کو پانی میں گھول کر آئینہ صاف کرو، دیکھتے ہی دیکھتے آئینہ صاف ہو جائے گا، الکھ نرنجن، الکھ نرنجن !"

منّی نے سفوف لے لیا، بھائی بہن سفوف دیکھنے لگے، اسی لمحے سادھو غائب ہو گیا۔ آسمان پر اُڑ گیا یا زمین نگل گئی، منّی اور موہن کچھ سمجھ نہ پائے، البتّہ ایک دو بار سامنے برگد کے پیڑ سے آواز آئی "الکھ نرنجن" اور پھر دُور سے، اور پھر اور دُور سے اور پھر آواز کبھی گم ہو گئی۔

منّی اور موہن دوڑے دوڑے اندر آئے۔ موہن نے سادھو کے سفوف کو پانی میں گھول دیا اور لگے دونوں آئینہ صاف کرنے، آئینے سے گرد آہستہ آہستہ اُٹھنے لگی اور دونوں کی صورتیں نظر آنے لگیں، دونوں بہت خوش تھے، آئینہ صاف تو ہوا۔

پھر کیا ہوا ——— ؟

جیسے ہی آئینہ صاف ہوا اس آئینے میں اُسی سادھو کی صُورت نظر آنے لگی۔ کون سادھو؟ وہی جس نے منّی اور موہن کو سفوف کی پُڑیا دی تھی، منّی اور موہن نے گھبرا کر پیچھے دیکھا، وہاں کوئی نہیں تھا، دونوں کو سخت حیرت تھی جب اُن کے نزدیک سادھو نہیں تھا تو اِس آئینے میں وہ کس طرح نظر آ رہا تھا ——— دیکھتے ہی دیکھتے سادھو نے الکھ نرنجن کی آواز بلند کی اور پوری جھونپڑی کانپ گئی، منّی اور موہن ڈر سے ایک دوسرے سے لپٹ گئے۔ اب سادھو کا عکس پورے آئینے پر تھا، وہی سُرخ آنکھیں، وہی اُلجھے اُلجھے بڑے بڑے بال، وہی لمبی ڈاڑھی، ہونٹوں پر وہی مسکراہٹ، ہاتھوں میں وہی جھولی اور سانپ کی طرح ٹیڑھی میڑھی چھڑی۔

چند لمحے تک سادھو منّی اور موہن کو گھورتا رہا پھر بولا، "بہادر بچّے کبھی نہیں ڈرتے، تم دونوں کی محبّت سے ہم بہت خوش ہیں، بھائی بہن کی ایسی محبّت اب دنیا میں کہاں ہے، ایشور تم دونوں کو سدا سُکھی رکھے، تم دونوں کے پریم سے ہر گھر میں بھائی بہن کے پریم کا دیپ جلے گا۔"

منّی اور موہن دونوں حیرت سے سادھو کی باتیں سُن رہے تھے، دونوں سخت پریشان تھے، آخر یہ سب کیا ہے، اُن کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا، سادھو مہاراج آئینے کے اندر کس طرح گھس گئے۔

"آؤ اندر آؤ، الکھ نرنجن" سادھو نے کہا۔

"نہیں نہیں" دونوں بچّے کانپ گئے۔

"ڈرنے کی کوئی بات نہیں بیٹے، اندر آ جاؤ، اس آئینے کے اندر! ایک نئی دنیا تمہارے انتظار میں ہے، آؤ، آؤ، الکھ نرنجن۔"

موہن اور منّی نے گھبرا کر ایک دوسرے کو دیکھا، آنکھوں آنکھوں میں سوال کیا، اور دونوں کی آنکھوں نے آئینے

Taj Tahir Foundation

سالنامہ نئی دہلی کھلونا ۵۵

کے اندر جانے سے انکار کیا۔

"الکھ نرنجن"، سادھو کی آواز گونجی اور پھر ایسا ہوا کہ سادھو کا ایک ہاتھ آئینے سے باہر آیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اُس مضبوط ہاتھ نے موہن کو دبوچ لیا اور آئینے کے اندر کھینچ لیا، منّی چیخ پڑی اس نے دیکھا اس آئینے کے اندر سادھو کے ساتھ موہن کھڑا ہے، اور حیرت سے اِدھر اُدھر دیکھ رہا ہے۔

"جاؤ بھاگ جاؤ کھیتوں پر، اپنے بابا سے کہو سادھو مہاراج لے گئے موہن کو، آہاہاہا" سادھو نے قہقہہ لگایا۔

"نہیں نہیں" میں نہیں جاؤں گی، میرے موہن کو واپس کردو"، منّی رونے لگی۔

سادھو نے پھر ایک قہقہہ لگایا اور کہا، "کیوں؟ بھائی کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ الکھ نرنجن"۔

"نہیں نہیں، میں موہن کے بِنا نہیں رہ سکتی، ایک پل سانس نہیں لے سکتی، موہن، موہن، واپس آجاؤ منّی نے چیخ چیخ کر کہا، وہ روتی جا رہی تھی، ایسا لگتا تھا کہ موہن کچھ نہیں سُن رہا ہے، وہ خاموش اِدھر اُدھر دیکھ رہا ہے۔

"بھائی چاہیئے تو تُو بھی آجا اس آئینے میں، نہیں تو میں موہن کو لے کر چلا، الکھ نرنجن"، سادھو نے منّی سے کہا۔

"تم موہن کو لے کر نہیں جا سکتے"، "نہیں جا سکتے، موہن کو واپس کردو، موہن کو میرے پاس بھیج دو، نہیں تو میں مرجاؤں گی"، منّی کے آنسو تھے کہ تھمتے نہ تھے۔

"اتنا پیار ہے تو بھائی کے پاس کیوں نہیں آجاتی، بڑا پیار جتاتی ہے" سادھو نے اپنی جھولی سنبھالتے ہوئے کہا۔

"میں بھی آنا چاہتی ہوں، مجھے بھی اندر بلا لو، میں موہن کے بِنا نہیں رہ سکتی؛ میں ہر سمے اس کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں، منّی نے کہا۔

"سچ تیرا پیار امر ہے، تو بھائی کے لئے سب کچھ کر سکتی ہے" سادھو نے کہا اور اپنا مضبوط ہاتھ آئینے سے باہر نکال دیا "تھام لے یہ ہاتھ اور اندر آجا، تیرا بھائی انتظار کر رہا ہے۔"

منّی نے سادھو کا مضبوط ہاتھ تھام لیا اور دیکھتے ہی دیکھتے آئینے کے اندر چلی گئی۔

جیسے ہی منّی اندر آئی، سادھو مہاراج غائب ہو گئے اِدھر اُدھر سے رُک رُک کر آواز آئی "الکھ نرنجن! الکھ نرنجن" اور پھر آواز بھی گم ہو گئی۔

اب دونوں بھائی بہن ایک پھیلے ہوئے گرم ریگستان میں کھڑے تھے، دُور، دُور تک کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔

"منّی، ہم بُرے پھنسے، سادھو نے ہمیں دھوکا دیا"، موہن نے مایوس ہو کر کہا۔

"ہاں موہن، جانے ہم کہاں آگئے، ہر طرف تو صرف ریگستان نظر آرہا ہے"، منّی نے جواب دیا۔

"میں تو اس مصیبت میں پھنسا ہی تھا، تم کیوں آگئیں" موہن نے پوچھا۔

"ہُونہہ، کیوں نہ آتی، تمہیں اِس حال میں چھوڑ دیتی، جانے سادھو تمہارے ساتھ کیسا برتاؤ کرتا، میں تمہارے بِنا موہن کس طرح رہ سکتی تھی۔

"بابا کو کچھ معلوم نہ ہوگا ہم کہاں ہیں اور کس مصیبت میں پھنسے ہیں، تم وہاں ہوتیں تو بابا کو سب کچھ معلوم ہو جاتا" موہن نے دُور دُور تک دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں کیا کرتی، تمہیں تنہا اِس طرح چھوڑ دیتی تو سِسک سِسک کر مر جاتی"، منّی نے آہستہ سے کہا، اِس کی آنکھوں میں آنسو چمک رہے تھے۔

"اب کیا کریں، کچھ سمجھ میں نہیں آتا، جانے کون سی جگہ ہے" موہن نے کہا، اُسی وقت دونوں کے نزدیک ایک بلّی کی آواز سنائی دی "میاؤں میاؤں"۔ دونوں نے گھبرا کر دیکھا،

ان کے نزدیک ایک کالی بلّی بیٹھی تھی۔ ایسا لگتا تھا پالتو بلّی ہے، موہن نے جُھک کر اسے سہلایا تو وہ لیٹ گئی اور پھر چند ہی لمحوں میں دونوں کے ساتھ کھیلنے لگی۔

"پیاری بلّی ہے۔" موہن نے اِسے سہلاتے ہوئے کہا۔

"میاؤں، میاؤں۔"

"اِس ریگستان میں تُو کیا کر رہی ہے؟ کچھ مدد کرے گی ہماری"، منّی نے کالی بلّی کو سہلاتے ہوئے کہا۔

"میاؤں، میاؤں" جواب بہت تیز تھا، بلّی فوراً اُٹھ گئی اور چلنے لگی۔ چند قدم چلنے کے بعد رُک گئی اور گھُوم کر بولی "میاؤں میاؤں"، جیسے منّی اور موہن کو اپنے پیچھے بُلا رہی ہو۔ منّی اور موہن نے ایک دوسرے کو دیکھا، بلّی کی رفتار اور اس کی آواز کو اشارہ سمجھا اور اِس کے پیچھے چلنے لگے۔ آگے آگے بلّی تھی پیچھے منّی اور موہن اور ہر طرف پھیلا ہوا ریگستان۔ ریت گرم تھی، سُورج کی روشنی تیز تھی، آسمان سے انگارے برس رہے تھے، سارا ریگستان تپ رہا تھا، منّی اور موہن کو ایسا لگ رہا تھا، جیسے انہوں نے پیدل بہت سفر کیا ہے، بہت تھک گئے ہیں، اب چلنا مشکل ہو رہا تھا۔

"موہن، جانے یہ بلّی ہمیں کہاں لے جا رہی ہے، بہت پیاس لگ رہی ہے، حلق میں کانٹا سا چُبھ رہا ہے، منّی نے آہستہ سے کہا۔

"ہاں منّی، کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے ہم کہاں جا رہے ہیں، ہر طرف تو صرف گرم ریت ہے، یہاں پانی کہاں ملے گا، میرا حلق بھی سُوکھ رہا ہے۔" موہن نے منّی کو سہارا دے کر چلتے ہوئے جواب دیا۔

"میاؤں میاؤں" بلّی یک بیک اُچھل کر گھُوم گئی اور لگی ریتیلی زمین پر پنجے مارنے۔ دیکھتے ہی دیکھتے اِس جگہ ایک صاف شفّاف جھیل نظر آنے لگی۔ موہن اور منّی نے خوش ہو کر

خبر ہے
کہ کل بھی
بارش ہوتی
رہے گی

ایک دوسرے کو دیکھا اور چُلّو سے پانی پینے لگے، جب دونوں پانی پی چُکے تو آگے بڑھے، اسی طرح، بلّی آگے آگے اور موہن اور منّی پیچھے پیچھے۔ کچھ دُور چل کر یک بیک بلّی غائب ہو گئی اور ہواؤں میں میاؤں میاؤں کی آواز چند لمحوں تک گونجتی رہی، پھر ایسا لگا جیسے بلّی کی آواز ہواؤں میں غائب ہو گئی ہو۔

اُسی وقت تیز آندھی آئی، منّی اور موہن نے آنکھیں بند کر لیں، ہر طرف گرد و غُبار دیکھ کر وہ بہت پریشان تھے۔ چند ہی لمحوں میں آندھی کا زور کم ہو گیا، دونوں نے آنکھیں کھول دیں۔ اب اُن کے سامنے ایک صدیوں پُرانا مکان تھا عجیب صُورت تھی اِس کھنڈر نُما مکان کی، سیاہ پتّھر کے بنے ہوئے مکان کی سیاہی ایسی تھی کہ در و دیوار پر صُورتیں نظر آ رہی تھیں، ہر دیوار اور ہر دروازہ ایک آئینہ تھا، منّی اور موہن اِس سیاہ آئینے میں ہر جگہ کھڑے نظر آ رہے تھے، ہر ستون پر دو دو آنکھیں چمک رہی تھیں جیسے ہر ستون زندہ ہو، کھنڈر نُما مکان کے اندر سے ایک عجیب سی موسیقی کی آوازیں آ رہی تھیں، دونوں کو ایسا لگا جیسے کوئی انہیں کھینچ کر اندر لئے جا رہا ہے۔ اب دونوں کھنڈر میں تھے، موسیقی گونج رہی تھی جیسے ہر ستون، ہر دیوار سے موسیقی کی لہریں نکل رہی ہوں۔

"تم آگئے۔" ایک آواز گونجی، "اچھا ہوا۔" آواز پھر گونجی، "بہت اچھا ہوا۔" آواز گونج کر رہ گئی۔

"تم بھائی بہن ہو نا؟" آواز نے پوچھا۔ "ہاں۔" تم دونوں کے پیار سے گاؤں میں روشنی سی پھیلی ہوئی ہے۔" آواز نے خود ہی جواب دیا۔ "ہم چاہتے ہیں کہ تم لوگوں کے معصوم پیار کی روشنی دُور دُور تک جائے اور ہر ملک اِس پیار کے رِشتے میں بندھ جائے، کوئی کسی سے نفرت نہ کرے، کوئی کسی سے جنگ نہ کرے، تمام خطرناک ہتھیار تباہ کر دیئے جائیں ——" آواز گونج رہی تھی۔

"سامنے اُس کمرے میں جاؤ۔" آواز کا حکم مِلا۔ "اُس کمرے میں ایک بڑا صندوق ہے، اُسے کھولو، اُس میں ایک بہت پُرانی کتاب ہے، دس ہزار سال پُرانی کتاب، اسے اپنے ساتھ لے جاؤ، اِسے لے کر دیس دیس گھومو، جہاں جہاں یہ کتاب جائے گی وہاں وہاں نفرت کی آگ بجھ گی، محبّت اور دوستی کی روشنی پھیلے گی۔"

موہن اور منّی کمرے میں گئے، اُنہیں وہ صندوق نظر آیا جو رنگین شیشے کا بنا ہوا تھا۔ اس صندوق پر سفید پتّھر کے دو کبوتر بیٹھے تھے، جیسے ہی منّی اور موہن صندوق کے قریب آئے پتّھر کے دونوں کبوتر پھُر سے اُڑ گئے۔ دونوں گھبرا گئے۔ صندوق کھولا تو صندوق سے موسیقی کی دِلفریب لہریں نکلنے لگیں۔ صندوق میں وہ دس ہزار سال پُرانی کتاب رکھی ہوئی تھی دونوں اسے لے کر کمرے سے باہر آئے۔

"تم کِتاب لے آئے۔" آواز نے پوچھا۔

"ہاں، لیکن تم کون ہو، سامنے کیوں نہیں آتے؟" موہن نے ہمّت کر کے پوچھا۔

"میں سامنے نہیں آسکتا۔" آواز نے جواب دیا۔ "میری آنکھوں کو دیکھ کر تم شاید کتاب لینا بھول جاؤ اور میری آنکھیں مانگنے لگو اور میں اپنی آنکھیں ابھی نہیں دے سکتا، نہیں دے سکتا۔"

"ہم تمہاری آنکھیں نہیں چاہتے، ہم تمہیں دیکھ کر واپس چلے جائیں گے۔" منّی نے کہا۔

"میں انسان کی طبیعت کو پہچانتا ہوں۔ مجھے دیکھتے ہی تم کہو گے ہمیں اپنی آنکھیں دے دو، اور ہم انکار نہ کر سکیں گے اس لئے کہ تم دونوں بھائی بہن کی محبّت کی ہم دل سے قدر کرتے ہیں، ہم سے انکار نہ ہو گا، ہم سے انکار نہ ہو گا۔

"تمہاری آنکھوں میں ایسی کیا بات ہے ——" موہن نے پوچھا ——

"بچّو، تمہاری دنیا کا انسان ابھی ظالم ہے، اِس کا ظلم بڑھتا جا رہا ہے، اس کے دل میں نفرت ہے، وہ پیار اور دوستی کو بھول چکا ہے۔ جب وہ یہ کتاب پڑھ لے گا اور دوستی اور محبّت کی سچّائی کو سمجھے گا پھر میں اپنی آنکھیں اِسے دے دوں گا اور ضرور دے دوں گا —— ہاں، میری آنکھوں میں تمہاری دنیا کی ایٹم سے زیادہ طاقت ہے، میری آنکھیں تمہاری دنیا کے انسان کو مِل جائیں تو اِن سے ریل گاڑیاں چلنے لگیں گی۔ ہوائی جہاز اُڑنے لگیں گے، بجلی، پیٹرول اور کوئلے کی ضرورت نہ ہو گی، اِن سے کارخانے چلیں گے۔ فیکٹریاں چلیں گی، اِن کی مدد سے کِسان کھیتوں میں زیادہ سے زیادہ اناج پیدا کریں گے، لمحوں میں انسان چاند ستاروں پر جا سکے گا۔"

"تم ہم پر بھروسہ کر کے اپنی آنکھیں دے دو،" منّی نے کہا۔

"خوب، میں نے کہا تھا نا کہ تم دونوں آنکھیں مانگو گے، ابھی تو تم نے آنکھیں دیکھی بھی نہیں ——" بھروسہ!" آواز نے قہقہہ لگایا "بھروسہ ہاں، تم دونوں کے پیار پر مجھے بھروسہ ہے، اسی لئے میں نے تمہیں بُلایا ہے اور یہ دس ہزار سال

Taj Tahir Foundation

پُرانی کتاب دی ہے۔"

"یہ اتنی پُرانی کتاب ہے، لوگ اِسے کس طرح پڑھ سکتے ہیں؟" موہن نے پوچھا۔

"یہ کتاب دِل کی آنکھوں سے پڑھی جائے گی، اِسے ہر مُلک اور ہر علاقے کے لوگ دیکھتے ہی پڑھنے لگیں گے جب تمہاری دنیا کے انسان کے دِل سے نفرت دُور ہو جائے گی، انسان انسان پر ظلم نہ کرے گا، دوسرے ملکوں پر خطرناک بم نہ گرائے گا اُس وقت میں اپنی دونوں آنکھیں دے دوں گا، ضرور دے دوں گا، تم جا سکتے ہو، اپنی آنکھیں بند کر لو، ہاں اُس آئینے کی حفاظت کرنا اس لئے کہ ہم تک آنے کا واحد راستہ وہی ہے۔"

دونوں نے آنکھیں بند کر لیں، اُسی وقت اسی بلّی کی آواز سنائی دی۔ "میاؤں میاؤں"، اور سادھو کی آواز گونجی "الکھ نرنجن! الکھ نرنجن!"

چند ہی لمحوں میں موہن اور منّی اپنی جھونپڑی میں تھے، دونوں آئینے سے باہر آ چکے تھے۔ رام پیارے جو انہیں ہر طرف تلاش کر رہا تھا، دونوں کو دیکھ کر قریب آیا اور پوچھا! "تم دونوں کہاں تھے؟"

دونوں نے پوری کہانی سُنائی، رام پیارے کو یقین نہ آیا، اس نے اس آئینے کو ٹھوک بجا کر دیکھا، آئینہ پتّھر کی طرح سخت تھا اور اِس پر اِسی طرح گرد کی تہیں جمی ہوئی تھیں رام پیارے سوچنے لگا کہ کیا واقعی اس آئینے کے اندر یہ سب کچھ ہوا ہے یا یہ دونوں بچّوں کا خواب ہے، ایسا بھی کیا ہے کہ ایک ہی خواب دونوں بچّوں نے دیکھا ہو، جب اِس نے وہ دس ہزار سال پُرانی کتاب دیکھی تو اِسے کچھ کچھ یقین آ گیا، اور سچ پوچھو تو وہ بہت ڈر گیا تھا، اب تو سادھو کا دیا ہوا سفوف بھی نہیں تھا کہ وہ ایک بار پھر تجربہ کرتا، رام پیارے

تمہیں کیسے پتہ کہ میں کبھی ہوٹل میں بیرا بھی رہا تھا؟

نے اپنے بچّوں کی باتیں مان کر اِس انوکھے آئینے کو حفاظت سے رکھ دیا، کتاب اُٹھائی اسے کھول کر دیکھا بھی نہیں، اور اپنے ایک پُرانے صندوق میں رکھ دیا اور بچّوں سے کہا یہ سب جادُو کے تماشے ہیں، لہٰذا وہ ہرگز ہرگز اِس کتاب کو نہ چھُوئیں اور اِس آئینے کے نزدیک نہ جائیں۔

وقت گزر گیا ـــــ تیزی سے، رام پیارے کی غفلت سے وہ کتاب خراب ہو گئی، دیمک نے اُسے چاٹ لیا۔

موہن اور منّی بھی بڑے ہو کر اِس واقع کو خواب کی طرح یاد رکھ سکے ـــ ایک زمانہ ہوا جب اِس گاؤں میں یہ واقع ہوا تھا، کون کہہ سکتا ہے، کہ شمالی ہندوستان کے کِس گاؤں میں یہ آئینہ پڑا ہوا ہے، اِس انوکھے آئینے کی تلاش کون کرے گا، اس کھنڈر کی آواز جو آنکھیں دینا چاہتی تھی، ان آنکھوں کی ضرورت دنیا کو ہے یا نہیں، تمہیں بھی تو سوچنا ہے۔

پچھلے دِنوں میں لدّاخ گیا تھا، وہاں ایک بودھ بھکشو نے کہا تھا "میں اکثر سفید پتّھر کے دو کبوتروں کو شمالی ہندوستان کے علاقوں کی طرف جاتے ہوئے دیکھتا ہوں، جانے برسوں برسوں سے وہ کبوتر کیا ڈھونڈ رہے ہیں، ان کے پیچھے پیچھے کون اُڑ سکتا ہے ممکن ہے ـــــ ممکن ہے وہ انوکھا آئینہ مل جائے اور پھر ـــــ وہ آنکھیں بھی!

■■

Taj Tahir Foundation

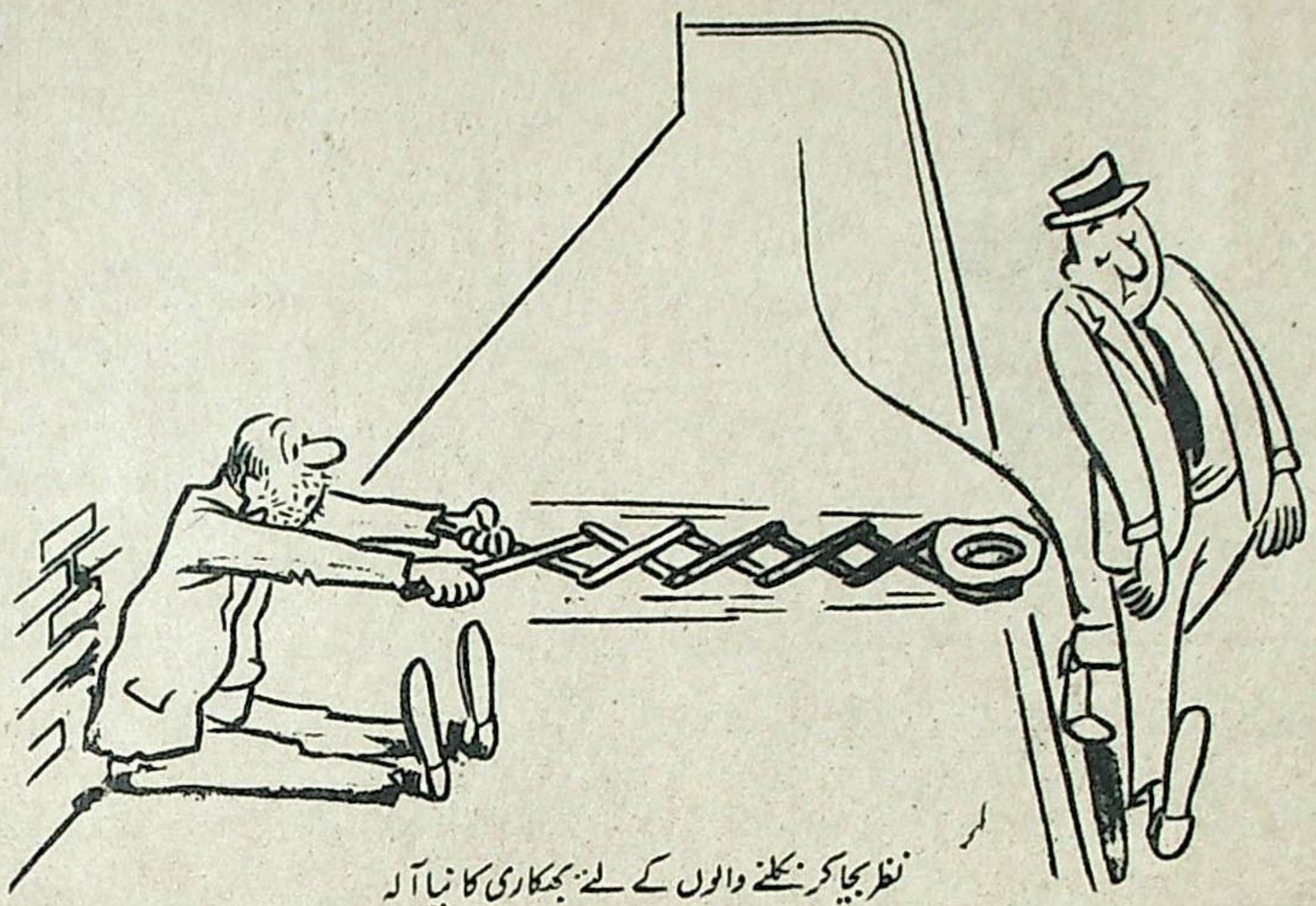

نظر بچا کر نکلنے والوں کے لئے: بھکاری کا نیا آلہ

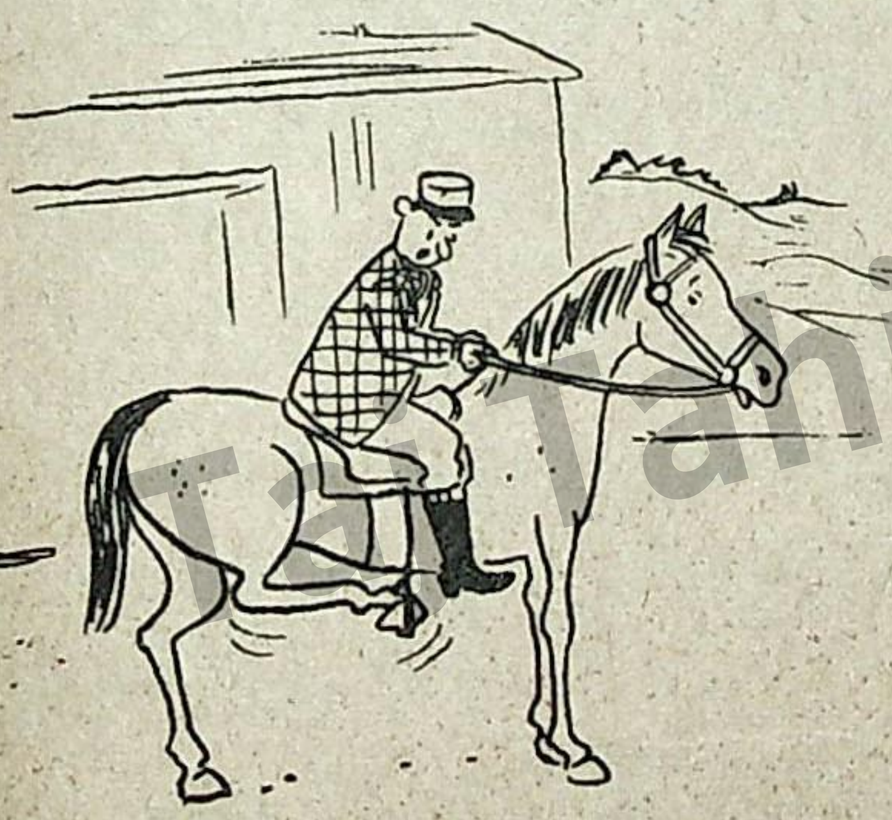

اگر تم اپنے اوپر سوار ہونے کی سوچ رہے ہو تو میں اترے جاتا ہوں

تازہ انڈا

بیگم —— اگر تم اندر ہو تو کچھ کہو نا!

Taj Tahir Foundation

واثق جونپوری

جشنِ نوشین

گھروں سے بچّو نکل آؤ گر رہی ہے برف
بجاؤ تالیاں اور گاؤ گر رہی ہے برف

فلک سے فرشِ زمیں پر برس رہا ہے نور
چھتوں پہ کھیتوں پہ شاخوں پہ بس رہا ہے نور
چمن ہے نور کی اک ناؤ گر رہی ہے برف

فضا میں چاروں طرف سُرمئی اُجالا ہے
تھی بوند پانی کی اب روئی کا جو گالا ہے
دِلوں کو شوق سے گرماؤ گر رہی ہے برف

ہے نرم ایسی کہ پھولوں کو گدگدی آئے
سفید ایسی کہ بگلے کا پَر بھی شرمائے
مِلا کے مُٹھ میں اِسے کھاؤ گر رہی ہے برف

بناؤ قوسِ قزح برف پر گرا کر رنگ
بڑھاؤ برف کے کھیلوں سے اپنے دِل کی اُمنگ
پھسل کے برف پہ دکھلاؤ گر رہی ہے برف

ترا شو برف کے پُتلے مناؤ یخ کی بہار
اُچھالو برف کی گیندیں اُڑاؤ یخ کی پھوار
چلو کہ پارک میں لے بھاؤ گر رہی ہے برف

گھروں سے بچّو نکل آؤ گر رہی ہے برف
بجاؤ تالیاں اور گاؤ گر رہی ہے برف

نوٹ: کشمیر میں پہلے SNOW FALL کو نوشین کہتے ہیں۔

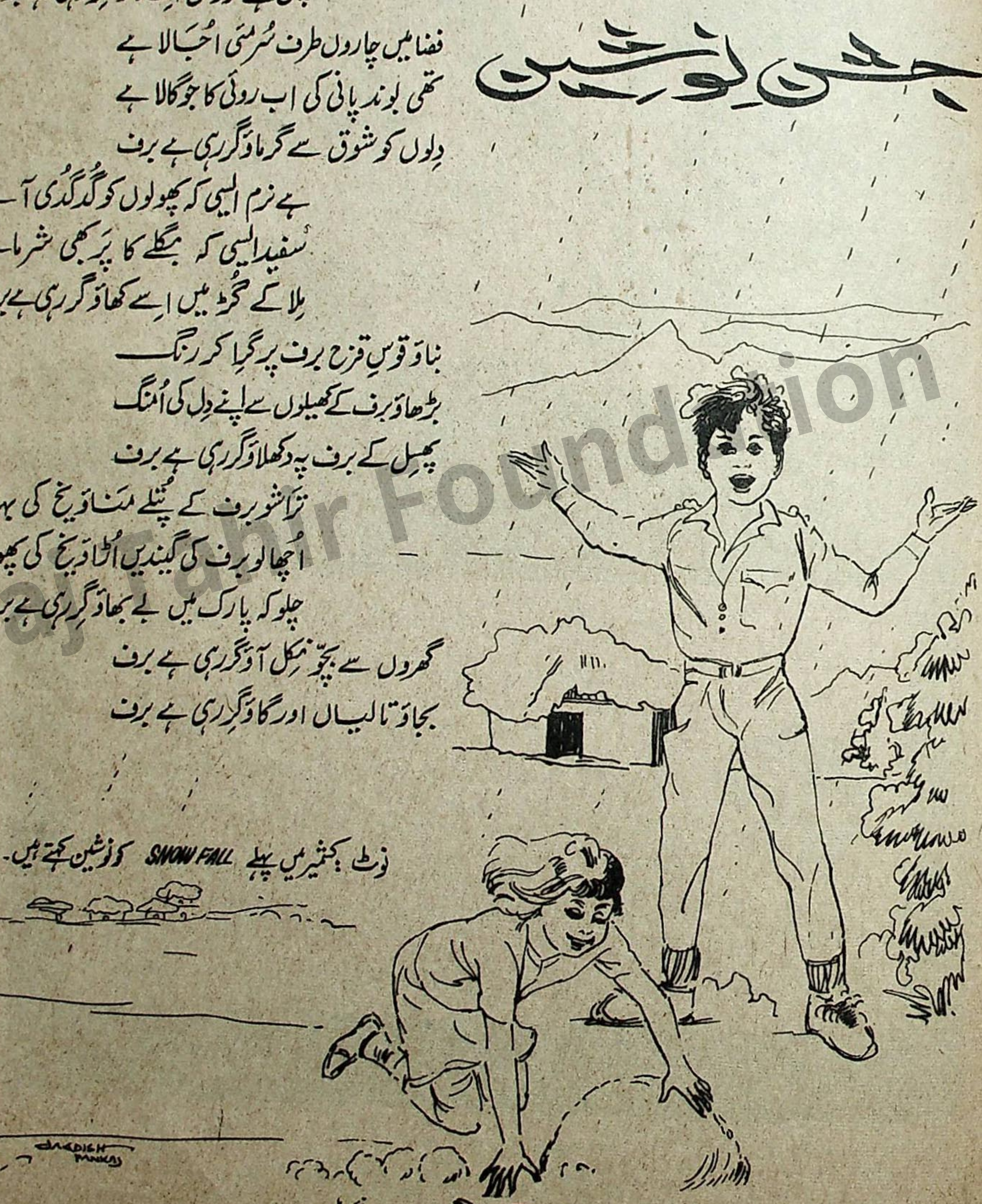

Taj Tahir Foundation

ذرا ٹھہریئے

کیا آپ گلے کی تکلیفوں میں اکثر مبتلا رہتے ہیں اور اس کی وجہ سے سخت پریشان ہیں، لیکن یہ نہ سمجھئے کہ ایسی پریشان کُن بیماری سے گلا کاٹ دینے سے ہی چھٹکارہ مِل سکتا ہے۔

ذرا ٹھہریئے! خالص دیسی ادویات سے تیار کیا ہوا "ٹونسیلیکس" ایک بار، صرف ایک بار استعمال کر کے تو دیکھئے، پھر آپ کو گلے کے غدود بڑھ جانے، گلے کی سرسراہٹ، خراش، گلے کے ورم، زخم اور دوسرے تمام امراض کی شکایت نہیں رہے گی۔ اگر آپ کے علم میں کوئی ایسا مریض ہو جس کے گلے کے غدود (ٹان سلائٹس) کا آپریشن ہونا ہے تو اُسے اِس دوا کے بارے میں ضرور بتایئے گا کیوں کہ پھر اُسے آپریشن کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ چھوٹے بچے جو کھٹی میٹھی چیزیں کھا کر گلا خراب کر لیتے ہیں اُن کے لئے بھی یہ بہت کام کی دوا ہے۔ ہر گھر میں اس کا رہنا بہت ہی ضروری ہے۔ قیمت : تین روپے

شمع (یونانی اینڈ آیورویدک) لیبارٹریز، لال کنواں، دہلی

SHAMA LABORATORIES

Taj Collection

سال نامہ ۶۲ کھلونا نئی دہلی

لاثانی بیٹا

عشرت رحمانی

تم نے حضرت سلیمان علیہ السّلام اور ان کے ہوائی تخت کا نام تو ضرور سُنا ہوگا۔ حضرت سلیمان علیہ السّلام خدا کے ایک نیک بندے اور پیغمبر تھے۔ ملک فلسطین میں ان کی حکومت تھی۔ خدا نے انہیں زمین پر ہی نہیں ہوا پر بھی اختیار بخشا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ان کا تخت آج کل کے ہوائی جہاز کی طرح ہوا میں اُڑتا تھا، اور وہ جہاں چاہتے اس پر بیٹھ کر ہوا میں سفر کرتے تھے — اُن کا ملک جنوں اور پریوں کا ملک کہلاتا تھا۔ وہاں کے باشندے بہت خوب صورت اور تندرست تھے۔ حضرت سلیمان اپنی سچّائی اور اِنصاف کے لئے دُور دُور مشہور تھے — روزانہ ہزاروں فریادی ان کے دربار میں آتے اور اپنا حق پاکر خوش خوش گھروں کو جاتے۔

ایک دن دو عورتیں روتی ہوئی ان کے دربار میں آئیں۔ ایک عورت کی گود میں ایک ننّھا بچّہ تھا۔ دونوں عورتیں اس بچّے کی دعوے دار تھیں۔ حضرت سلیمان نے پہلی عورت کو حکم دیا کہ وہ اپنا بیان دے۔ پہلی عورت نے رو رو کر اپنا حال اس طرح سُنایا "میں اس عورت کے ساتھ ایک مکان میں رہتی ہوں۔ ہم دونوں کے خاوند کچھ دنوں سے باہر پردیس گئے ہیں۔ کل رات اس عورت کا بچّہ مَر گیا۔ میں اپنے اس بچّے کو لے کر حسبِ معمول سو گئی۔ اِس عورت نے اپنا مرا ہوا بچّہ میرے پاس

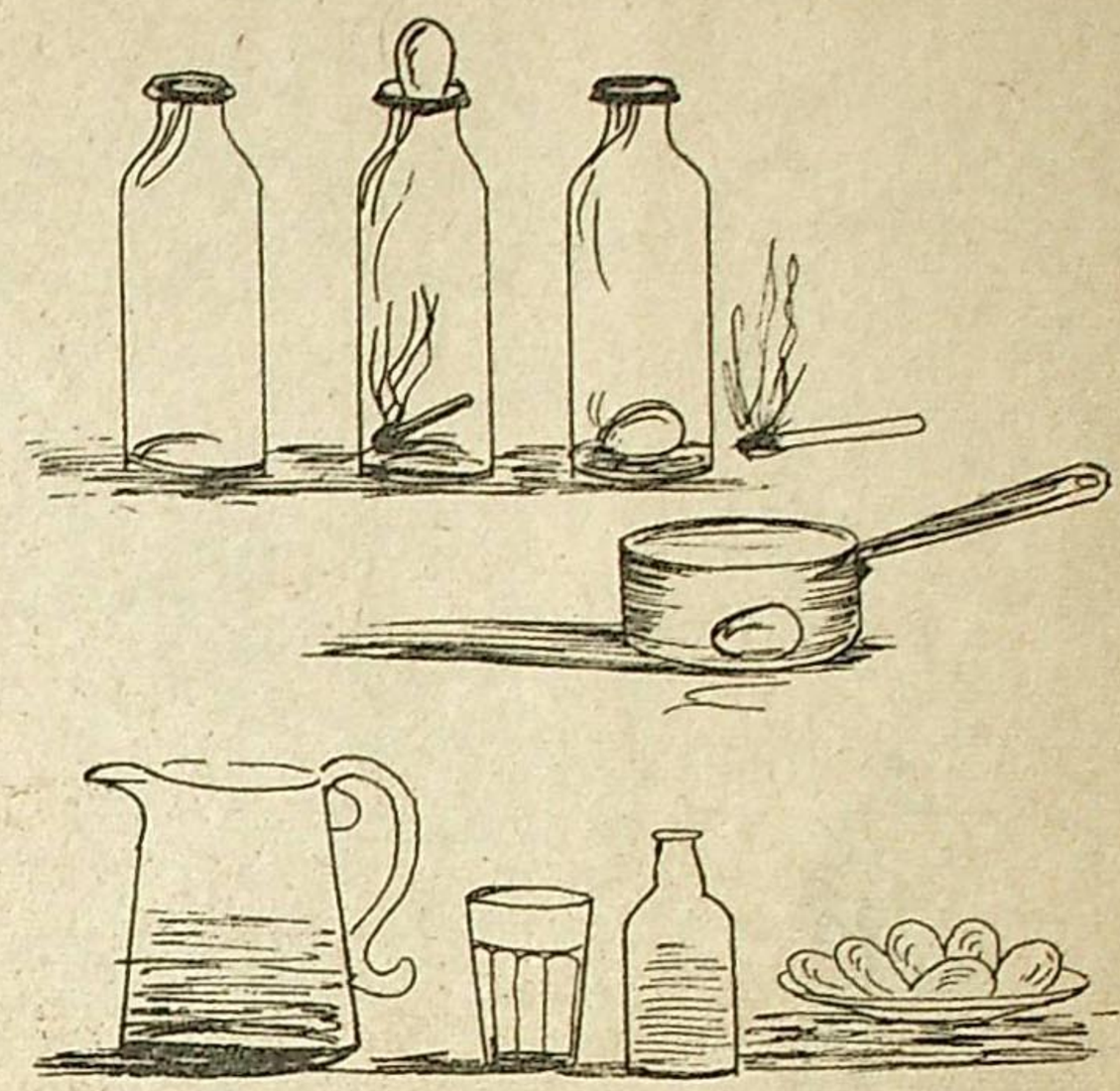

انڈوں کا ناچ

ایک انڈا لے کر اسے تقریباً دس منٹ تک پانی میں اُبالیں۔ پھر چند سیکنڈ تک اسے ٹھنڈے پانی میں پڑا رہنے دیں اور پھر اس کا چھلکا اتار دیں۔

اب چار انچ لمبا اور چار انچ چوڑا کاغذ لیں پھر اسے دیا سلائی دکھائیں اور جلتا ہوا کاغذ ایک کھلے مونہہ کی بوتل میں ڈال دیں اور جلدی سے وہ انڈا بوتل کے مونہہ پر رکھ دیں انڈا تھوڑی دیر تک اوپر نیچے ناچے گا اور پھر بوتل کے اندر گر جائے گا۔

ایسا کیوں ہوتا ہے؟ سائنس اس سوال کا یہ جواب یوں دیتا ہے۔

جلتے ہوئے کاغذ کی گرمی سے بوتل کے اندر کی ہوا گرم ہو کر اوپر اٹھتی ہے اور اس کا تقریباً دو تہائی حصہ باہر نکل جاتا ہے اس ہوا کے زور سے ہی انڈا اوپر نیچے کودتا نظر آتا ہے اور جب ایک تہائی ہوا ٹھنڈی ہو کر سکڑتی ہے تو اس کا دباؤ صرف پانچ پونڈ فی مربع انچ کے قریب رہ جاتا ہے لیکن باہر کی ہوا کا دباؤ اس کے تین گنے کے قریب رہتا ہے وہ انڈے پر زور ڈال کر اسے بوتل کے اندر گرا دیتا ہے۔

تباتی ہے، حضرت میرا انصاف کریں۔"

اس پر دوسری عورت نے شور مچانا شروع کر دیا اور اپنی کہانی پہلی عورت کی طرح سنا کر رونے پیٹنے لگی "یہ زندہ بچّہ میرا ہے، اِس کا بچّہ تو رات مَر چکا ہے یہ میرے بچے پر جھوٹا قبضہ کرنا چاہتی ہے۔ حضور کے دربار میں آئی ہوں کہ میرا حق مجھے دلایا جائے۔"

حضرت سلیمان نے تھوڑی دیر سوچ کر ایک جلّاد کو حُکم دیا "اِس بچّے کے دو ٹکڑے کر دئے جائیں اور آدھا آدھا بچّہ اِن دونوں عورتوں کو دے دیا جائے۔"

جلّاد یہ حکم سُن کر آگے بڑھا وہ تلوار نکال کر بچّے کے دو ٹکڑے کرنا ہی چاہتا تھا کہ دوسری عورت بچّے کو پیچھے چھُپا کر خود جلّاد کی تلوار کے سامنے آ گئی۔ اور رو رو کر حضرت سلیمان سے عرض کرنے لگی: "یا حضرت بچّے کے ٹکڑے نہ کئے جائیں۔ اسے زندہ رہنے دیا جائے۔"

حضرت سلیمان نے فرمایا "انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ تم دونوں کو اپنا اپنا حق مِل جائے۔ دونوں ایک ایک حصّہ لے لو۔"

"دوسری عورت نے رو کر کہا "نہیں عالی جاہ! مجھے یہ منظور نہیں، میں بچّے کو زندہ دیکھنا چاہتی ہوں۔"

پہلی فریادی عورت یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی اور چُپ چاپ کھڑی مُسکرا رہی تھی، جیسے وہ اس انصاف سے خوش ہو۔ حضرت سلیمان نے پہلی عورت کو مخاطب کر کے دریافت فرمایا "کیا تمہیں یہ فیصلہ منظور ہے کہ اس بچّے کے دو حصّے کر کے اسے تم دونوں میں تقسیم کر دیا جائے۔"

پہلی عورت نے حضرت سلیمان کے اِنصاف کی تعریفیں کر کے کہا "حضور عالی مجھے یہ حکم منظور ہے۔"

لٹا دیا اور میرے زندہ بچّے کو میرے پاس سے اُٹھا کر اپنے ساتھ سُلا لیا۔ جب میں صبح سو کر اُٹھی تو اپنے زندہ بچّے کی جگہ مرے ہوئے بچّے کی لاش پڑی پائی ــــ میں نے اس عورت سے اپنا بچّہ مانگا تو اس نے کہا کہ "یہ زندہ بچّہ میرا ہے۔ تیرا بچّہ تو رات مَر گیا جو تیرے پاس پڑا ہے۔" اس وقت سے میں اس سے اپنا بچّہ مانگ رہی ہوں۔ مگر یہ مجھ سے لڑتی ہے اور میرے بچّے کو اپنا بچّہ

اب حضرت سلیمان نے دوسری عورت سے ایک بار پھر پوچھا "کیا تمہیں اس بچّے کے دو ٹکڑے کرنا منظور نہیں؟"

عورت نے فوراً چیخ کر کہا "نہیں حضور، ہرگز نہیں ــــ بچّہ سلامت رہے۔"

حضرت سلیمان نے اُس سے فرمایا "تو پھر یہ بچّہ زندہ اسی صورت میں رہ سکتا ہے کہ پہلی عورت کو اس کا حق مِل جائے اور تم بچّے سے ہاتھ دھولو، تمہیں بچّہ نہیں مِل سکے گا۔ تم اس پر راضی ہو؟"

دوسری عورت نے جلدی سے کہا "بے شک ــــ میں راضی ہوں، جہاں پناہ۔ بچّہ زندہ سلامت رہے چاہے وہ اس عورت کے پاس رہے۔ اس کی زندگی ہے تو میں اپنے بچّے کو دیکھ سکوں گی۔ میں نہیں چاہتی کہ بچّے کے ایک ناخن کو بھی ذرا سا دُکھ پہنچے۔"

حضرت سلیمان مُسکراتے انہوں نے جلّاد کو حکُم دیا "تلوار نیام میں کر لو۔ ہمیں معلوم ہو گیا کہ اِس بچّے کی اصلی ماں ان دونوں میں کون ہے اور مکّار کون۔" پھر انہوں نے دوسری عورت کی طرف اشارہ کر کے حکم دیا "اے نیک بخت، یہ بچّہ سچ مچ تیرا ہے تُو واقعی اس کی ماں ہے کیوں کہ اسے تو دوسری عورت کے حوالے کرنے کو بھی تیّار ہے، مگر اس کا دُکھ تجھے گوارا نہیں۔" پھر انہوں نے بچّہ دوسری عورت کو دلوا دیا۔ اب پہلی عورت نے رونا دھونا شروع کیا "حضور میرے ساتھ انصاف نہیں کیا گیا۔"

حضرت سلیمان نے فرمایا "اے مکّار عورت! اگر یہ بچّہ تیرا ہوتا تو دوسری عورت کی طرح تجھے بھی اس کی محبّت ہوتی۔ تیری ممتا یہ ہرگز گوارا نہ کرتی کہ بچّے کے ٹکڑے کر دئے جائیں۔ جا چلی جا، ورنہ جھوٹ اور فریب کی سزا میں تجھ سے سختی کی جائے گی۔"

دوسری عورت اپنے بچّے کو گود میں لے کر خوشی خوشی حضرت سلیمان کے انصاف کی تعریف اور اللہ پاک کا شکر ادا کرتی گھر کو چلی گئی کہ اس کا بچّہ صحیح سلامت اسے مِل گیا، اور اس کی ممتا کی گود بھری رہی۔

■■

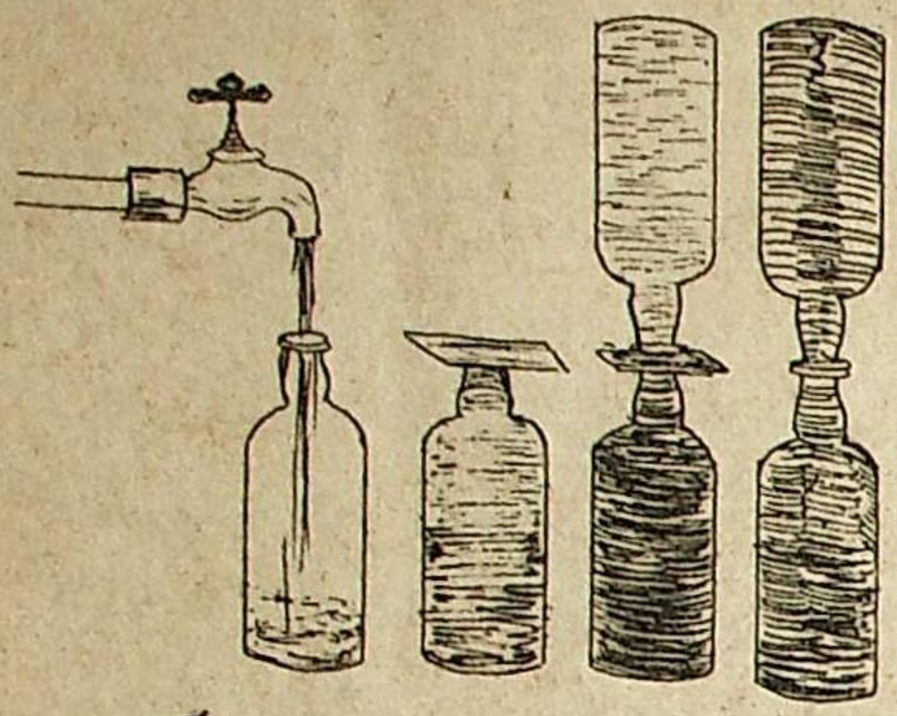

جنّ کو بوتل میں بند کیجئے

آپ نے الف لیلیٰ کا وہ قصّہ سنا ہو گا جس میں ایک جنّ اپنی بوتل سے باہر نکل آتا ہے ــــ آج بھی آپ بوتل کے اندر جنّ دیکھ سکتے ہیں نیچے دیئے گئے طریقے سے خود تجربہ کریں

سوڈا واٹر کی ایک خالی بوتل میں دو چمچے سیاہی ڈالیں اور اسے گرم پانی سے بھریں۔ یہ احتیاط رکھیں کہ اس میں ہوا کے بُلبلے باقی نہ رہیں۔ پھر ایسی ہی بوتل ایک اور لیں اور اسے ٹھنڈے پانی سے بھریں۔

ٹھنڈے پانی کی بوتل کے مونہہ پر ڈیڑھ انچ لمبا اور اتنا ہی چوڑا گتے کا ایک ٹکڑا رکھ دیں اور اسے دبا کر تھوڑا سا پانی باہر نکال دیں۔

اب ٹھنڈے پانی کی بوتل کو سیاہی والی بوتل کے مونہہ پر اس طرح اُلٹا کھڑا کر دیں کہ گتے کا ٹکڑا دونوں کے بیچ میں رہے۔ اس کے بعد گتے کے ٹکڑے کو ایسی احتیاط سے باہر نکال لیں کہ بوتلیں گرنے نہ پائیں۔ بس ایک لمحے کے بعد آپ دیکھیں گے۔ گرم رنگین پانی ٹھنڈی بوتل میں چڑھنا شروع ہو جائے گا اور آپ کو الف لیلیٰ کا قصّہ یاد آ جائے گا۔ ایسا کیوں کر ہوتا ہے، یہ بھی سن لیں۔

ٹھنڈا پانی گرم پانی کی نسبت بھاری ہوتا ہے جب آپ ٹھنڈے پانی کی بوتل گرم اور رنگ دار پانی کی بوتل پر اُلٹتے ہیں تو اس کا پانی نچلی بوتل میں آنے لگتا ہے اسے جگہ دینے کے لئے کچھ گرم پانی ٹھنڈے پانی کی بوتل میں چڑھنے لگتا ہے۔ سیاہی گرم پانی میں موجود ہوا کو بھی باہر نکال دیتی ہے اور یہ رنگ دار پانی اوپر والی بوتل میں جن کی شکل میں نظر آنے لگتا ہے۔

کتاب الطہارت

از مولانا مفتی حفیظ الدین احمد صاحب

اسلام روحانی و جسمانی پاکیزگی کا علمبردار ہے۔ دلوں کی پاکی کے ساتھ اجسام کی پاکی بہت ضروری ہے۔ جسمانی پاکی کے بغیر کوئی عبادت مقبول نہیں ہوتی۔ اس کتاب میں جسمانی پاکی حاصل کرنے کے طریقے، آداب اور اعمال نہایت تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔ مومن جب غسل وضو کے جملہ آداب کا لحاظ کر کے بارگاہِ خداوندی میں سجدہ ریز و دعا سنج ہوتا ہے تو فرشتے خدا کی رحمت کا تحفہ لے کر نازل ہوتے ہیں۔

کتابت طباعت و کاغذ اعلیٰ۔ سرورق دیدہ زیب۔ قیمت ۶۲ نئے پیسے

تبلیغی باتیں

از مولانا مفتی حفیظ الدین احمد صاحب

اسلام تبلیغی مذہب ہے اور تبلیغ ہی کی بدولت اسلام نے یورپ، ایشیا اور افریقہ کے دور دراز گوشوں میں اپنا نور پھیلایا۔ یہ کتاب اصول تبلیغ اور برکات تبلیغ پر بہترین معلومات فراہم کرتی ہے۔ انبیاء و رُسُل کی تبلیغ کا انداز کیا تھا۔ مسلمین سابقین نے کس نہج پر انسانوں میں ہدایت کا پرچم لہرایا۔ اور اس کے کیا نتائج حاصل ہوئے۔ اس طرح کے دلپذیر حالات کا مطالعہ کرنے کے لئے اس کتاب کا ہر گھر میں ہونا ضروری ہے۔ مبلغین کے لئے یہ کتاب بہترین معلم ثابت ہوگی اور اس کتاب کی رہنمائی میں آکر تبلیغ کے اثرات سخت سے سخت دلوں میں بھی نفوذ پذیر ہو سکتے ہیں۔

کتابت طباعت و کاغذ اعلیٰ۔ سرورق عمدہ۔ قیمت دو روپے ۵۰ نئے پیسے

انسانیت کا پیغام

از وحید الزماں قاسمی کیرانوی

اسلام کی خاص خوبی یہ ہے کہ انسانی حقوق کی حدیں مقرر کر دیں۔ حقوق کی ادائیگی میں دنیا کے مذاہب نے ہار مان لی تو اسلام آگے بڑھا اور اس نے ہر شخص کو اس کا حق دلایا۔ یہ کتاب مختلف طبقات کے درمیان ایک دوسرے کے حقوق کے تعیین میں بے نظیر کتاب ہے۔ انبیاء، صحابہ، علماء، رعایا، سلاطین، والدین، اقربا اور دوسرے بہت سے طبقات کے دینی، ملکی اور انسانی حقوق کی ادائیگی کمال انسانیت ہے، اور یہ کتاب اس بارے میں صحیح رہنمائی کرے گی۔

کتابت طباعت و کاغذ اعلیٰ۔ سرورق عمدہ۔ قیمت ایک روپیہ ۵۰ نئے پیسے

رمضان کی باتیں

از مولانا صادق علی بستوی

اسلامی عبادات میں روزہ ایک اہم عبادت ہے اور یہ فریضہ سال بسال مسلمانوں پر عائد ہوتا ہے۔ یہ سخت ہمت آزما عبادت ہے۔ اگر اس کو پوری شرائط کے ساتھ ادا نہ کریں تو محنت شاقہ کے باوجود کچھ ہاتھ نہیں آسکتا۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس کے جملہ آداب کا علم ہو اور اس کے مطابق عمل کیا جائے۔ یہ کتاب روزہ کی تاریخ، روزہ کی افادیت، روزہ کی حقیقت روزہ کے فضائل نیز ممنوعات و مکروہات اور تمام مسائل پر جامع کتاب ہے۔

کتابت طباعت و کاغذ اعلیٰ۔ قیمت ایک روپیہ ۵۰ نئے پیسے

قرآن اور عورت

قرآن مجید نے عورت کو قعرِ مذلّت سے نکال کر کس طرح بامِ عروج پر پہنچایا۔ کن کن فرائض کی ادائیگی کے لئے اس کو تنبیہ کی۔ اسلام نے عورت ذات پر کیا کیا احکام صادر کئے، اس پر ایک مکمل کتاب ہے۔

قیمت ایک روپیہ ۲۵ نئے پیسے

ہمارے نبی کی پاک بیبیاں

فخرِ موجودات سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کرنے والی مخالفین اسلام کے کھوکھلے اعتراضات کا مدلل جواب دینے کے لئے رسول پاک کی ازواج مطہرات کے بارے میں مفصل معلوماتی کتاب جس میں نبی کی شان اور وقار کو ملحوظ رکھ کر یہ بتایا گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کون سی بیوی سے کن حالات میں نکاح کیا؟ خدا کے احکامات کی کس طرح پیروی کرتے ہوئے کس کس عمر میں نکاح کئے۔ کون سی بیوی سے کتنی اولادیں ہوئیں۔ "ہمارے نبی کی پاک بیبیاں" کتاب میں امت کی ماؤں کے پورے حالات درج ہیں ——— قیمت ۶۲ نئے پیسے

کامیاب فالنامہ مع خواب نامہ

آپ نے خواب میں کیا دیکھا، اس کی تعبیر کیا ہے۔ یہ دیکھنے کے لئے ردیف کے حساب سے تیار کیا ہوا ہمارا کامیاب فالنامہ مع خواب نامہ منگائیے۔ قیمت ایک روپیہ

کھلونا بک ڈپو

آصف علی روڈ، نئی دہلی

Taj Tahir Foundation

آزادی کا مطالبہ

"تم اپنی محبّت ان کو دو، جس قدر دینا چاہو، مگر اپنا تخیّل ان کے حوالے نہ کرو . . . . تم ان کے جسموں کو اپنے گھروں میں آسائش پہنچاؤ، لیکن ان کی رُوحوں کو آزاد چھوڑ دو۔"

—— جبران خلیل جبران

گُڈو میاں کی آنٹی کو کتابیں زور زور سے پڑھنے کی عادت تھی، اور گُڈو میاں کو اپنی پسند کے جملے لے اُڑنے کی۔ اوپر کی بات ان کی کچّی عقل میں آئی ہو یا نہ آئی ہو، انہوں نے اسے یاد ضرور کر لیا۔ اور اب ان کا نعرہ تھا: **آزادی**۔

ہدایت: الیاس دہلوی

کہانی: شمشاد بیگم

تصویریں:

اے۔ ایل۔ سیّد، صدّیقی، پرساد، ذیا سنگھ، علی عثمان قاضی، بھوپندر سنگھ

اگلی صبح بڑی سہانی تھی۔ فیصلہ ہوا کہ پورا گھر سیر کو چلے۔ گھر پر یا تو پالتو جانور رہیں، یا رکاب کی ماری گُڑیا۔ آنٹی نے بچّوں کو تیار کیا

صبح کا دُھندلکا، باغ، دریا کا کنارا —— خواب کی سی فضا تھی۔ رخشی خود بھی اس خواب کی پرچھائیں بن گئی

Tahir Foundation

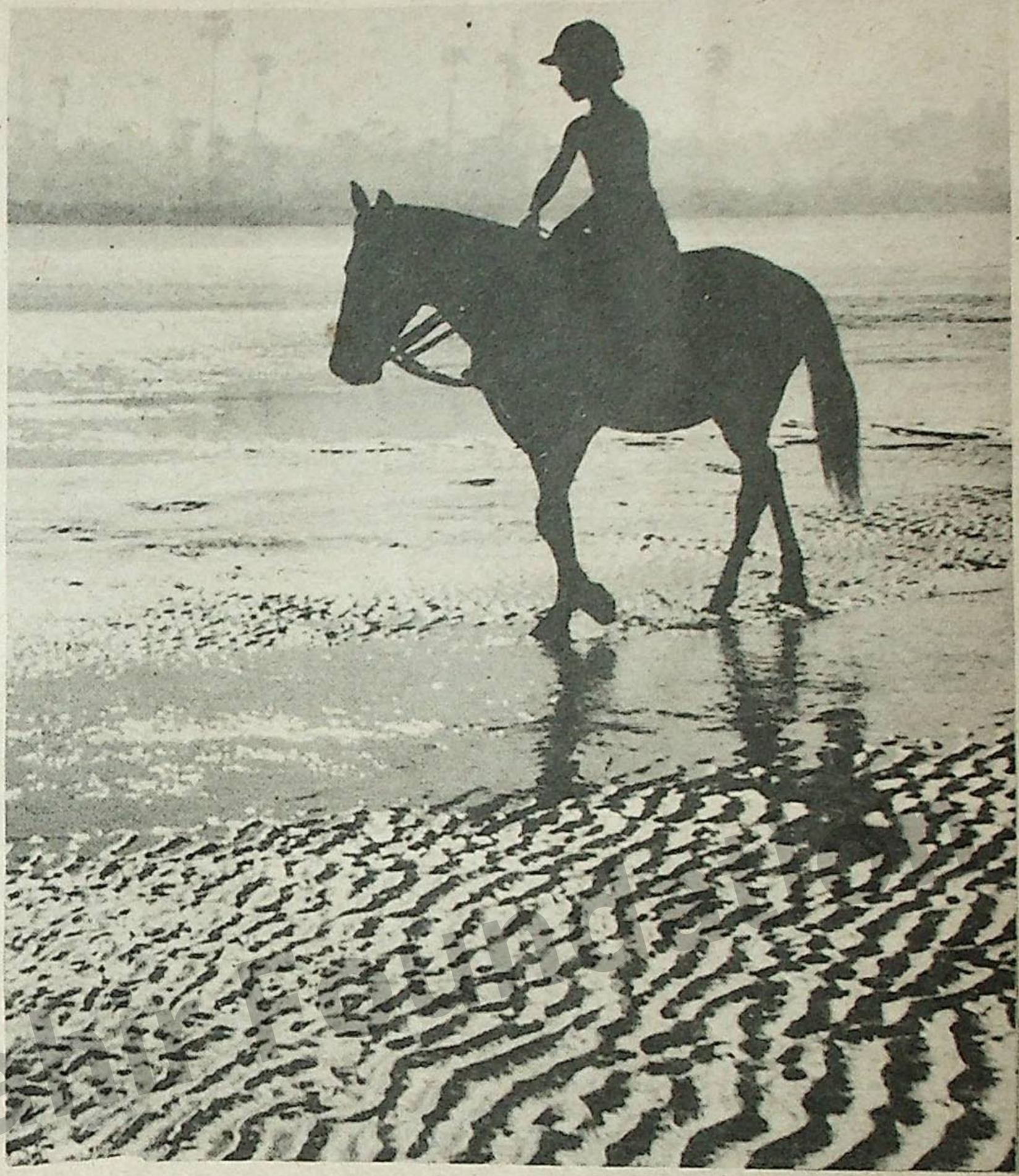

رفّو ٹٹو پر سوار ہو کر صبح کی پہلی کرنوں
میں نہانے لگی

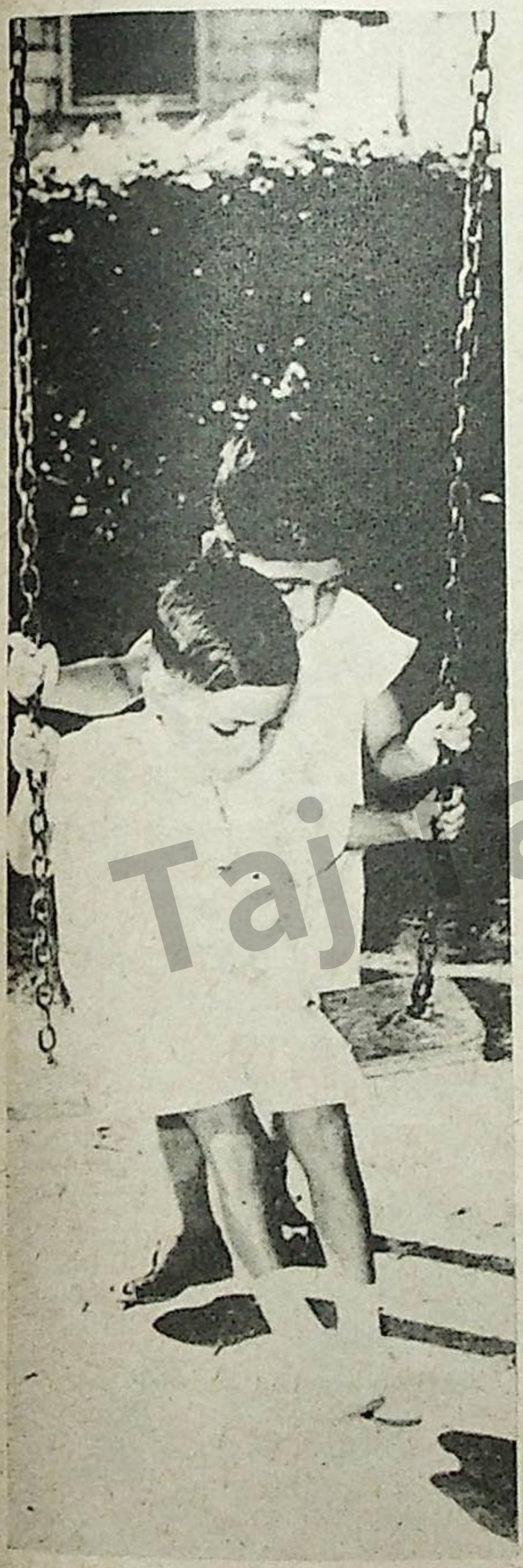

پپّو اور بٹّو نے جھولا سنبھالا

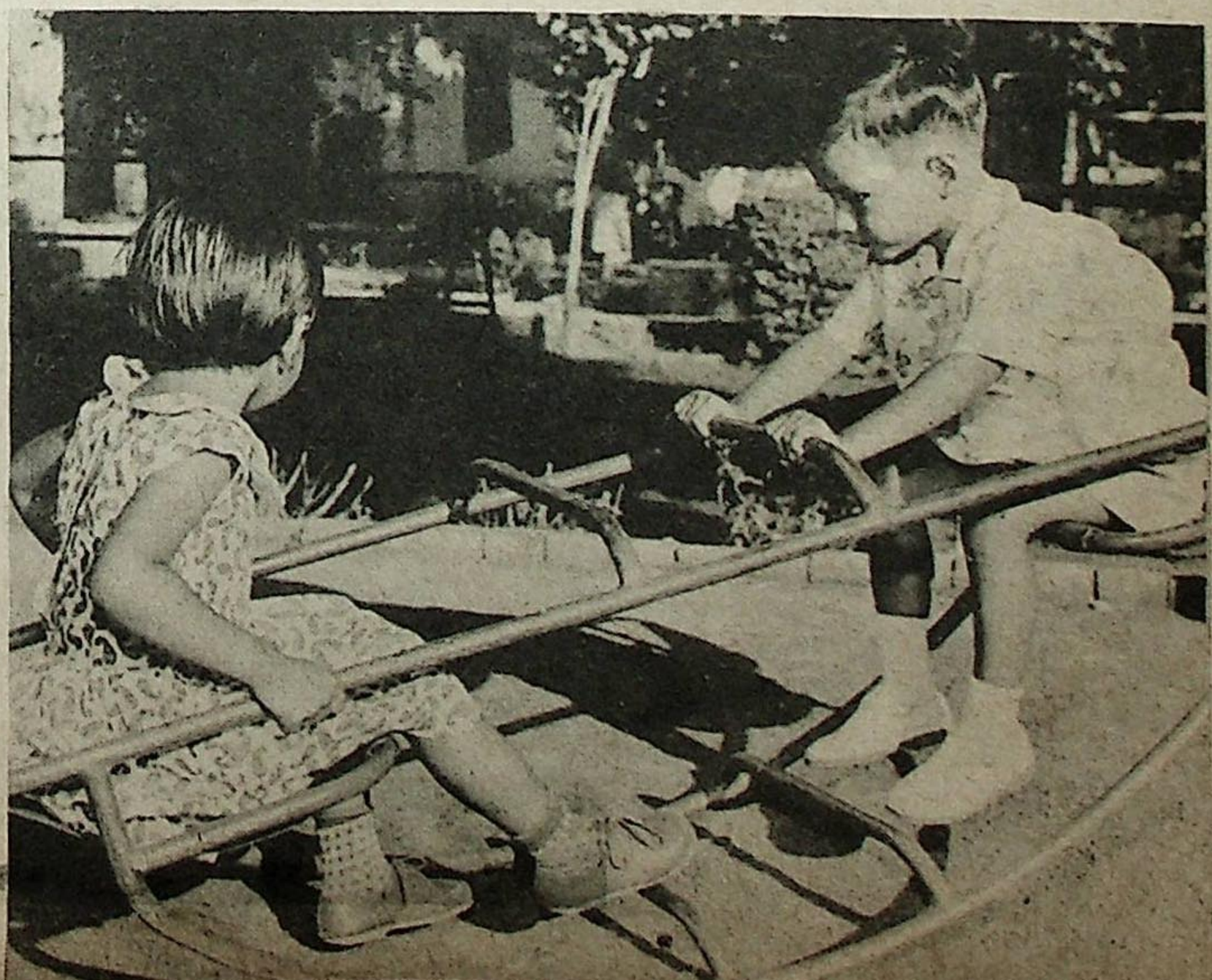

کِٹّو اور بے بی بھی جھونکے
لینے لگے

Taj Publishers

دونوں ننھے کسی سنجیدہ مسئلے پر کانا پھوسی کرنے لگے

یہ سب دیکھ کر گڈو میاں نے
بھی نعرہ لگایا: "آزادی"۔
اور سب سے الگ ہو گئے۔
انہوں نے کسی
بڑے کی بات دُہرائی:
"میں گلے سے بچھڑی ہوئی
بھیڑ ہوں۔"

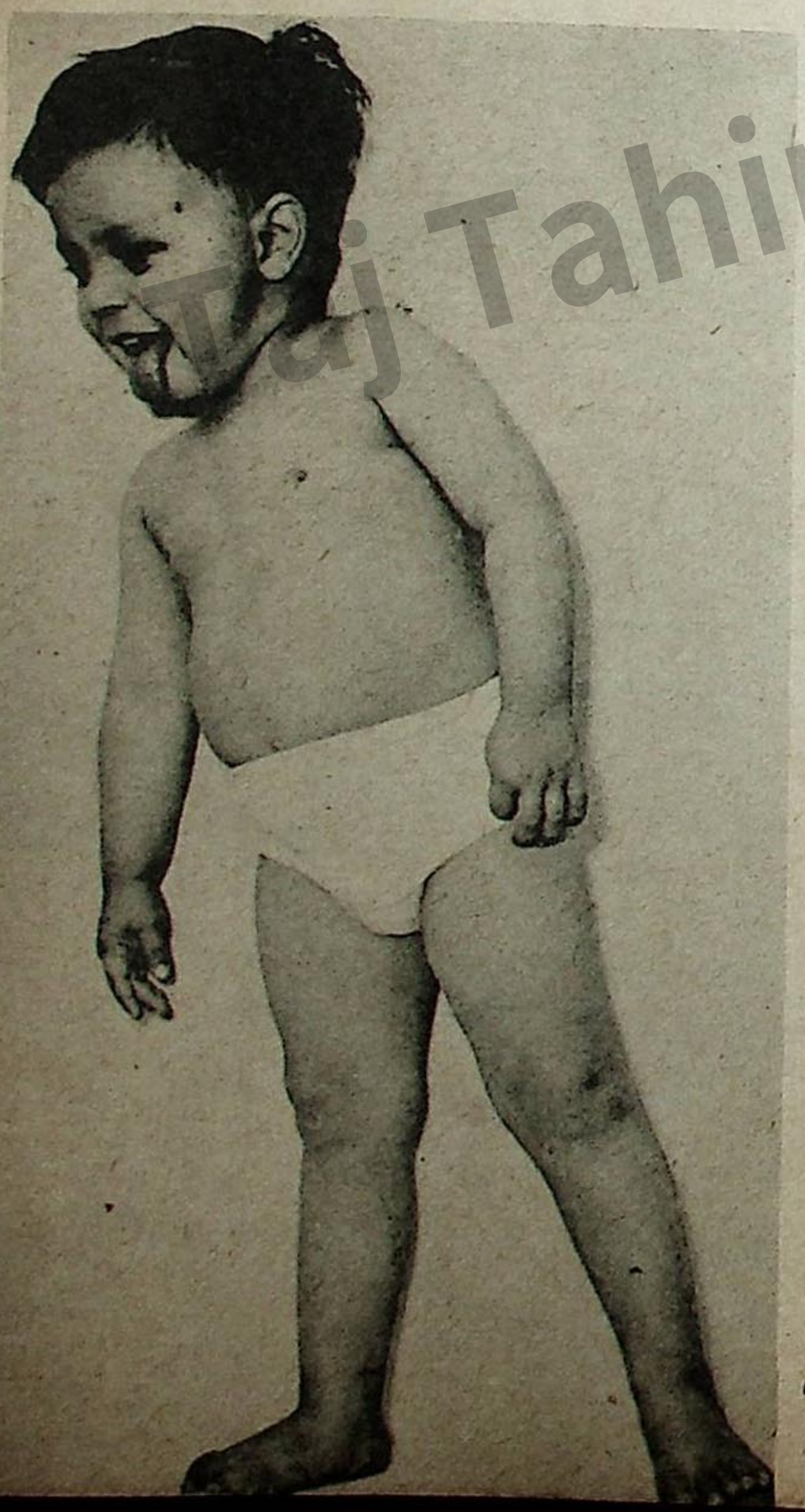

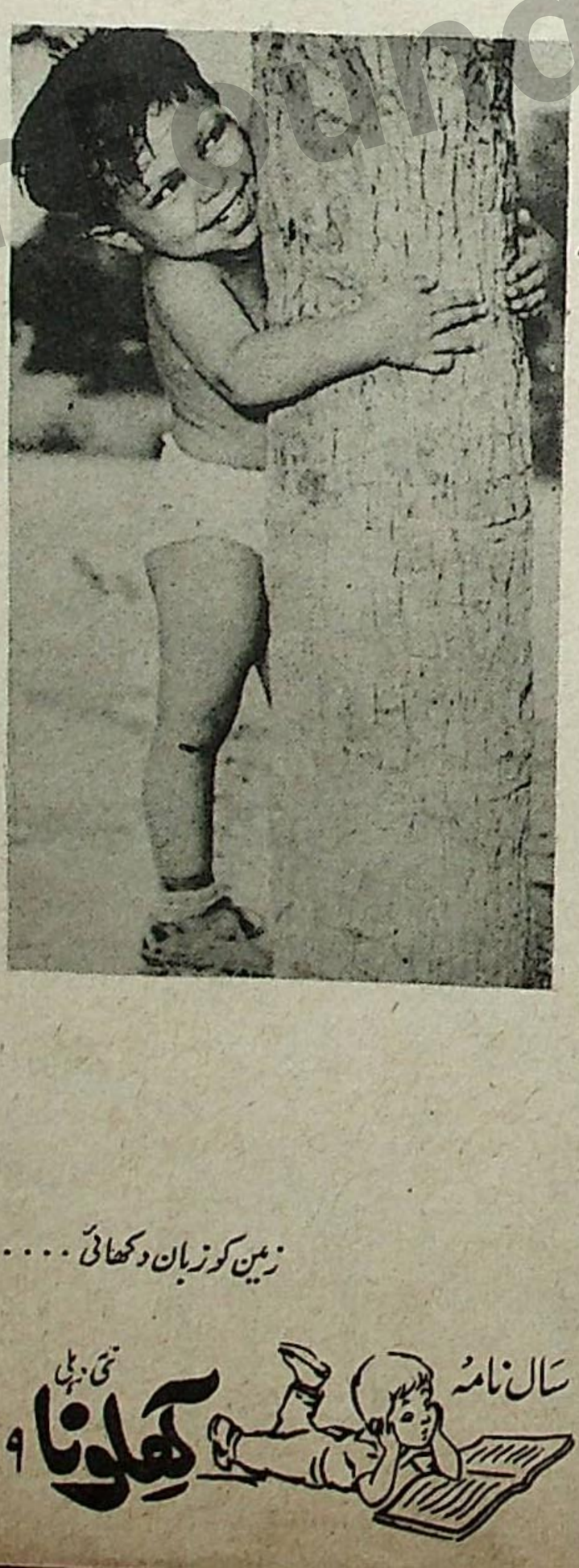

"کیوں نہ سب سے چھپ کر دُھوپ
میں نہایا جائے؟"

گُڈو میاں نے سُورج کا مونہہ چڑایا....

زمین کو زبان دکھائی....

Taj Tahir Foundation

لیکن جب شام ہونے لگی تو انہیں
پتہ چلا کہ وہ سچ مچ بھٹک گئے ہیں۔ شہر میں وہ پہنچ
تو گئے لیکن بُری طرح تھک گئے۔ گھر کا
پتہ اُنہیں معلوم نہ تھا

خوش قسمتی سے اُن کے پاپا کی نظر
ان پر پڑ گئی
وہ گڈو میاں کو گھر لے آئے
اور انہیں "قید" کر دیا

TajTabir Foundation

ادھر گھر میں گڑیا اور اس کے "ساتھی" بھی
خالی نہیں بیٹھے رہے تھے

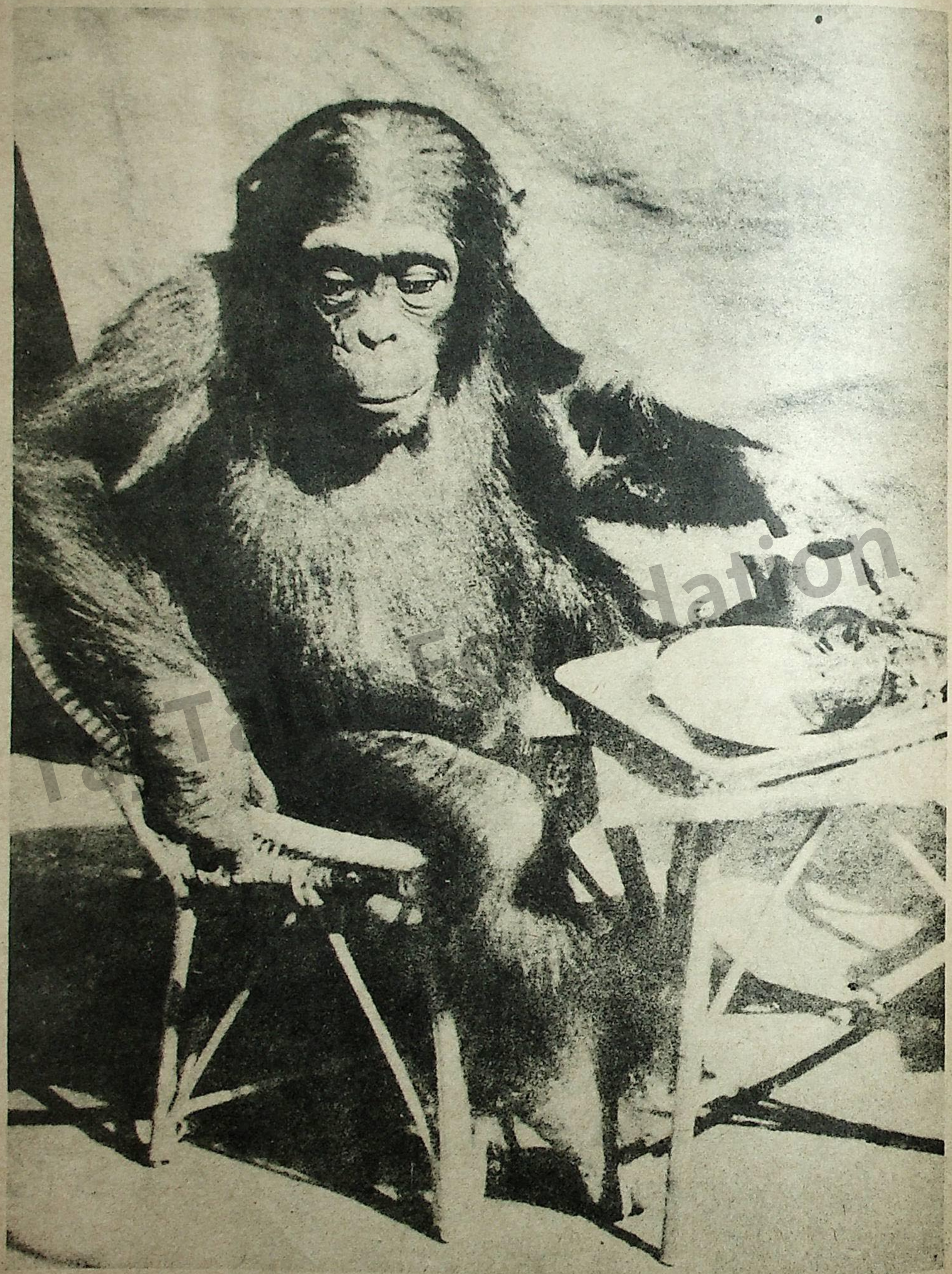

ناشتے کی میز پر میاں بندر کچھ اکڑ گئے "یہ خالی چائے میں نہیں پیتا" انہوں نے گڑیا سے کہا

گڑیا نے انہیں چمکار کر منایا

اُنہیں برفی کا ٹکڑا دیا

انہوں نے بھی گڑیا کی خاطر کی

Taj Tahir Foundation

پھر میاں بندر اوروں کی خدمت کرنے چلے

وہ صفائی پسند بہت تھے۔ بلیاں یوں تو خود ہی اپنے آپ کو چاٹ چاٹ کر صاف کر لیتی ہیں، لیکن میاں بندر ان کی بھی مدد کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے

بندر میاں کا دن کام ہی کام میں گزر گیا۔ شام کو انہیں گڈو میاں "قید" میں نظر آئے۔ اُنہوں نے بلّی سے کہا، "آؤ، اِس شیطان کو چھڑا دیں

گُڈو میاں نے آزاد ہو کر پھریرہ لگایا "آزادی!" اب انہیں موقع بے موقع دُہرانے کے لئے ایک نئی بات ہاتھ لگی تھی جو اُن کے پاپا نے کہی تھی: "بھیڑ کے لئے آزادی یہ نہیں ہے کہ اُسے بھیڑیوں کے درمیان آزاد چھوڑ دیا جائے"

Tahir Foundation

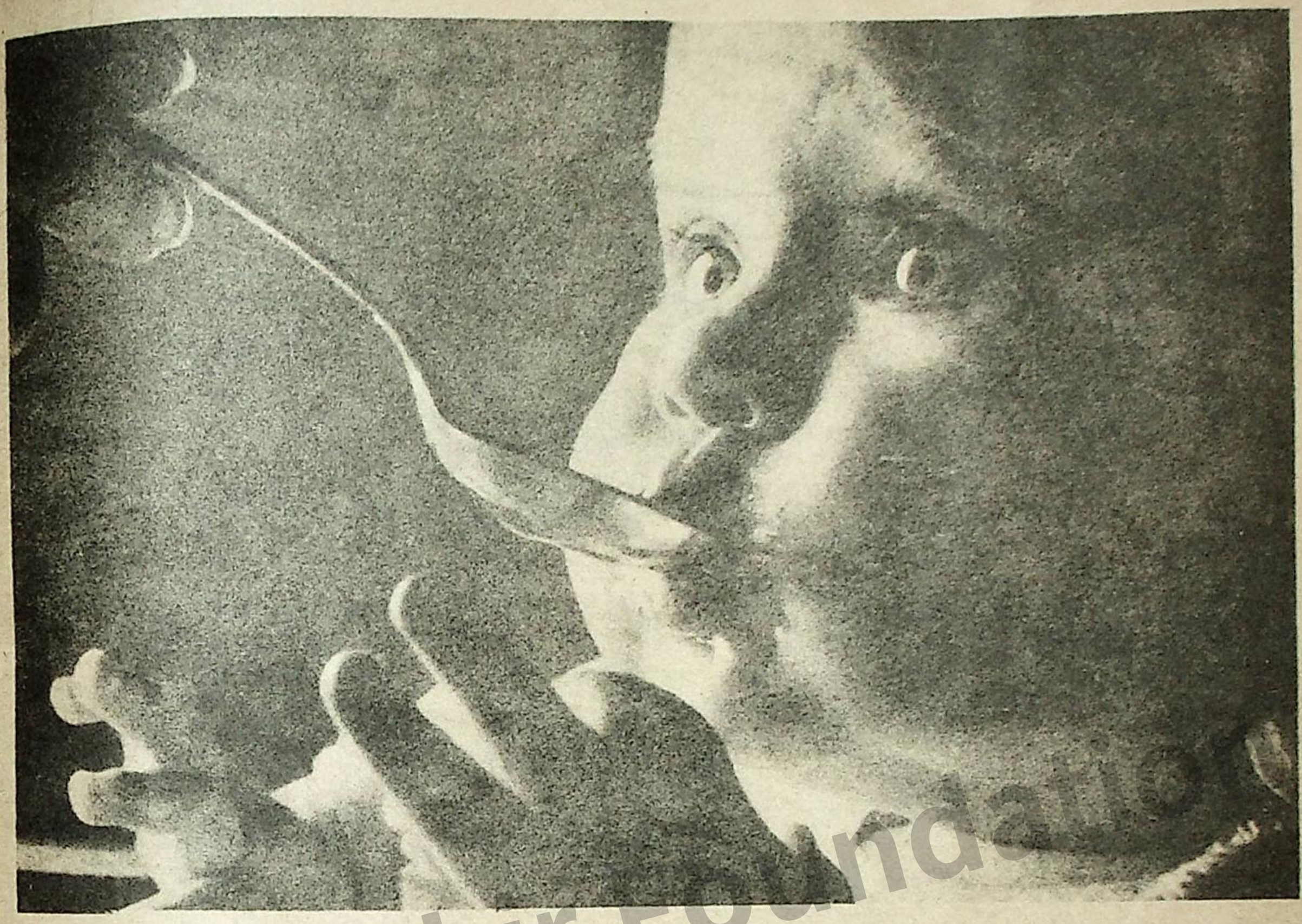

ایک چمچہ محبت بھرا

اپنے لاڈلے بچّے کو ہر صبح ایک چمچہ محبّت کا یعنی ممتا کا دیجئے اور پھر دیکھئے یہ چمچہ بھر ٹانک کس طرح بچّے کو ہنستا اور خوش خرم رکھتا ہے، یہ ٹانک آپ کو پتہ چلے بغیر خود بخود ہی بہت سی بیماریوں کو ابھرنے سے پہلے ہی ختم کر دیتا ہے۔ یہ قبض، نزلہ، زکام اور دانت نکلنے کے دنوں میں بھی تکلیف کم کر کے بچّے کو آرام پہنچاتا ہے۔ جسم میں کیلشیم کی ضرورت کو پورا کر کے ہڈیوں کو مضبوط کرتا ہے بچّے کے لئے ممتا ٹانک آپ کے پیار کی طرح ضروری ہے کیوں کہ یہ ٹانک ایک ماں کی طرح بچّے کا خیال رکھتا ہے۔ قیمت: تین روپے پچاس پیسے —— چھوٹی شیشی: دو روپے

شمع (یونانی اینڈ آیورویدک) لیبارٹریز، لال کنواں، دہلی ۶

گڈو گڈا

نریش کمار شاد

رنگ جُدا ہیں گو دونوں کے۔ ایک ہے گورا ایک ہے کالا
پھر بھی گڈّو یار ہے اُس کا۔ وہ بھی گڈّو کا متوالا
گڈّو نے اِک کُتّا پالا
اِس کُتّے سے گُڈّو کو ہے۔ گہرا اُنس بڑی ہم دردی
راس آئی ہے کُتّے کو بھی۔ گُڈّو کی آوارہ گردی
دونوں نے تو حد ہی کردی
گُڈّو، نئی نئی فلموں کے۔ جب بھی اُس کو گیت سُنائے
اِن کو سُن کر وہ جاہل بھی۔ بھوں بھوں کر کے تان مِلائے
وجد میں آکر دُم کو ہِلائے
جو کوئی گُڈّو سے جھگڑا۔ جس نے گڈّو کو دھمکایا
کُتّا اِس پر یک دَم بھونکا۔ فوراً اُس کو کاٹنے آیا
یوں یاری کا فرض نبھایا

سال نامہ نئی دہلی
کھلونا ۷۵

Tajmahir Foundation

بچّوں کے لئے قابلِ قدر کتابیں

سُنہری بالوں والے بچّوں کا دیس

اُردو کی مشہور ادیب اور افسانہ نگار بیگم صالحہ عابد حسین بچّوں کے لئے کہانیاں بھی بڑی میٹھی اور سہل زبان میں اور بڑے سہانے اور من موہنے انداز میں لکھتی ہیں۔ اس کتاب میں جرمن بچّوں کے رہن سہن، کھیل کود سبھاؤ اور برتاؤ کا حال کہانی کے پیرائے میں بیان کیا ہے۔ اس پر مصنفہ کو بچّوں کی کتابوں کے مقابلے میں حکومتِ ہند کی وزارتِ تعلیم کی طرف سے پہلا انعام ملا تھا۔ اچھی لکھائی چھپائی، نفیس کاغذ اور رنگین سرِ ورق نے اس کی دل کشی کو اور بڑھا دیا ہے۔ قیمت : ایک روپیہ

زعفران پریوں کے دیس میں (باتصویر)

یہ دونوں کہانیاں بیگم صالحہ عابد حسین نے اس قدر سہل الفاظ اور دل نشین انداز میں لکھی ہیں کہ ۸ سے ۱۲ برس تک کی عمر کے بچّے بڑی آسانی سے اور بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔ قیمت چوالیس پیسے

زِندگی کے کھیل

مشہور اور مقبول ادیبہ اور افسانہ نگار بیگم صالحہ عابد حسین کے چھوٹے بڑے ناٹکوں کا مجموعہ۔ اِن ناٹکوں میں زبان و بیان کی خوبیوں کے علاوہ ڈراما نگاری کے اصول اس طریقے سے برتے گئے ہیں کہ نہ صرف پڑھنے والے ان سے لُطف اُٹھاتے ہیں بلکہ اسکولوں اور کالجوں کی ڈراما سوسائٹیاں اور عام ڈرامیٹک کلب کامیابی کے ساتھ اسٹیج کر سکتے ہیں اور کرتے ہیں۔

قیمت : دو روپے پچاس پیسے

بزمِ خیال

بیگم سیّدہ فرحت استادِ عصر حضرت اثر لکھنوی کی شاگرد ہیں اور برّصغیر ہند کی شاعرات میں ایک ممتاز مقام رکھتی ہیں۔ اب تک ان کا کلام صرف خواتین کے مشاعروں میں اور عام مشاعروں میں سُنایا جاتا تھا یا آل انڈیا ریڈیو سے نشر ہوتا تھا۔ اب اُن کی غزلوں اور نظموں کا یہ پہلا مجموعہ شائع ہوا ہے جس کے ذریعے سے اُن کا کلام اربابِ ذوق کے وسیع تر حلقے تک پہنچ سکتا ہے۔

قیمت : ایک روپیہ

سندر چنار	...	...	... چوالیس پیسے
ایک اور ایک گیارہ	...	...	... پچاس پیسے
دنیا بدل گئی	...	...	... ساٹھ پیسے
اوجھل پری	...	...	... اسی پیسے
ہزاروں برس میں	...	...	... ایک روپیہ
عربی قاعدہ عالیہ عکسی خورد	...	...	... بیس پیسے
پارہ عم عالیہ عکسی خورد	...	...	... بیس پیسے

ظفر پیامی کا بچوں کے لئے ناول

سِتاروں کے قیدی

قیمت دو روپے

ہندی پڑھنے کے لئے ہندی تاش

نیل گیان تاش

قیمت دو روپے

کھلونا ـــــ بک ڈپو ـــــ آصف علی روڈ ـــــ نئی دہلی

Taj Tabani Foundation

رضیہ سجّاد ظہیر

نورُ

نورُ اسکول سے نکلی، بھاری اٹیچی کیس اُٹھائے، ایک طرف کو جھکی، سڑک کے روڑوں سے فٹ بال کھیلتی، مونگ پھلی چباتی، راستے میں بکتے ہوئے بڑھیا کے بال کے لال لال گولوں کو تکتی، تازہ ترین فلمی گیت گنگناتی گھر تک پہنچی بھڑ سے دروازہ کھولا، دھڑام سے اٹیچی کیس زمین پر پھسلایا ـــــ اندر آئی تو دیکھا کہ گیلری میں مستری لوگ نہ جانے کیا کھڑ پڑ کر رہے ہیں کھانے کی میز تک اُن لوگوں کا بکھیڑا پھیلا ہوا تھا ـــــ باورچی خانے سے ارہر کی دال بگھرنے کی بہت اچھی خوشبو آرہی تھی!

وہ باورچی خانے میں جھانکی "امّی ـــــ بڑی بھوک لگ رہی ہے!!

Taj Zahir Foundation

سال نامہ کھلونا نئی دہلی

امی چڑھ کے بولیں "کپڑے تو بدلو، ورنہ سب اسکول کے ڈریس پر سالن گراؤ گی ـــــ مونہہ ہاتھ دھوؤ ـــــ کھانا تیار ہے۔"

"مگر امّی، کھانے کے کمرے میں تو ...."

"وہاں مستری لگے ہیں بھئی۔ آج یہیں کھا لو گی تو کونسا تمہاری شان میں فرق آ جائے گا۔ مستریوں کو اسی لئے اس وقت بلایا ہے کہ شام کو ابّا کے آنے تک کھانے کا کمرہ خالی ہو جائے۔ آؤ کھانا نکال رہی ہوں۔"

نور کھسیا گئی ـــــ جب دیکھو تب ہر انتظام ابّا کے لئے!

وہ اپنے کمرے میں گئی ایک جوتا اتار کے ادھر پھینکا، ایک اُدھر۔ موزے البتہ دونوں اپنے اٹیچی کیس میں رکھے ـــــ موزے بڑی گڑبڑ چیز ہوتے ہیں۔ ذرا آپ چوکے اور وہ کھوئے ـــــ اور پھر ملیں گے کبھی بکس کے پیچھے کبھی کسی کتاب کی آڑ میں، کبھی تکیے کے نیچے، تو کبھی لحاف کی تہہ میں۔ پھر اُس نے ٹائی کھولی، پیٹی الگ کی، سرمئی یونی فارم اتاری اور چوڑی دار پاجامہ، کرتا پہن کر باورچی خانے میں گئی۔

امّی نے اپنی پیڑھی کے پاس چھوٹی نیچی میز پر کھانا نکال کے رکھ دیا تھا۔ نور کو بھوک بہت لگی تھی اور پھر امّی کی پیڑھی پر بیٹھنے میں اسے بڑا مزہ آ رہا تھا، کیوں کہ صرف امّی اس پر بیٹھتی تھیں، کوئی اور بیٹھ جاتا تو فوراً حکم ملتا "ہٹو ہٹو، میری پیڑھی چھوڑو ـــــ ابھی مجھے اس پر بیٹھ کر انڈے تلنے ہیں۔ کھسکو۔"

دو تین منٹ بعد جب ذرا اطمینان ہوا تو وہ بولی "امّی ـــــ یہ مستری کیا کر رہے ہیں؟"

"دیکھ نہیں رہی ہو، ٹیلی فون لگا رہے ہیں۔"

"ٹیلی فون!" وہ چونک پڑی "وہی امّی جس سے نمبر ملا کر بات کرتے ہیں؟"

"ہاں ہاں ـــــ اور کیا ـــــ ارے ٹیلی فون نہیں جانتی ہو"

نور کچھ نہیں بولی ـــــ دراصل اُس نے امّی کا سوال سنا ہی نہیں تھا، کیوں کہ اُس کا ذہن تیزی سے دوڑ رہا تھا۔ اس کی پیاری سہیلی کرن کے یہاں بھی ٹیلی فون تھا ـــــ نمبر؟ ارے نمبر تو اُس نے کبھی کرن سے پوچھا ہی نہیں۔ کوئی بات نہیں، کل اسکول میں پوچھ لے گی ـــــ ارے، کل تو اتوار تھا ـــــ کوئی بات نہیں بس کے دو اسٹاپوں پر تو اُس کا گھر تھا ـــــ اور ریوتی کے یہاں بھی تو ٹیلی فون تھا۔ اب وہ اس کی خبر لے گی ـــــ ٹیلی فون پر وہ کھری کھری سُنائے گی، صاف ڈیسک پر سے میرا ربر اٹھا لیا اور کہنے لگی "یہ تو میرا ہے" ـــــ جب میں نے اس کو نشانی بتائی اور اُنہوں نے پکڑا، تو بولی، میرا بھی بالکل ایسا ہی تھا ـــــ تھا تو میں کیا کروں! ـــــ اور ڈبّو بے چارا اس دن کتنا گھبرایا ہوا آیا تھا۔ کہنے لگا "نور، تمہارے یہاں ٹیلی فون ہے؟ میری ممی اب تک آفس سے گھر نہیں آئیں، تمہارے یہاں فون ہو تو اُن کو کر لوں ـــــ مگر ہمارے یہاں تھا ہی نہیں، اب اُس سے کہہ دوں گی کہ ڈبّو، جب کبھی تمہاری امّی کو آفس میں دیر ہو تو تم ہمارے یہاں سے اُن کے آفس فون کر لیا کرو ...."

"ارے یہ تم کھانا کھا رہی ہو کہ افیمچیوں کی طرح پنک میں ہو" ـــــ امّی نے آسے ٹوکا۔

"کھا رہی ہوں امّی۔"

"تو کھا چکو نہ ـــــ ابھی مجھے بازار بھی جانا ہے۔"

اور وہ باورچی خانے سے نکلنے ہی والی تھیں کہ ایک مستری آ کے کھڑا ہو گیا "بی بی جی، ٹیلی فون لگ گیا ہے، آپ کر کے دیکھ لو۔"

امّی نے گیلری میں چھوٹی میز پر رکھے ہوئے ٹیلی فون پر ایک نمبر ملایا اور نور اُن کی بات چیت سے سمجھ گئی کہ وہ سائرہ خالہ کو ٹیلی فون کر رہی ہیں جو جامعہ میں رہتی تھیں امّی ہی کی طرح کہانیاں

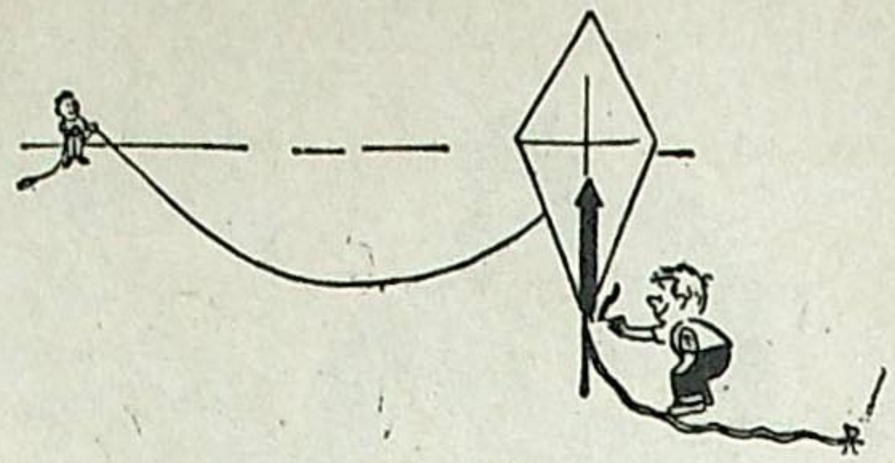

لکھتی تھیں اور اُن کی بڑی پیاری دوست تھیں ـــــ پھر نور کو اپنی لکھنؤ کی سہیلی بلقیس یاد آنے لگی جسے سب پیار سے بلّو کہتے تھے ـــــ اور اُس کی آنکھوں میں آنسو بھر ہی آئے تھے کہ اُسے ایک دم سے کچھ خیال آیا "امی، اس پر لکھنؤ سے بات کر سکتے ہیں"؟

اپنی سہیلی سے بات کر کے امّی کا موڈ بہت اچھا ہو گیا تھا، بولیں "ہاں ہاں ـــــ کوئی ضروری کام ہو تو کر سکتے ہیں"۔

نور نے سوچا کہ بھلا بلّو سے بات کرنے سے زیادہ ضروری کام اور کیا ہو سکتا ہے۔

شام کو امّی سے پوچھ کر وہ کرن کے یہاں گئی۔ کرن نے اسے اپنا نمبر دیا سو دیا ریوتی کا بھی دے دیا ـــــ جب نور گھر واپس آئی تو رستے میں مارکیٹ کے پاس ڈبّو ملا ـــــ وہ اپنے ابّا کی بڑی سی سائیکل کے بیچ میں پھنسا ہوا، پٹا پھٹ پیڈل مارتا بڑے زوروں میں جلدی جلدی چلا جا رہا تھا۔ نور نے زور زور سے ہاتھ ہلا کے کہا "ڈبّو ـــــ ڈبّو، ہمارے یہاں ٹیلی فون لگ گیا ـــــ اب تم جب چاہو اپنی امّی کو آفس فون کر لینا ـــــ کہاں جا رہے ہو؟"

ڈبّو بھی ادھر سے سائیکل میں پھنسے پھنسے چلا کے بولا "ہمارے گھر کچھ مہمان آ گئے ہیں، کیلے لینے جا رہا ہوں ـــــ کیا نمبر ہے تمہارا؟"

نور کھسیا گئی ـــــ بات یہ تھی کہ اُس نے اپنے گھر کا نمبر تو پڑھا ہی نہیں تھا ـــــ پھر بھی چلّا کر بولی "گھر آ کے دیکھنا"۔

"اچھا" ڈبّو کافی دور سے چیخا۔

نور گھر پہنچی تو ابّا امّی کسی پارٹی میں گئے ہوئے تھے اور بڑی باجی کے پاس اُن کے میڈیکل انسٹی ٹیوٹ کے کچھ دوست بیٹھے تھے۔ وہ پچھلے آنگن میں بیٹھی اُن سے باتیں کر رہی تھیں۔ منجھلی باجی اُن کے لئے کافی بنا رہی تھیں اور چھوٹی باجی اپنی قمیص پر استری کر رہی تھیں۔

میدان صاف تھا!

نور نے ٹیلی فون اُٹھایا اور ریوتی کا نمبر ملایا۔ اُدھر سے ایک لڑکی کی آواز آتے ہی نور نے جو ریوتی کو پٹکارا ہے "کیوں اب بتاؤ، ہمارے یہاں بھی ٹیلی فون لگ گیا ہے، اب نہ اترانا ـــــ اور ہاں اس دن میرا ربر کیوں چرایا تھا؟ اور اوپر سے کہنے لگیں یہ تو میرا ہے، بڑی آئیں ...."

اُدھر سے ہنسی کی آواز آئی .... پھر ریوتی نے پوچھا، "مگر تمہارا نمبر کیا ہے ـــــ کون ہو؟"

"آہا جیسے مجھے جانتی نہیں ہو، نور ہوں، قدیر صاحب کی بیٹی، تمہارے ساتھ پڑھتی نہیں ہوں؟"

پھر ہنسی کی آواز آئی اور ٹیلی فون بند ہو گیا!

رات کو سب لوگ کھانا کھا رہے تھے کہ امّی کے لئے کسی کا فون آیا وہ سُن کر آئیں تو اُن کی تیوری پر بل پڑے ہوئے تھے۔ چھوٹتے ہی نور سے بولیں "نور یہ کیا حرکت ہے تمہاری؟ تم نے مسز تھاپر سے ٹیلی فون پر بدتمیزی کی!"

نور حیران رہ گئی۔ نوالہ اس کے ہاتھ میں پکڑے کا پکڑا رہ گیا ـــــ "نہیں تو ممی"۔

"نہیں تو کیسے ـــــ تم نے شام کو کہاں فون کیا تھا؟"

"جی ـــــ ریوتی کو کیا تھا۔ اُس نے ہمارا ربر چرا لیا تھا"

"تم کو ریوتی کا نمبر معلوم ہے"۔

"جی ہاں"۔

Taj Tahir Foundation

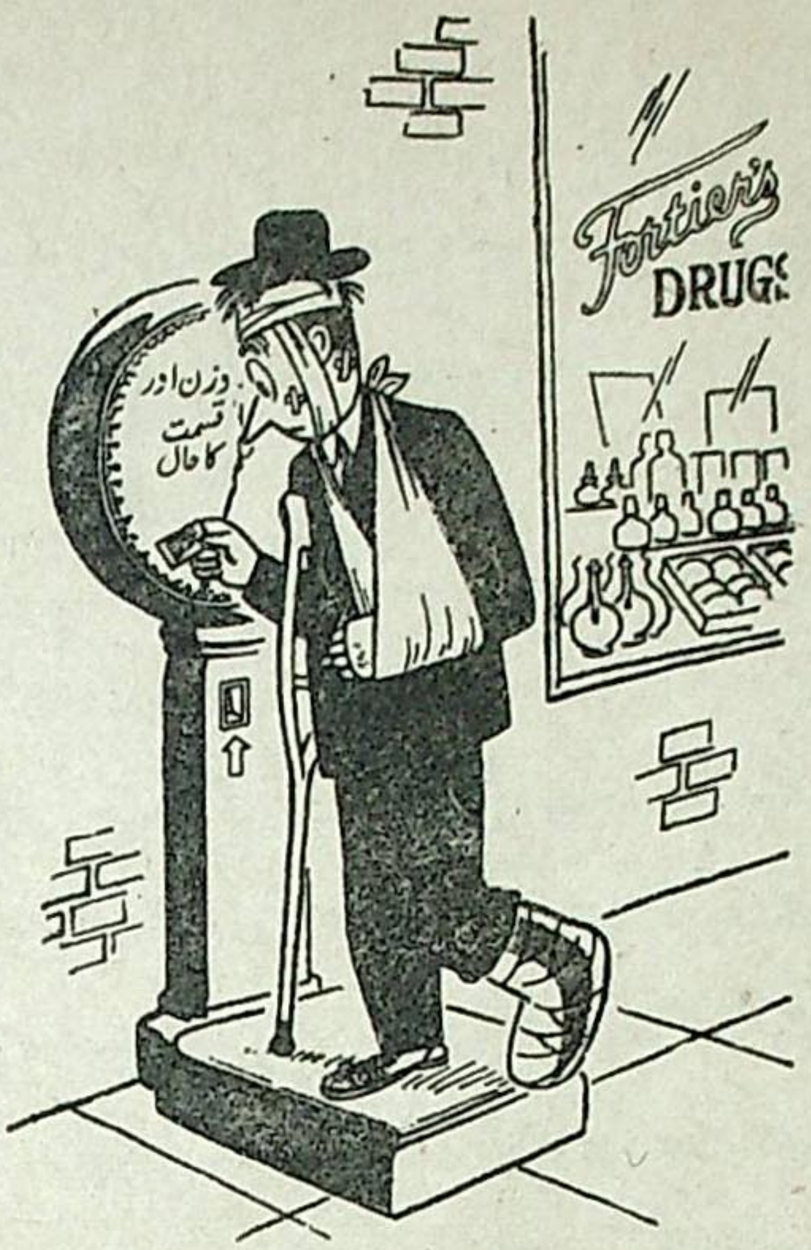

وزن ایک سو تیس پاؤنڈ۔ قسمت:

"کہاں لکھا ہے؟"

نور نے فوراً بائیں ہتھیلی آگے کر دی جس پر روشنائی سے نمبر لکھے تھے ـــــ ممّی نے جھک کر ہتھیلی دیکھی ـــــ بیچ میں انگریزی ہندسے میں لکھا ہوا آٹھ بالکل تین لگ رہا تھا، آخر کا صفر بالکل چھ نظر آ رہا تھا! ابّا زور سے ہنسنے لگے مگر ممّی کی تیوری چڑھی رہی "اب تم بالکل کہیں فون نہیں کرو گی ـــــ بغیر مجھے نمبر دکھائے بے وقوف کہیں کی وہ تو کہو، وہ بے چاری ہنسی میں ٹال گئیں ـــــ کوئی اور ہوتا تو نہ جانے کتنا جھگڑا ہوتا۔"

اور وہ بڑبڑاتی ہوئی کھانا کھانے ہی لگی تھیں کہ دروازہ کھلا اور ڈبّو کا سر جھانکا ـــــ امی نے مشکوک نظروں سے نور کی طرف دیکھا، "یہ کون ہیں؟"

"جی، میرے ساتھ پڑھتا ہے۔" نور آہستے سے بولی

ابّا مسکرائے "نور کا بوائے فرینڈ! ـــــ آؤ بیٹے ـــــ کیا بات ہے؟"

"جی ذرا ٹیلی فون کرنا ہے" ڈبّو نے تن کے سپاہیانہ انداز میں کہا۔

"کس کو؟" ابّا اُسے بڑے مزے میں دیکھ رہے تھے۔

"اپنی امّی کو سر؟" ڈبو نے ادب سے جواب دیا۔

"کہاں؟"

"جی آفس میں"

"کر لو۔"

امّی بڑبڑانے لگیں "اس وقت کون سا آفس لگتا ہے۔

اور پھر جو ڈبّو ٹیلی فون میں جٹا تو جیسے چپک گیا ـــــ کچھ کرکیٹ کے میچ اور رن اور بولر ـــــ اس قسم کی باتیں ہو رہی تھیں۔ جب وہ چلا گیا تو امّی کا موڈ اور خراب ہو گیا۔

"مجھے یہ طریقہ بالکل پسند نہیں ہے کہ گھنٹوں بچّے ٹیلی فون سے چپکے رہیں" وغیرہ وغیرہ! ـــــ اور ابّا کے موڈ کا تو اس وقت پتہ چلا جب ٹیلی فون کے بل میں لکھنؤ فون کرنے کے گیارہ روپے جڑے ہوئے آئے! خیر کرن تو دہلی ہی میں رہتی تھی! مگر بلو تو لکھنؤ میں تھی ـــــ اور وہ تو نور کی سب سے پیاری سہیلی تھی!

ویسے نور کی سمجھ میں یہ اب تک نہیں آیا ہے کہ اگر کوئی نمبر غلطی سے جڑ جائے تو ڈانٹ پڑے، اگر اُس کا کوئی دوست دس پانچ منٹ ٹیلی فون پر اپنی امّی کو آفس فون کر لے، تو امّی کی تیوری چڑھ جائے، اگر کرن سے ہوم ورک پوچھنے کے لئے ٹیلی فون کرو تو باجی کہیں اسکول میں ہوم ورک کیوں نہیں نوٹ کیا، لکھنؤ دو چار فون کر لو تو ابّا بل کو ہلا ہلا کے کہیں اُفوہ، اتنا بل! ـــــ لیکن اگر دوپہر میں جب سب آرام [illegible] ہوں اور ٹرن ٹرن ہو تو سب نور سے کہیں "نور ـــــ ذرا فون سُننا ـــــ فلاں صاحب ہوں تو کہہ دینا کوئی گھر میں نہیں ہے، فلاں ہوں تو کہنا ابھی مضمون تیّار نہیں ہے، فلاں صاحبہ ہوں تو کہنا ہم نہیں چل سکتے کھانے پر، رات کو واپس آنے کی مشکل ہے ...." وغیرہ وغیرہ۔ یہ کہاں کا ستم ہے!

■■

Taj Tahir Foundation

راجہ مہدی علی خاں (مرحوم)

الف سے ے تک

الف جو آلو کھائے گا
وہ موٹا ہو جائے گا

بے بارش جب آتی ہے
کوئل شور مچاتی ہے

پے پالی میں نے بلّی
چل دی چھوڑ کے وہ دلّی

تے تتلی ہے زندہ پھول
جو نہ مانے نامعقول

ٹے ٹٹّو پر چڑھ بھیّا
ڈر مت آگے بڑھ بھیّا

ثے ثابت ہے یہ لٹّو
چنّو جا لے آ پٹّو

جیم میں جوتے کھاؤں گا
رو کر چپ ہو جاؤں گا

چے چُنّو ہے اِک لڑکا
ننّھا مُنّا چھوٹا سا

ح وہ حاتُو آیا ہے
ہینگ اور پٹّو لایا ہے

خ خچّر میں لاؤں گا
اپنے گھر میں نچاؤں گا

دال نہ دال پکا امّی
بَرفی مجھے کھِلا امّی

ڈال ڈروں میں بھالو سے
میں نہیں ڈرتا خالو سے

ر، رونا مجھے آتا ہے
جب میرا بھیّا گاتا ہے

س سردتا لا امّی
مجھ کو پان کھِلا امّی

بس بھائی آگے مت جا
اِتنی بس نظم نہ گا

Taj Tahir Foundation

کیا تم جانتے ہو ؟ کہ

★ جیگا دراصل کون تھا اور فیروز کی پارٹی کے کون سے آدمی کی شکل میں تھا ؟

★ نجمہ کو کچھ لوگوں نے اغوا کر دیا ——— کیوں ؟

★ ایک فٹ کے بَونوں کا زمیں دوز شہر جہاں پہنچ کر نجمہ اُن بَونوں کی ملکہ بن گئی اور اپنے ساتھیوں کی جانی دشمن ——— کیوں ؟

★ بَونوں کا خاص ہتھیار کون سا تھا جو انسانوں کو مفلوج کر دیتا تھا ؟

★ بہت بڑی اور خونی چمگادڑوں کا خوف ناک حملہ۔ اس حملہ سے کون کون لوگ بچے ؟

★ ایسا ہیبت ناک اژدہا جو انسانوں کو زندہ نگل جاتا تھا، اُس کا انجام کیا ہوا ؟

★ ڈھائی سو فٹ لمبے خوں خوار گرگٹ نے اپنے حملے سے کیا غضب ڈھایا ؟ ★ جیگا کی زمیں دوز دنیا کے عجائبات کیا تھے ؟ ★ آفاقی ہار اور سوبیا پر جیگا نے قبضہ کر لیا، لیکن پھر کیا ہوا ؟

★ فیروز اور اس کے ساتھی صرف ڈیڑھ انچ کے بن گئے۔ اُس وقت ایک معمولی چُوہے سے ان کی جنگ ہوئی۔ کون جیتا ؟ فیروز یا چُوہا !

★ بجلی سے چلنے والے لوہے کے انسان جو جیگا کے غلام تھے، مگر اختر اور نجمہ کے غلام بن گئے۔ انہوں نے کالی دنیا میں کیوں تہلکہ مچا دیا ——— ؟

★ اس کے علاوہ ناول کا خوب صورت انجام جو دل پر اثر کئے بغیر نہیں رہتا۔

آج ہی منگائیے

اب کتاب کی صورت میں تیار ہو گیا

کالی دُنیا

خوفناک جزیرہ (قیمت : پانچ روپے) کے بعد مصنّف کا یہ دوسرا با تصویر ناول ہے جسے تم بے حد پسند کرو گے۔ بڑے کتابی سائز پر فوٹو آفسیٹ کے ذریعے چھپے ہوئے تقریباً ساڑھے چار سو صفحے کے اس ناول میں ایسے حیرت انگیز اور عجیب و غریب واقعات ہیں جن کو پڑھ کر تم دانتوں میں اُنگلی دے لو گے ! ہمیں یقین ہے کہ اتنا دل چسپ، اتنا عمدہ اور ایسا دل ہلا دینے والا ناول تم نے آج تک نہ پڑھا ہو گا۔

اِس خوب "موٹے تازے" اور دلچسپ ناول کے ساڑھے چار سو صفحے ہیں۔ فوٹو آفسٹ سے چھپا ہے قیمت صرف ساڑھے پانچ روپے

شمع بک ڈپو، آصف علی روڈ، نئی دہلی نمبر ۱

سچی کہانی

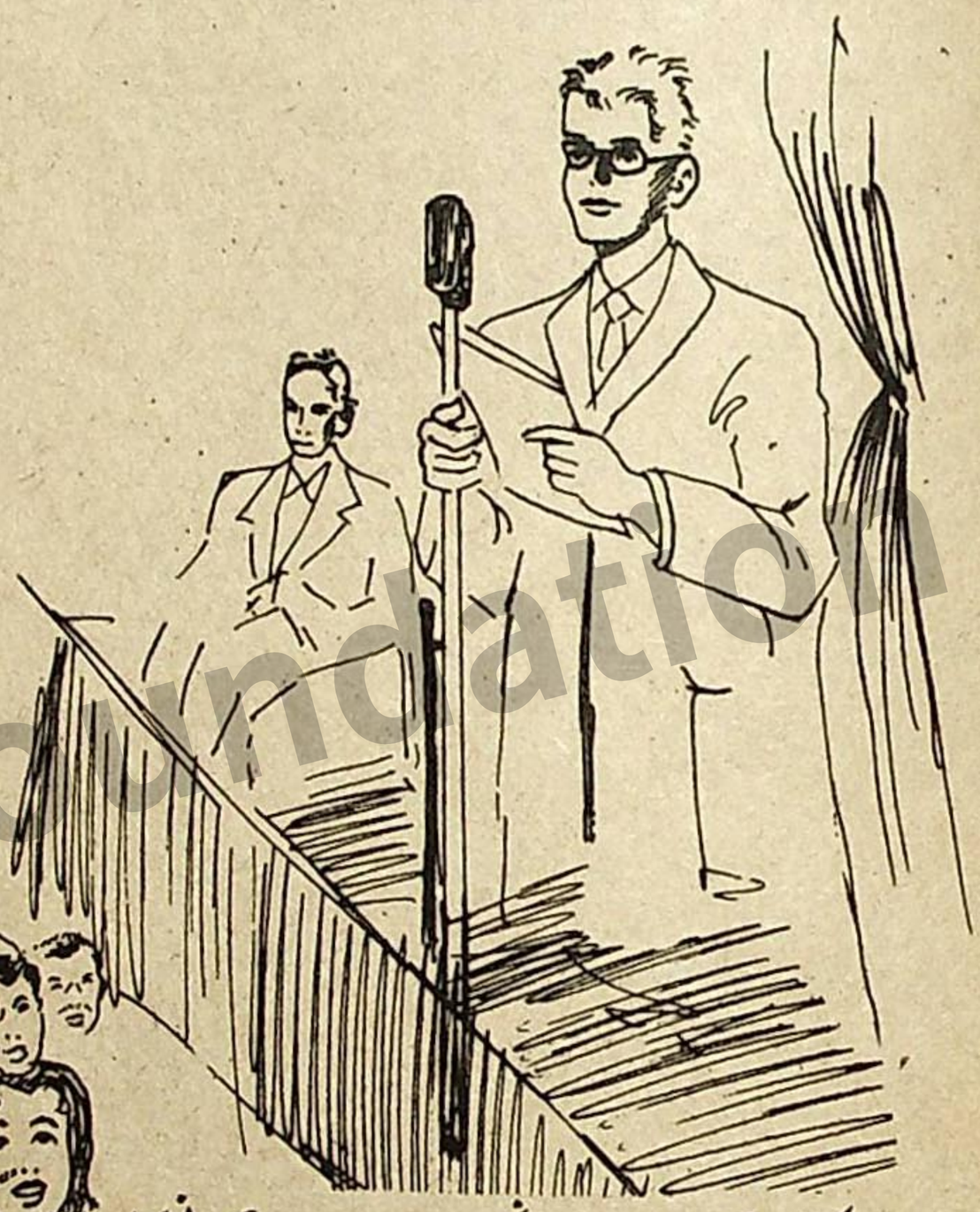

بچّوں کی ایک ادبی انجمن میں بہت سے کہانی کاروں کو بُلایا گیا تھا۔ علی عبّاس حسینی، کرشن چندر، رضیہ سجّاد ظہیر، ستیش بترا، بشیشر پردیپ، احمد جمال پاشا، اوصاف احمد، احمد ابراہیم علوی اور ——— مجھے! کچھ کہانی کار اور بھی تھے مگر وہ سب کے سب بچّے تھے ایک بچہ ہم سب کی موجودگی کو نظر انداز کر کے ایک طرف بیٹھا اپنی کہانی کو پڑھنے میں لگا رہا۔ اُس نے کسی دوسرے کی کہانی سننے کی تکلیف ہی گوارا نہ کی۔ بس نظریں جھکائے جھوم جھوم کر اپنی ہی کہانی پڑھتا نظر آیا۔ یہی غنیمت ہے کہ وہ اونچی آواز میں نہیں پڑھ رہا تھا۔

علی عبّاس حسینی نے جب اپنی کہانی 'گڑیا' سُنائی تو بچّے خوب ہنسے۔ انہوں نے بار بار تالیاں بجائیں — حسینی صاحب اپنی کہانی کی کامیابی پر خوش تو نظر آئے لیکن جب بھی ان کی نظر اس بچّے پر جا پڑتی جو ان کی طرف متوجّہ ہونے کی بجائے اپنی ہی کہانی میں کھویا ہوا تھا، تو وہ اُداس ہو جاتے۔

کرشن چندر کے اسٹیج پر آتے ہی سب بچّوں نے 'لال تاج'، 'لال تاج' پکارنا شروع کر دیا ——— لیکن

Taj Tahir Foundation

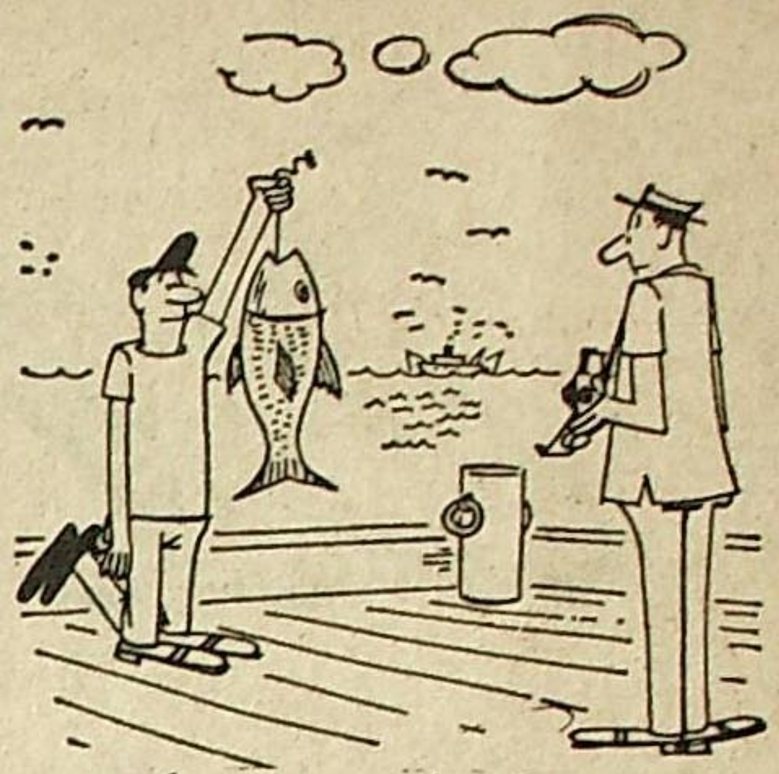

اس طرح مچھلی فوٹو میں بڑی دکھائی دے گی

کرشن چندر نے کہا "میں تم لوگوں کو آج ایک اور کہانی سناؤں گا: اُلٹا درخت!"

سب نے اُن کی نئی کہانی بہت دل چسپی سے سُنی، جو دراصل ان کے ناول کا ایک باب تھا۔ بچّوں کے اصرار کرنے پر انہیں پورا ناول ہی پڑھ کر سُنانا پڑا۔

اس کے بعد رضیہ سجاد ظہیر نے اپنے خاص انداز سے اپنی کہانی سُنائی۔ سنانے کا ڈھنگ اتنا پیارا تھا کہ بچّے بالکل دَم بخود سے بیٹھے رہے، جیسے اپنی نانی یا دادی کی زبانی کوئی بہت ہی دِل چسپ کہانی سُن رہے ہوں۔

ستیش بترا نے ایک ایسی کہانی سُنائی جس کا کوئی نام ہی نہیں رکھا گیا تھا۔ بترا صاحب نے بتایا "میں نے یہ کہانی بہت جلدی میں ابھی ابھی گھر سے چلتے وقت لکھی ہے۔ اس لئے فوراً کوئی اچھا سا نام بھی نہیں سوچ سکا اگر کوئی بچّہ نام رکھنے میں میری مدد کرے گا تو اس کا شکریہ بھی ادا کروں گا اور پانچ روپے انعام کے طور پر بھی پیش کروں گا" یہ کہہ کر انہوں نے اپنی جیب سے پانچ روپے نِکال کر اس انجمن کے صدر کے حوالے کر دیئے جو اُن ہی بچّوں میں سے ایک تھا۔

اس کے بعد بشیشر پردیپ نے کلّو گویّا، احمد جمال پاشا نے "بچّوں کے لطیفے"، اوصاف احمد نے "ہم مکتب" احمد ابراہیم علوی نے "چار چڑیاں" اور میں نے "گونگا لڑکا" کہانی سُنائی۔ ہم سب کی کہانیاں بڑی دِل چسپی سے سنی گئیں۔ تالیوں کے شور سے ڈر لگنے لگا کہیں ہال کی چھت ہی نہ اڑ جائے۔

لیکن اتنا شور ہونے پر بھی وہ لڑکا اپنی کہانی بار بار پڑھنے میں لگا رہا۔ نہ اُس نے کِسی دوسرے کی کہانی سُنی، نہ کِسی بات پر خوش ہو کر تالی بجائی۔ اس کی اس حرکت کا اثر قریب قریب سبھی کہانی کاروں نے لیا جن کا اوپر ذکر آ چکا ہے، لیکن کِسی نے کچھ نہ کہا۔ دوسرے بچّوں اور انجمن کے عہدے داروں نے بھی اُسے کچھ نہ کہا، کیوں کہ وہ سب کہانیاں سننے میں ہی اس قدر کھوئے ہوئے تھے کہ انہیں اس بات کا دھیان ہی نہ آ سکا کہ کوئی بچّہ اتنی دل چسپ مجلس میں اس قدر بے نیاز ہو کر بھی بیٹھ سکتا ہے!

لیکن وہ بچّہ سچ مچ بڑا ہی بے نیاز تھا۔ میں اس کی طرف کتنی دیر سے دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا آخر وہ اپنی ہی کہانی کو بار بار کیوں دہرا رہا ہے؟ ہماری کہانیاں کیوں نہیں سنتا۔

آخر بچّوں کی کہانیاں سُنانے کی باری بھی آگئی بچّوں کی اپنی لکھی ہوئی کہانیاں بھی بہت دل چسپ ہوتی ہیں۔ سب سے پہلے اسی بچّے کو پُکارا گیا۔ اِس کا نام تھا رفیق۔

رفیق نے اپنا نام سُنا تو بڑے اطمینان سے اپنی جگہ سے اٹھا۔ اور کِسی کی طرف دیکھے بغیر اسٹیج پر آ کر مائیک کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اُس نے جیب سے عینک نِکالی، رومال سے اس کے شیشے صاف کئے پھر

عینک لگا کر ایک ہاتھ سے سر کے بال اُلجھانے لگا۔ دیکھا آپ نے! اس نے بال سنوارنے کی بجائے اُلجھا دئے! ہم سب اس کی طرف بڑے دھیان سے دیکھ رہے تھے۔ اُس نے آتے ہی ہماری توجّہ اپنی طرف کھینچ لی تھی۔

جب وہ اپنی شخصیت اور حرکتوں سے ہمیں کافی مرعوب کر چکا تو اس نے اپنی کہانی پڑھنی شروع کی۔ جو قلم سے لکھے ہوئے کئی صفحات پر مشتمل تھی۔ ایک جن اور چار بوڑھی عورتوں کے بارے میں بہت دلچسپ کہانی تھی۔ ہم سب بڑی دل چسپی سے سُن رہے تھے — اچانک وہ پڑھتے پڑھتے رُک گیا۔ اُس کے ہاتھ پاؤں کانپنے لگے۔ اس کے چہرے پر بھی ہوائیاں اُڑنے لگیں وہ کاغذ کے ان صفحات میں سے جو اس کے ہاتھ میں تھے کوئی سطر تلاش کرنے لگا جو اچانک اُس کی نظروں سے گم ہو گئی تھی! پھر وہ اپنی کہانی کو جاری نہ رکھ سکا اور اسٹیج سے اُتر کر اپنی جگہ پر جا بیٹھا۔

میں رفیق کی طرف حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنی جگہ واپس جا کر بھی اسی طرح پریشان نظر آیا۔ لیکن اس نے اپنی اَدھوری سُنائی ہوئی کہانی کے مسوّدے پر پھر نظر نہ ڈالی۔ کاغذوں کو مروڑ کر بڑی بے پروائی سے جیب میں رکھ لیا تھا۔

کہانی اَدھوری سُنانے کی وجہ سے اس کے کسی ساتھی نے تالی نہیں بجائی تھی۔ صدر صاحب اب کسی اور بچّے کو کہانی سُنانے کے لئے پُکارنا چاہتے تھے کہ میں نے انہیں روک دیا۔ اُن سے اجازت لے کر میں نے کہا — "اب میں پھر ایک اور کہانی آپ لوگوں کو سناؤں گا۔

شکاری کو شکار کرنے کی تیاری

یہ سُن کر صدر صاحب خوش نظر آئے۔ بچوں نے بھی تالیاں بجا کر مجھے اجازت دے دی۔ میں نے مائیک پر آ کر کہا — "بہت سال گزرے — شاید بتیس سال — کہ میں بھی آپ لوگوں کی طرح ایک بچّہ تھا — اسکول میں پڑھتا تھا۔ ایک چھوٹی سی سائیکل کے پیچھے کیریر پر کتابیں لگا کر پڑھنے جاتا تھا۔ کہانیاں پڑھنے اور سننے کا مجھے بھی بہت شوق تھا۔ ہمارے اسکول میں بھی بچّوں کی ایک اَدبی انجمن تھی جس کی سرپرستی اسکول کے ہیڈ ماسٹر صاحب کیا کرتے تھے۔ جب اُس انجمن کے جلسے ہوتے تو ہیڈ ماسٹر صاحب اور دوسرے سب ٹیچر ہال میں جمع ہو جاتے اور ہماری کہانیاں سُنا کرتے۔ ضرورت پڑنے پر وہ ہماری کہانیوں کی اِصلاح بھی کیا کرتے۔

ایک دِن اسی طرح کے ایک جلسے میں مجھے بھی کہانی سُنانے کا شوق چرّایا۔ پتہ نہیں میرے اندر یہ خواہش کیوں پیدا ہوئی، لیکن میں کہہ سکتا ہوں کہ کہانی سُنانے کا جذبہ اس قدر شدید تھا کہ میں کہانی سُنانے کے لئے بے قرار سا ہو اُٹھا، لیکن تعجّب کی بات یہ بھی تھی کہ میرے پاس کوئی کہانی تھی ہی نہیں! میرے اندر تو بس کہانی سنانے کی خواہش ہی اس قدر شدید تھی کہ اس نے باقی کچھ سوچنے ہی نہ دیا تھا۔

اسی لئے میں نے جھٹ سے انجمن کے صدر سے کہہ کر اپنا نام لکھا دیا۔

جلسے کے روز تک میں کوئی کہانی نہیں سوچ سکا تھا۔ میں نے کبھی کہانی سوچی ہی نہ تھی۔ ابھی تک میں نے دوسروں ہی کی کہانیاں پڑھی اور سُنی تھیں اور دل ہی دل میں خود بھی ایک کہانی کار بننے کی آرزو کی تھی۔

جس دن جلسہ تھا، میں اپنے ساتھ کسی دوسرے کی کہانی نقل کر کے لے گیا۔ مجھے یقین تھا اس طرح میں سب پر رُعب ڈالنے میں کام یاب ہو جاؤں گا — لیکن جب میں کہانی پڑھنے کے لئے کھڑا ہوا تو ابھی دو ہی صفحے پڑھ پایا تھا کہ یکایک بیچ کی کوئی ایک سطر میری نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ مارے گھبراہٹ کے میں کہانی کا سلسلہ قائم نہ رکھ سکا۔ اس کھوئی ہوئی سطر کو ڈھونڈنے میں کافی دیر لگ گئی تو میں نے کہانی کا مسودہ بڑی بے پروائی سے مروڑ کر کوٹ کی جیب میں ٹھونس لیا۔ سب لوگ ہی سمجھ رہے تھے کہ میں اب اپنی جگہ واپس جا کر بیٹھ جاؤں گا لیکن میں نے ایسا نہ کیا، بلکہ اسٹیج پر ہی جما رہا۔ اور اس کے بعد میں وہ کہانی مونہہ زبانی ہی سُنانے لگا۔ جو کہانی میں گھر سے نقل کر کے لے گیا تھا وہ بالکل بھول گیا تھا۔ جتنا سُنا چکا تھا، اب اسی کو اپنی سوچ اور سمجھ کے مطابق آگے بڑھانے لگا۔ اِن ہی لمحوں میں میں نے سب کے سامنے ایک نئی کہانی سُنا ڈالی — نئے واقعات کے ساتھ جو میں نے کہیں پڑھے نہیں تھے، کسی سے سنے بھی نہیں تھے۔ اچانک ایک موقع آ پڑنے پر میں نے خود کو گھبراہٹ سے بچانے کے لئے ایک نئی کہانی پڑھنے کا پہلا تجربہ کیا جو بہت کام یاب رہا۔ اگرچہ میری کہانی سننے کے بعد ہیڈ ماسٹر صاحب نے اپنی رپورٹ میں یہ بھی لکھا:

"رام لعل نے اپنی کہانی میں تین قسم کی زبانیں استعمال کی ہیں: اُردو، ہندی اور انگریزی!"

"اور یہ سچ تھا۔ میں نے جلدی میں جو جی میں آیا کہہ ڈالا تھا نا!"

اپنی کہانی سنانے کے بعد میں نے وہیں کھڑے کھڑے رفیق پر نظر ڈالی۔ رفیق بھی میری طرف ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ مجھے بہت گہری نظروں سے گھور رہا تھا، جیسے میں نے اپنی کہانی سُنانے کی بجائے اسی کی کہانی سب کو سُنا دی ہو! باقی سب لوگ بھی اسی کی طرف دیکھ رہے تھے۔

اچانک رفیق اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ کچھ لمحوں تک وہیں کھڑے کھڑے سب کی طرف دیکھا، پھر ٹھیک میری طرف دیکھتا ہوا اسٹیج کی طرف بڑھ آیا۔ اسٹیج پر آ کر پہلے اس نے صدر صاحب سے بولنے کی اجازت لی، پھر مائیک کے سامنے آ کر کہا "میں آپ سب سے معافی چاہتا ہوں کہ میں آپ کو اپنی پوری کہانی نہیں سُنا سکا تھا جیسا کہ رام لعل صاحب نے اپنے بارے میں کہا ہے، میں بھی واقعی اپنی کہانی بیچ میں ہی ایک جگہ بھول گیا تھا، کیوں کہ یہ کہانی دراصل میری اپنی لکھی ہوئی نہیں ہے۔ بار بار پڑھنے پر بھی میں اسے ٹھیک طرح سے پڑھ نہ پایا۔ اب میں آپ کے سامنے اسی کہانی کو اور آگے سُناتا ہوں، لیکن زبانی۔ رام لعل صاحب کی طرح میں بھی اپنی ہی کہانی سوچنے کا تجربہ کرتا ہوں۔"

اِس کے بعد رفیق نے پندرہ منٹ تک اپنی کہانی زبانی سُنائی، جو اس کے من میں آیا وہ بولتا چلا گیا نہ زبان کی پروا کی نہ واقعات کی غلط ترتیب کی لیکن اس کی اپنی پہلی کہانی سُنانے کی کوشش اور جرأت کی سب نے جی کھول کر داد دی۔ سارا ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔ ■

آؤ بچو!

حسرت جے پوری

آؤ بچو! تمہیں پیار کرنا سکھا دوں
ہنسنا سکھا دوں رونا سکھا دوں
پھولوں کی طرح مسکرانا سکھا دوں
کانٹوں میں بھی رہ کر جینا سکھا دوں

تم ہی تو ہو غنچے ہمارے چمن کے
تم ہی تو ہو موتی ہمارے وطن کے
تم ہی بھور ہو آنے والے جہاں کی
تم ہی تو اُجالے ہو سورج کرن کے

میں سورج کی طرح نکلنا سکھا دوں
میں بجلی کی طرح مچلنا سکھا دوں
آؤ بچو! تمہیں پیار کرنا سکھا دوں

تمہارے ہی ہاتھوں میں قسمت تمہاری
زمانے کو جیتے گی ہمت تمہاری
ہمارا تو کیا ہے رہیں نہ رہیں ہم
زمانے کو ہوگی ضرورت تمہاری

تمہیں پیار کے کام کرنا سکھا دوں
کٹھن راستوں سے گزرنا سکھا دوں
آؤ بچو! تمہیں پیار کرنا سکھا دوں

کوئی غیر آئے تو آنے نہ دینا
کبھی ظلم کا ساتھ ہرگز نہ دینا
یہ دُنیا کی محفل ہے دھوکا ہی دھوکا
کھرے اور کھوٹے کو تم جان لینا

تمہیں زندگی میں نکھرنا سکھا دوں
کہ موجوں کی طرح اُبھرنا سکھا دوں
آؤ بچو! تمہیں پیار کرنا سکھا دوں

سدا مل کے رہنا لڑائی نہ کرنا
بُرائی سے بچنا بُرائی نہ کرنا
نہ جھکنا کبھی جھوٹے لوگوں کے آگے
اگر مر سکو بات پر اپنی مرنا

بڑی شان سے تم کو رہنا سکھا دوں
گھٹا کی طرح پھیل جانا سکھا دوں
آؤ بچو! تمہیں پیار کرنا سکھا دوں

دِلوں سے دِلوں کا یہ رشتہ مِلانا
محبت کے ہر دم جواں گیت گانا
کوئی بھید بھاؤ نہ رکھنا کسی سے
جہاں تک ہو سب سے محبت بڑھانا

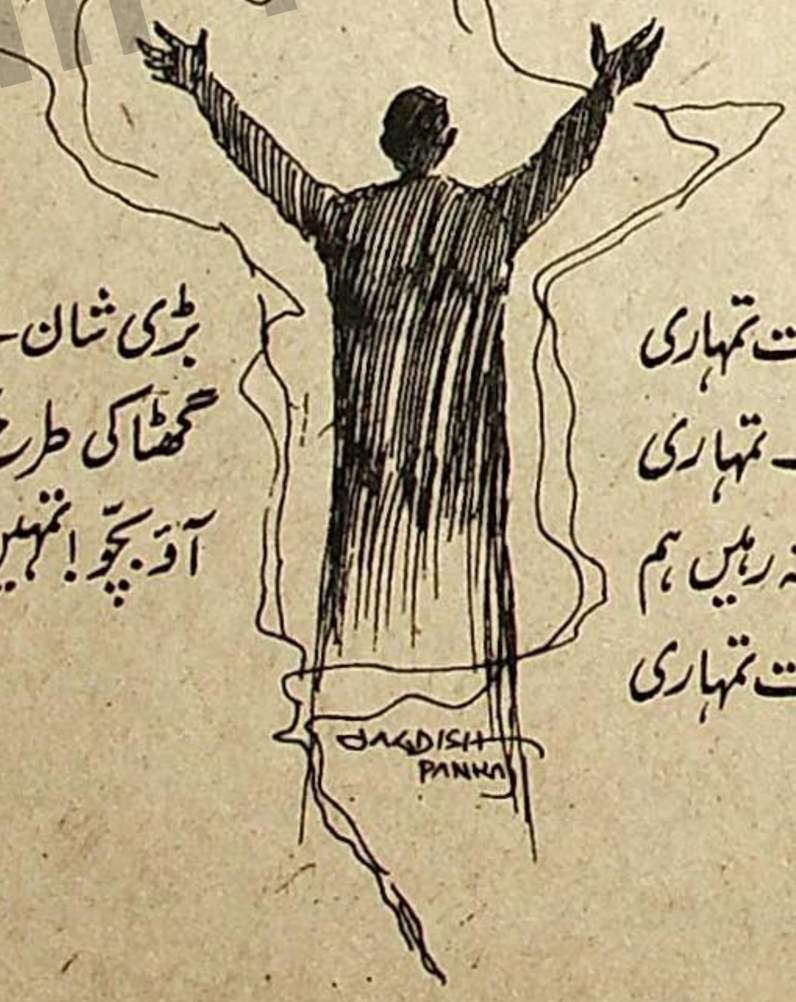

گلوں کی طرح سے مہکنا سکھا دوں
میں بُلبل کی طرح چہکنا سکھا دوں
آؤ بچو! تمہیں پیار کرنا سکھا دوں

Taj Tahir Foundation

چنانچہ

اظہر افسر

کام کرنے والے:

بہن : بارہ سال کی ایک لڑکی

بھائی : ایک دس سال کا لڑکا جسے "چنانچہ" کہنے کی بہت عادت ہے۔

ایک بچّہ : عمر: چھ سال۔

آیا

رائے صاحب۔

(ندی کے کنارے ایک ہرا بھرا راستہ۔ ایک طرف کچھ اونچے اونچے درخت ہیں دوسری طرف چھوٹی سی منڈیر ہے۔ پردہ اٹھتا ہے تو بائیں جانب سے بھائی بہن داخل ہوتے ہیں۔ بھائی شیروانی پاجامہ پہنے ہے، بہن شلوار قمیص اور دوپٹہ۔)

بھائی : چنانچہ ندی کا راستہ آگیا۔

بہن : ہاں آگیا۔

بھائی : اس راستے کے ختم ہوتے ہی چنانچہ ہم وہاں پہنچ جائیں گے جہاں آج ہماری دعوت ہے۔

بہن : مگر بھائی ....

بھائی : بولو بہن۔

بہن : کہیں ہم بہت پہلے تو نہیں پہنچ رہے ہیں؟

بھائی : اگر ہم پہلے جا رہے ہیں تو ــــ نہیں کچھ ایسا جلدی کبھی نہیں جا رہے ہیں، چنانچہ صرف آدھ گھنٹے پہلے جا رہے ہیں۔

بہن : دعوت میں ہمیشہ آدھ گھنٹے دیر سے جانا چاہیئے۔

بھائی : تاکہ چنانچہ سب کچھ ختم ہو جائے۔

بہن : (ہنستی ہے ــــ منڈیر کے پیچھے سے کسی بچے کے چیخنے کی آواز آتی ہے۔)

بچہ : بچاؤ! بچاؤ ــــ!

بہن : شاید کوئی ڈوب رہا ہے، بھائی تم تیرنا جانتے ہو۔ فوراً کودو جاؤ۔

بھائی : چنانچہ میں کود رہا ہوں۔ (منڈیر سے دوسری طرف کود جاتا ہے۔)

بھائی : (منڈیر کے پیچھے سے) بہن!

بہن : ہاں بھائی۔

بھائی : ایک بچہ ڈوب رہا تھا۔ چنانچہ میں نے اس کا کالر پکڑ لیا ہے، میں اسے لا رہا ہوں، تم فکر نہ کرو۔

بہن : لاؤ لاؤ جلدی لاؤ۔

(بھائی پانی سے شرابور، لمبی لمبی سانسیں لینے والے ایک چھ سال کے بچے کو لئے منڈیر کے پیچھے سے نکلتا ہے ــ بائیں جانب سے ایک موٹی سی عورت (آیا) بھاگتی ہوئی آتی ہے۔)

آیا : کنور ــــ کنور! تم کہاں چلے گئے تھے؟ ارے تم تو سر سے پاؤں تک پانی میں ڈوبے ہوئے ہو۔ کیا ندی میں گر گئے تھے۔

بچہ : ہاں میرا پاؤں پھسل گیا تھا۔

آیا : چلو گھر۔ اب کے اگر ندی میں گرے تو اتنا ماروں گی یاد کرو گے۔ چلو۔

(آیا جلدی جلدی بچے کو لے کر چلی جاتی ہے۔)

بہن : یہ تو بچے کو لے کر چلی گئی

بھائی : اور تم میری حالت دیکھ رہی ہو۔ چنانچہ جوتا بھیگ گیا ہے۔ چنانچہ شیروانی، پاجامہ، قمیض سب خراب ہو گئے ہیں۔

بہن : لاؤ اتارو کپڑے میں ابھی سکھائے دیتی ہوں۔

(زبردستی بھائی کی شیروانی اتارتی ہے۔) لاؤ قمیض بھی دے دو۔ اس پتھر پر پھیلا دوں گی۔ ابھی دو منٹ میں کپڑے سوکھ جائیں گے۔ (قمیض اور شیروانی ایک پاس والے پتھر پر پھیلا دیتی ہے)

بھائی : چنانچہ پاجامہ بھیگا ہی رہ جائے گا۔

بہن : ہاں پاجامہ تو بھیگا ہی رہ جائے گا۔

بھائی : (ایک دم چیخ مارتا ہے) ارے ارے بہن غضب ہو گیا! غضب ہو گیا! چنانچہ غضب ہو گیا!

بہن : کیا غضب ہو گیا؟

بھائی : چنانچہ میری گھڑی شیروانی کی جیب میں تھی۔

بہن : شیروانی کی جیب میں!

بھائی : ہاں میں نے صحیح وقت ملانے کے لئے گھڑی جیب میں رکھی تھی۔ چنانچہ بالکل بھول گیا اور

Taj Tahir Foundation

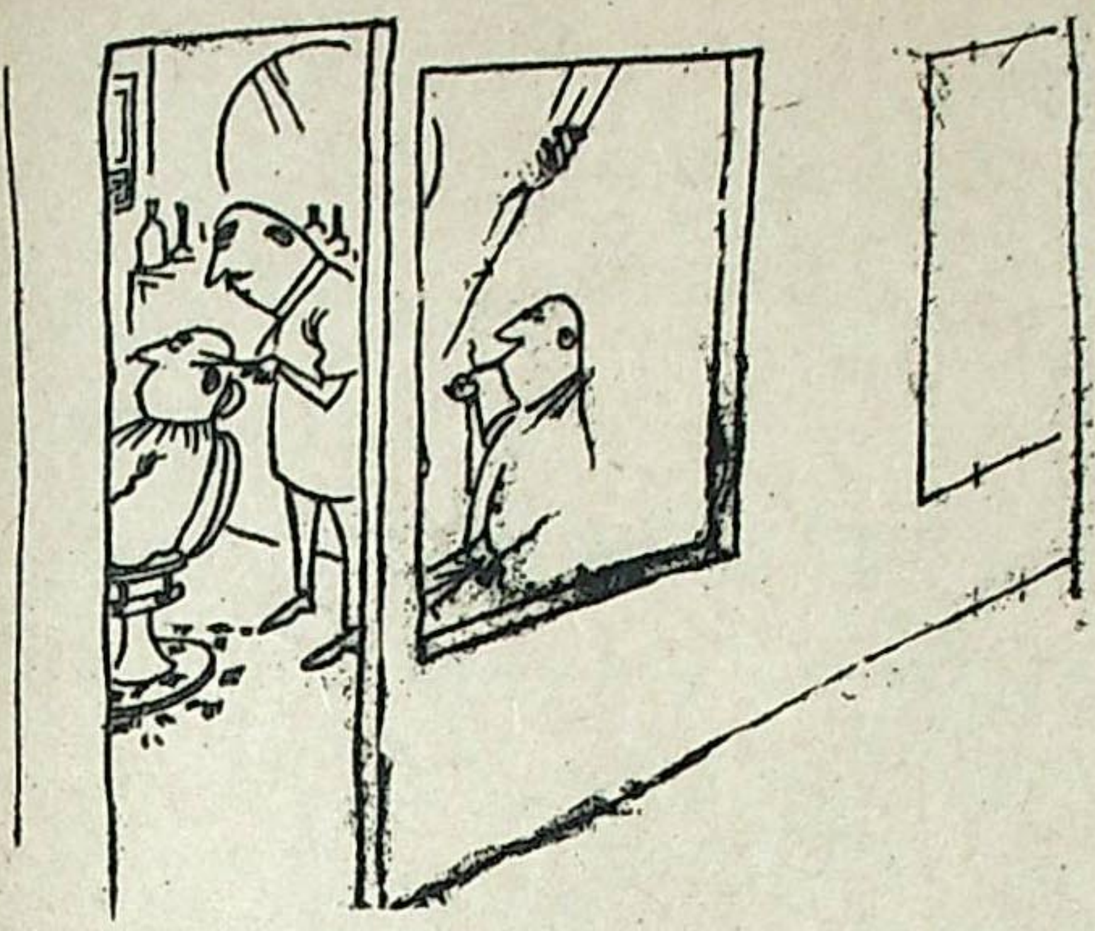

معاف کیجئے گا صاحب، غلطی سے سارے بال کٹ گئے، کہئے تو گوند سے چپکا دوں؟

ویسے ہی پانی میں کود پڑا۔

(بہن شیروانی کی جیب سے گھڑی نکالتی ہے، جس میں سے پانی ٹپک رہا ہے۔)

بھائی : ہائے ہائے میں لُٹ گیا، گھڑی تو بالکل گئی کام سے چنانچہ....

بہن : خیر جانے دو۔ کل درست کرالینا۔

بھائی : ہائے اب کیا درست ہو سکتی ہے؟ گئی بالکل گئی۔ عجیب چھوکرا تھا۔ میرے سارے کپڑے غارت کئے سو کئے گھڑی کا بھی خاتمہ کر دیا۔

بہن : مگر بھائی تم نے بڑی بہادری کا کام کیا ہے۔ ایک بے چارے ڈوبتے بچے کی جان بچائی ہے۔ مجھے تمہارے اس کارنامے پر فخر ہے۔

بھائی : تمہیں فخر ہوگا بہن مگر یہاں تو شکریہ کا ایک لفظ بھی نہیں ملا۔ جانے وہ کون عورت تھی۔ ایک دم لڑکے کو کھینچ کر لئے چلی گئی۔

بہن : لے جانے دو، خدا تمہیں اس کا پھل دے گا۔

بھائی : اچھا بھئی جانے دو۔ مگر اس کا چنانچہ پاجامے کا کیا ہوگا۔ کیا میں دعوت میں سوکھی ہوئی قمیض شیروانی اور بھیگا ہوا پاجامہ پہن کر جاؤں گا؟

بہن : لاؤ وہ بھی دے دو۔

بھائی : ہائیں ہائیں یہ کیا کہہ رہی ہو چنانچہ؟

بہن : ہاں۔ ہاں ٹھیک کہہ رہی ہوں اس درخت کے پیچھے جا کر مجھے پاجامہ دے دو۔ ابھی سکھا دوں گی۔

بھائی : ہاں چنانچہ یہ ترکیب خوب ہے۔

(بھائی فوراً بھاگ کر ایک درخت کے پیچھے چلا جاتا ہے اور وہاں سے بھیگا ہوا پاجامہ پھینکتا ہے جسے بہن گیند کی طرح ہوا میں پکڑ لیتی ہے اور ہنستی ہوئی ایک پتھر پر پھیلا دیتی ہے)

بھائی : (درخت کے پیچھے سے) چنانچہ بہن۔

بہن : ہاں بھائی۔

بھائی : چنانچہ سردی بہت ہو رہی ہے بُو بُو بُو بُو میرے دانت بج رہے ہیں۔

بہن : ابھی ابھی ذرا سی دیر میں سارے کپڑے سوکھے جاتے ہیں۔

(بائیں جانب سے رائے صاحب چوڑی دار پاجامہ، شیروانی اور کشمیری ٹوپی پہنے! خوب صورت دستی چھڑی لئے داخل ہوتے ہیں۔)

رائے : لڑکی

بہن : جی۔

رائے : تم یہاں کیا کر رہی ہو،

بہن : ارے صاحب کیا بتائیں اچھے بھلے ہم بھائی بہن اپنے ماموں کے ہاں دعوت کھانے جا رہے تھے اِدھر اچانک ایک بچے کا ندی میں پیر پھسل پڑا اور

Taj Tahir Foundation

وہ ڈوبنے لگا۔ میرا بھائی آواز سنتے ہی فوراً ندی میں کُود گیا اور اِس نے اُس بچّے کو بچا لیا۔

رائے : واہ وا! بہت عمدہ کام کیا تمہارے بھائی نے۔ تمہارا بھائی بڑا بہادر ہے۔

بھائی : (درخت کے پیچھے سے) چنانچہ کون ہے بہن؟

بہن : ایک صاحب ہیں، کہتے ہیں بہت عمدہ کام کیا ہے تم نے۔ تم بڑے بہادر ہو۔

رائے : کون ہے درخت کے پیچھے۔ (اُدھر جاتا ہے۔)

بھائی : ارے ارے صاحب چنانچہ اِدھر نہ آیئے۔

رائے : کیوں بھئی کیوں نہ آؤں؟

بھائی : صاحب کہہ دیا نہ آیئے۔ چنانچہ نہ آیئے۔ بہن روکو انہیں۔

بہن : میرے بھائی نے سارے کپڑے اُتار دیئے ہیں آپ دیکھتے نہیں، میں انہیں سُکھا رہی ہوں۔

رائے : تو ــــ تو تمہارا بھائی؟

بہن : جی ہاں اس درخت کے پیچھے۔ بالکل....

(رائے صاحب ہنس پڑتے ہیں)

بھائی : (درخت کے پیچھے سے) یہ کون صاحب ہیں جو ہنس رہے ہیں۔ ایں چنانچہ....

رائے : ارے بھائی بُرا نہ مانو۔ میں تم ہی سے مِلنے آیا ہوں۔ تمہارا شکریہ اَدا کرنے آیا ہوں۔

بھائی : شکریہ؟ چنانچہ کاہے کا شکریہ؟ میرے کپڑے سارے بھیگ گئے، میری گھڑی میں سے پانی ٹپک رہا ہے۔ اِدھر میں درخت کے پیچھے ننگا تھر تھر کانپتا ہوا اکڑوں بیٹھا ہوں۔

رائے : (ہنستا ہے) خوب!

بھائی : عجیب آدمی ہیں آپ۔ چنانچہ آپ ہنس رہے ہیں!

رائے : آؤ، آؤ تم باہر آؤ۔

بھائی : کیسے آؤں باہر چنانچہ؟

بہن : لو ــــ (فوراً اپنا دوپٹہ درخت کے پیچھے پھینکتی ہے۔)

(بھائی دوپٹہ تہمد کی طرح باندھ کر درخت کے پیچھے سے نِکلتا ہے۔)

رائے : دیکھا تمہاری بہن کتنی عقل مند ہے۔

بھائی : آداب عرض ہے۔ جی ہاں بہت عقل مند ہے، اس کے کہنے پر میری یہ حالت ہوئی ہے، اور یہ میری گھڑی....

رائے : کیا ہوا؟ خراب ہو گئی؟

بھائی : کوڑی کام کی نہیں رہی چنانچہ۔

رائے : خیر کوئی بات نہیں، ہم تمہیں نئی گھڑی دلا دیں گے۔

بھائی : چنانچہ نئی گھڑی؟

رائے : ہاں نئی گھڑی، مگر یہ چنانچہ کیا ہے؟

بہن : میرے بھائی کو بار بار چنانچہ بولنے کی عادت ہے۔

رائے : چنانچہ!

بھائی : جی ہاں چنانچہ۔

رائے : (قہقہہ لگاتا ہے) خوب خوب! بہت خوب ــــ؟ صاحب زادے تم جانتے ہو چھ برس کے جس ننھّے بچّے کو تم نے ڈوبنے سے بچایا ہے وہ کون ہے؟

بھائی : کون ہے چنانچہ؟

رائے : میرا اکلوتا لڑکا ہے۔ کسی قدر شریر ضرور ہے

Taj Tahir Foundation

مگر آیا بہت خراب ہے، اِس کی پوری پوری نگرانی نہیں کرتی۔ اب بھی بالکل چپ تھی۔ خود میرے بچّے نے بتایا کہ وہ ندی میں گر پڑا تھا اور کسی لڑکے نے ڈوبنے سے اُسے بچایا ہے۔ میں سنتے ہی فوراً ندی کی طرف چلا آیا، اپنے محسن کا شکریہ ادا کرلے۔

بھائی : اجی صاحب آپ یہ کیا فرما رہے ہیں؟ چنانچہ یہ میرا فرض تھا۔

رائے : (قہقہہ لگاتا ہے) چنانچہ، خوب خوب، اچھّا اب چلو میرے گھر، میری بیوی بھی تم دونوں کا انتظار کر رہی ہے۔ گھر پاس ہی ہے۔

بہن : مگر ہم لوگ دعوت میں جا رہے ہیں —— دیر ہو جائے گی۔

رائے : کوئی دیر نہیں ہوگی۔ پہلے ہماری دعوت قبول کرلو، پھر کہیں جانا۔ میں اپنی گاڑی میں تمہیں چھوڑ دوں گا۔

بھائی : مگر —— چنانچہ ——

رائے : نہیں نہیں، میں تم لوگوں کی ایک نہیں سُنوں گا چنانچہ چلو میرے ساتھ۔

بہن : سنئے، آپ کو بھی چنانچہ بولنے کی عادت ہو گئی ——

رائے : (قہقہہ لگاتا ہے) ہاں ہاں سچ کہہ رہی ہو چنانچہ آؤ آؤ جلدی کرو چنانچہ۔

(بھائی، بہن اور رائے صاحب ہنستے ہوئے بائیں جانب بڑھتے ہیں۔)

(پردہ گرتا ہے)

■■

بچّوں کے مشہور ادیب اور شاعر

شفیع الدین نیّر کی دل چسپ کتابیں

پانچ برس کے بچّوں کے لئے

گلگلے کی دوڑ	۱۹ نئے پیسے	آٹے کا پتلا	۳۱ نئے پیسے
ڈھول کا بول	۱۹ نئے پیسے	مکھن کا ڈبہ	۲۵ نئے پیسے
میں گھر جاؤں تو کیسے	۲۵ نئے پیسے	ہوشیار حسن	۲۵ نئے پیسے

نو برس کے بچّوں کے لئے

تارا کا ڈنڈا	۲۵ نئے پیسے	پری کی چھڑی	۳۱ نئے پیسے
بونے کا بٹوا	۲۵ نئے پیسے	بطخ شہزادی	۳۱ نئے پیسے
انار راجا	۱۹ نئے پیسے	پرستان کی سیر	۱۹ نئے پیسے

گیارہ سے چودہ برس کے بچّوں کے لئے

چنن منن	۱۹ نئے پیسے	ٹلّو میاں	۳۷ نئے پیسے
میاں مٹھو	۳۱ نئے پیسے	منّی کا پرستان	۳۱ نئے پیسے
بونے کا انصاف	۳۰ نئے پیسے	ریڈیو کا بھوت	۳۰ نئے پیسے
انوکھی چھتری	۳۷ نئے پیسے	پیسے کا صابن	۳۷ نئے پیسے
پاپ کی ناؤ	۳۱ نئے پیسے	مزدور کا بیٹا	۵۰ نئے پیسے

نظمیں اور دوسری کتابیں

گھی شکر	۵۰ نئے پیسے	بدھو کی بیوی	۳۰ نئے پیسے
نئی کہانیاں	۵۰ نئے پیسے	چھنگو منگو	۵۰ نئے پیسے
اسلامی نظمیں	۶۵ نئے پیسے	شیر خان کے معرکے	۷۵ نئے پیسے
بچّوں کا کھلونا	۷۵ نئے پیسے	کھلو میاں	۵۰ نئے پیسے
بچّوں کا تحفہ (حصہ اوّل)	۵۰ نئے پیسے	طلسمی مینا	۳۱ نئے پیسے
بچّوں کا تحفہ (حصہ دوم)	۷۵ نئے پیسے	وطنی نظمیں	۶۵ نئے پیسے
منّی کے گیت	۶۵ نئے پیسے		

کھلونا بک ڈپو، آصف علی روڈ، نئی دہلی

Taj Tahir Foundation

غلام احمد فرقت کاکوروی

مرغیاں دے انڈے

مُرغیاں انڈے دیتی ہیں، بطخیں انڈے دیتی ہیں۔ کبوتر، فاختائیں، چڑیاں، ابابیلیں غرض سارے پرند انڈے دیتے ہیں، مگر آج تک بھلا کہیں ایسا بھی ہوا ہے کہ مَردوں نے انڈے دئے ہوں۔ اور انڈے نہ دینے پر اُن کو سزائے موت کا حکم دے دیا گیا ہو؟ جی ہاں، چاہے آپ مانیں یا نہ مانیں مگر ایسا ہوا ہے اور مَردوں نے بادشاہ کے حکم سے انڈے دئے ہیں۔ اگر آپ تاریخ کی ورق گردانی کریں تو آپ دیکھیں گے کہ ایران میں ایک بادشاہ نے اپنے درباریوں کو حکم دیا تھا کہ وہ سر دربار ایک ایک انڈا دیں، ورنہ اُن کے سَر قلم کر دئے جائیں گے۔ اور اِس حکم کی پیروی میں ہر درباری کو اپنی جان بچانے کی خاطر ایک ایک انڈا دے کر بادشاہ کی خدمت میں پیش کرنا پڑا تھا۔

کہتے ہیں کہ ایران میں ایک بڑا ظالم اور جابر بادشاہ تھا جو اپنے درباریوں کو زچ کرنے کے لئے آئے دن حیرت انگیز

سال نامہ کھلونا نئی دہلی ۹۳

حکم دیا کرتا تھا۔ ایک دن بادشاہ اپنے دربار کے ایک مسخرے سے کسی بات پر ناراض ہوگیا اور اُسے سزا دینے کے لئے اُس نے تمام درباریوں کو بُلا کر کہا، "میں چاہتا ہوں کہ دربار کے مسخرے کو کسی بہانے موت کی سزا دے کر اُس سے اپنا پیچھا چھڑاؤں۔ آپ لوگ مشورہ دیں کہ اس کی گردن مارنے کے لئے کون سا بہانہ اختیار کیا جائے۔"

بادشاہ کی بات سُن کر درباری سوچ میں پڑ گئے۔ دیر تک وہ سوچتے رہے کہ مسخرے کو مارنے کے لئے کون سی ایسی صورت پیدا کی جائے جس سے وہ بچ کر نہ نکل سکے۔ آخر ایک بوڑھے درباری نے کھڑے ہو کر عرض کی، "عالی جاہ، صرف ایک حیلہ سمجھ میں آتا ہے جس سے مسخرہ اپنی جان نہ بچا سکے گا۔"

بادشاہ نے کہا، "جلد بتاؤ تاکہ اس پر فوری طور پر عمل کیا جائے۔"

درباری نے ہاتھ جوڑ کر عرض کی، "جہاں پناہ! آپ تمام درباریوں کو حکم دیں کہ وہ کل دربار میں حاضر ہوں اور مسخرے کو بھی حکم دیں کہ وہ بھی دربار میں حاضر ہو۔ اِس کے بعد سرکار حکم دیں کہ ہر درباری اُسی وقت ایک ایک انڈا دے ورنہ اس کی گردن ماردی جائے گی، مگر اس کی اطلاع مسخرے کو نہ ہونے پائے۔"

بادشاہ نے اس تجویز کو بہت پسند کیا اور فوراً وزیرِ اعظم کو حکم دیا کہ وہ تمام درباریوں کے نام حکم جاری کردے کہ وہ مقررہ وقت پر دربار میں حاضر ہو جائیں اور ساتھ ہی مسخرے کو بھی تاکید کردے کہ وہ بھی تمام درباریوں کے ساتھ موجود رہے۔ وزیرِ اعظم نے فوراً بادشاہ کے حکم کی تعمیل کی۔

اگلے دن بادشاہ کا دربار لگا۔ سب درباری جمع ہو گئے۔ تمام درباریوں کو پہلے ہی سے معلوم تھا کہ بادشاہ کیا حکم دینے والا ہے، اس لئے ہر درباری اپنے گھر سے ایک ایک انڈا اپنی جیب میں ڈال کر دربار میں حاضر ہوا تھا۔ مسخرا بھی آپہنچا تھا، مگر اُسے بادشاہ کی تجویز کا کچھ پتہ نہ تھا۔

اب بادشاہ نے حکم دیا کہ جتنے درباری دربار میں موجود ہیں وہ سب ایک ایک انڈا دیں ورنہ اُن کی گردن ماردی جائے گی ــــ درباری چونکہ گھر سے ایک ایک انڈے سے لیس ہو کر آئے تھے، اس لئے ہر درباری نے مُرغی کی طرح کٹ کٹ کٹاک کر کے بادشاہ کی خدمت میں ایک ایک کر کے انڈے پیش کرنا شروع کر دئے۔ جب سب درباری اپنے اپنے انڈے پیش کر چکے تو مسخرا بہت گھبرایا اور اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا صورت اختیار کرے۔ بادشاہ نے مسخرے کو حکم دیا کہ وہ بھی انڈا پیش کرے۔ اِس پر مسخرے نے پہلے اِدھر اُدھر درباریوں کو دیکھا، اس کے بعد زور سے "ککڑوں کوں" کی تین چار آوازیں نکالیں اور بادشاہ کے رُوبرُو جُھک کر کہا، "جہاں پناہ! یہ سارے کے سارے درباری جنہوں نے آپ کو انڈے پیش کئے ہیں سب مُرغیاں تھیں، ان میں اکیلا میں ہی مُرغا ہوں، لہٰذا مجھے انڈا پیش کرنے سے معذور سمجھا جائے۔" بادشاہ کو اس پر ہنسی آگئی اور اُس نے مسخرے کی جان بخش دی۔

●●

انگلستان میں

کھلونا اور ادارہ شمع کے تمام رسائل شمع، بانو، شبستاں اُردو ڈائجسٹ، مجرم، سُشما اور دوشی کے سول ایجنٹ:

اے بی سی میگزین ڈسٹری بیوٹرز لمیٹڈ، ۳۲، آڈلے روڈ، ہینڈن، لندن این ڈبلیو ۴ ٹیلی فون: ہینڈن ۵۴۰۰

A B C MAGAZINE DISTRIBUTORS LTD. 32 Audley Road, HENdon London N.W(4 Tele HENdon 5400

انگلستان کے ایجنٹ اور پڑھنے والے شمع کے ادارے کے تمام رسالے ان سے طلب کر سکتے ہیں

سعید امرت

دو پھول

پھول تو بہت سے تھے. لیکن دو پھولوں کے جی میں پتہ نہیں کیا آئی کہ ایک دوسرے سے کہنے لگے: "چلو جی یہاں سے چلیں. یوں ٹہنیوں پر جھومنے سے کیا ملے گا؟ مِل کر کسی کا دُکھ بٹائیں، کسی کے آنسو پونچھیں، کسی کے غم دھوئیں، کسی کی خوشی میں شریک ہوں۔"

ان میں ایک پھول چھوٹا تھا، ایک بڑا. بڑے پھول نے چھوٹے پھول کو سہارا دیا اور دونوں چل کھڑے ہوئے چلتے رہے چلتے رہے۔ ایک بھرے بازار میں چھوٹے پھول نے دیکھا، ایک ننّھا سا بچّہ ماں باپ سے الگ ہو کر سڑک پر آگیا ہے، اور اگر اُسے روکا نہ گیا تو کسی گاڑی کے نیچے آجائے گا۔ چھوٹے پھول نے کہا "بڑے ایک بچّہ زخمی ہونے والا ہے، اُسے بچائیں۔"

بڑے پھول نے چھوٹے پھول کو دیکھا اور رُوکھے پن

Tajmahalbooks.com

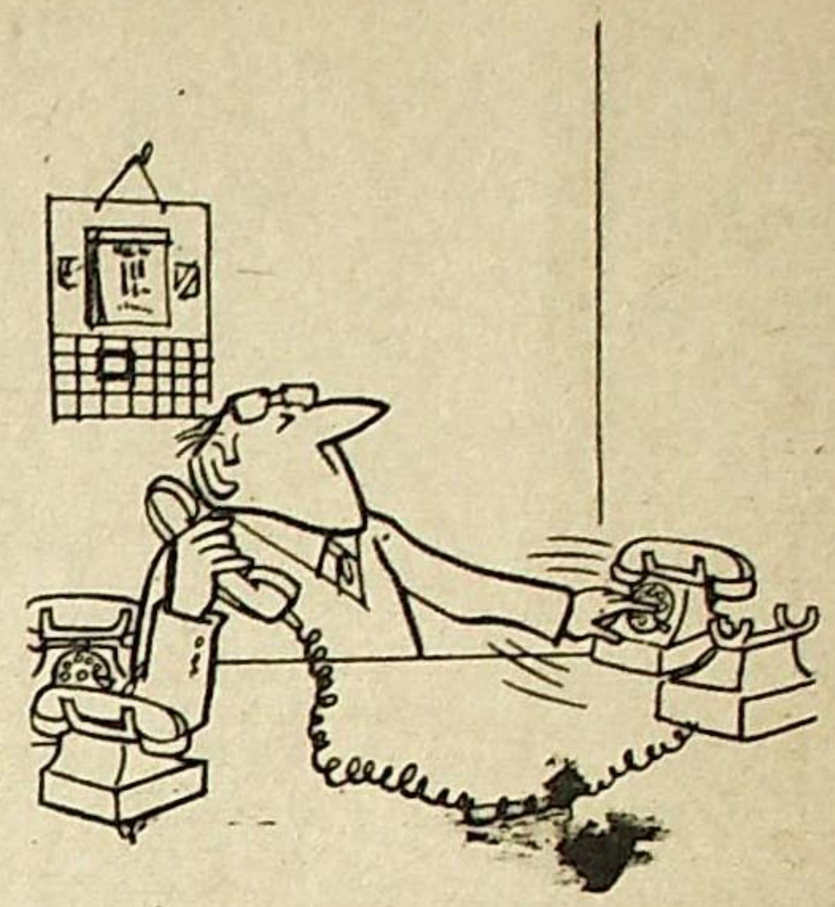

نمبر ہی نہیں ملتا!

سے بولا، "ارے بچّے کو کچل جانے دو۔ جب ماں باپ اپنے بچّوں کی حفاظت خود نہیں کر سکتے تو دوسرے کیوں کریں؟"

ذرا کی ذرا میں بچّہ ایک چلتی گاڑی کی لپیٹ میں آگیا۔ اللہ جانے بچّہ رہا یا بچا۔ چھوٹا پھول سہم کر اور آگے بڑھ گیا۔

اسی بازار کے دوسرے کنارے پر ایک چھوٹی سی لڑکی اپنے باپ سے رنگ برنگے غبارے خریدنے کے ضد کر رہی تھی، غریب باپ کی جیب میں پیسے کہاں تھے جو وہ غبارے لے دیتا؟ وہ اپنی بچّی کو جھڑک رہا تھا اور بچّی آنسوؤں کی مالا کے ساتھ رو رہی تھی۔ چھوٹے پھول کا نرم دِل بھر آیا۔ وہ بڑے سے بولا، "ہمیں اِس بچّی کے آنسو صاف کرنے چاہئیں وہ رو رہی ہے۔ اِسے رونے سے بچانا چاہیئے۔"

بڑا پھول بڑے خشک لہجے میں کہنے لگا "غریب ہوتے ہی رونے کے لئے ہیں۔ انہیں رونے دو۔ یہ تو دنیا میں آتے ہی رونے کے لئے ہیں، اور روتے روتے ہی چلے جاتے ہیں۔ ان کے آنسو تو اوپر والا ہی دھو سکتا ہے، ہم تم کون؟"

بھرے بازار سے نکل کر دونوں پھول ایک کھُلی بستی میں آگئے، یہاں ایک ڈاکٹر کے ہاں بہت سے مریض بیٹھے اپنی باری کا انتظار کر رہے تھے۔ ایک شخص بخار کی تیزی اور شدّت سے گھبرا کر چلّا رہا تھا۔ اِس کی چیخیں چھوٹے پھول نے سُنیں تو ساتھی پھول سے کہا، "چلو اِس کا دُکھ بٹائیں، وہ تکلیف میں مُبتلا ہے!

"نہیں۔" بڑا پھول فیصلہ کُن انداز میں بولا، "بیماری اور بخار کی تکلیف ڈاکٹر دُور کرتے ہیں۔ ڈاکٹر موجود ہے۔ اس کی باری آئے گی تو ڈاکٹر اپنی فیس لے کر اسے دیکھ کر دوا دے دے گا۔ ہم ڈاکٹر اور مریض کے معاملے میں کیسے دخل دیں؟"

چھوٹے پھول کا ننھّا سا دل بجھ کر رہ گیا۔ لیکن وہ کیا کرتا؟ چپ چاپ ہلکے ہلکے قدموں سے آگے بڑھ گیا۔

چوراہے پر ایک دودھ والے کی سائیکل اور دُودھ سے بھرے برتن اُلٹے پڑے تھے۔ دودھ بہہ بہہ کر زمین میں جذب ہو رہا تھا اور لوگ اس کی مدد کرنے کی بجائے کھڑے ہوئے اسے تک رہے تھے۔ اس سے پہلے کہ چھوٹا پھول کچھ کہے، بڑا پھول بولا، "چھوٹے آگے نہ بڑھنا، جس طرح دوسرے لوگ تماشہ دیکھ رہے ہیں، تم بھی دیکھو۔ دودھ والے کو گرا رہنے دو۔ دودھ بہتا ہے تو بہنے دو۔ ایسے مزے کے تماشے کوئی روز روز تھوڑی ہوتے ہیں۔"

"اچھا وہ؟ چھوٹے پھول نے ایک آدمی کی جیب کٹتے دیکھ کر کہا، "اِسے بتا دیں کہ تمہاری جیب کٹ رہی ہے۔!"

"خوب!" بڑا پھول مُسکرایا۔ "یہ بھی کوئی مدد ہوئی کہ ایک کی جیب کٹنے سے بچا کر دوسرے کی جیب کٹوا دی جائے، ارے ننھّے پھول اگر یہ جیب کترہ یہ جیب نہ کاٹے گا تو دوسری کوئی جیب ضرور کاٹنے کے لئے بڑھے گا۔ پھر کیا فائدہ اس کو روکنے اور جس کی جیب کٹ رہی ہے اسے بتانے کا!

ننھّا پھول روکھا سا ہو گیا۔ وہ تھکن اور مایوسی سی محسوس کر رہا تھا۔ ایک فقیر کو اِس نے کہتے سُنا دو وقت کا بھوکا ہوں

بابا ایک روٹی کا سوال ہے!"

"بڑے"، ننھا پھول ذرا مسکرایا۔ "اسے روٹی دِلوا دو یہ بھوکا ہے۔ اس کی مدد کرو نا!"

تم کون، بڑا پھول گہرے انداز سے بولا، "پہلے تو یہ دیکھو کہ اس کے پاس راشن کارڈ ہے یا نہیں۔ جس کے پاس راشن کارڈ نہ ہو، اِس کو تو لازمی طور پر بھوکا ہی رہنا ہوگا۔ راشن کارڈ اور بھوک ایک دوسرے کے دوست ہیں یہ ساتھ ہوں تو کسی کو بھوک تنگ نہیں کر سکتی۔ اب اگر یہ شخص بھوکا ہے تو سمجھ لو کہ یہ قانون اور زمانے کا دشمن ہے۔ دُشمنوں کی مدد کیسے کی جا سکتی ہے؟ میرا کہا مانو اب ہم دُور نکل آئے ہیں۔ چلو واپس چلیں۔ اس دنیا میں کوئی کسی کی مدد نہیں کر سکتا — یہاں کسی کے دُکھ کوئی نہیں سمیٹ سکتا۔ یہاں کسی کی خوشی میں کوئی شریک نہیں ہو سکتا۔ چلو واپس چلیں!"

"نہیں"، چھوٹا پھول بولا۔

"میں واپس نہیں جاؤں گا۔ مجھے اسی دنیا میں چاہت، محبت تلاش کرنی ہے، اگر غم اور دُکھ نہیں ملتے تو نہ ملیں، میں کچھ نہ کچھ پا کر ہی رہوں گا۔"

بڑا پھول چھوٹے کے ارادے کے آگے جُھک گیا، اور واپس جانے کی بجائے ساتھ ساتھ چلتا رہا۔

شہر کا آخری حصّہ تھا ایک چھوٹے سے گھر میں دونوں پھولوں نے جھانک کر دیکھا اور دیکھتے رہ گئے۔ نوجوان سپاہی اپنی ماں سے جانے کی اجازت چاہ رہا تھا۔ اسے وطن کی حفاظت کے لئے دشمنوں سے لڑنے کا حکم ملا تھا۔ وہ سینہ تانے ماں کے سامنے کھڑا تھا۔ ماں کہہ رہی تھی: "میرے لعل، میں کیا دوں تجھے دُعاؤں کے سوا۔ جا اور وطن کی آبرو بن جا، جا اور دشمن کے سینے چاک کر دے۔"

ماں نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ کچھ نہ تھا۔ کوئی شے نہ تھی — ایسے میں ننھا پھول اُڑ کر آگے بڑھا اور ماں کے ہاتھوں میں آگیا۔ ماں نے اسے دیکھا، آنکھوں سے لگایا چوما اور پھر اسے، اپنے بیٹے وطن کے سپاہی کی سجی ہوئی وردی کے کالر میں لگا دیا۔ ننھے پھول کا چہرہ خوشی سے سُرخ ہو گیا۔ نوجوان نے گہرا سانس لے کر پھول کی خوش بُو سونگھی اور تیز تیز قدم اٹھاتا اپنی منزل کی طرف چلا گیا۔

بڑے پھول نے اِسے دیکھا اور سر جُھکا لیا۔ اب وہ تنہا رہ گیا تھا — ہمیشہ ہمیشہ کے لئے وہ واپس باغ میں اپنی جگہ چلا آیا۔ اب اِس کا ساتھی کوئی نہ تھا۔

بچّو، جانتے ہو ننھا پھول کون سا پھول تھا — وہ تھا گُلاب کا پھول جسے سربلندی ملی۔ جسے رنگ مِلے، جسے خوشبو اور خوبصورتی ملی۔ جسے سارے انسانوں کی محبت مِلی — اور بڑا پھول جو اکیلا رہ گیا، وہ تھا گیندے کا پھول۔ اِس کا کوئی ساتھی نہیں، کوئی دوسرا رنگ نہیں، کوئی خوش بُو نہیں — تم باغ میں جا کر دیکھ لو۔ وہ ہمیشہ سر جُھکائے افسوس سے زمین کو تکتا نظر آئے گا۔

■■

Taj Tahir Foundation

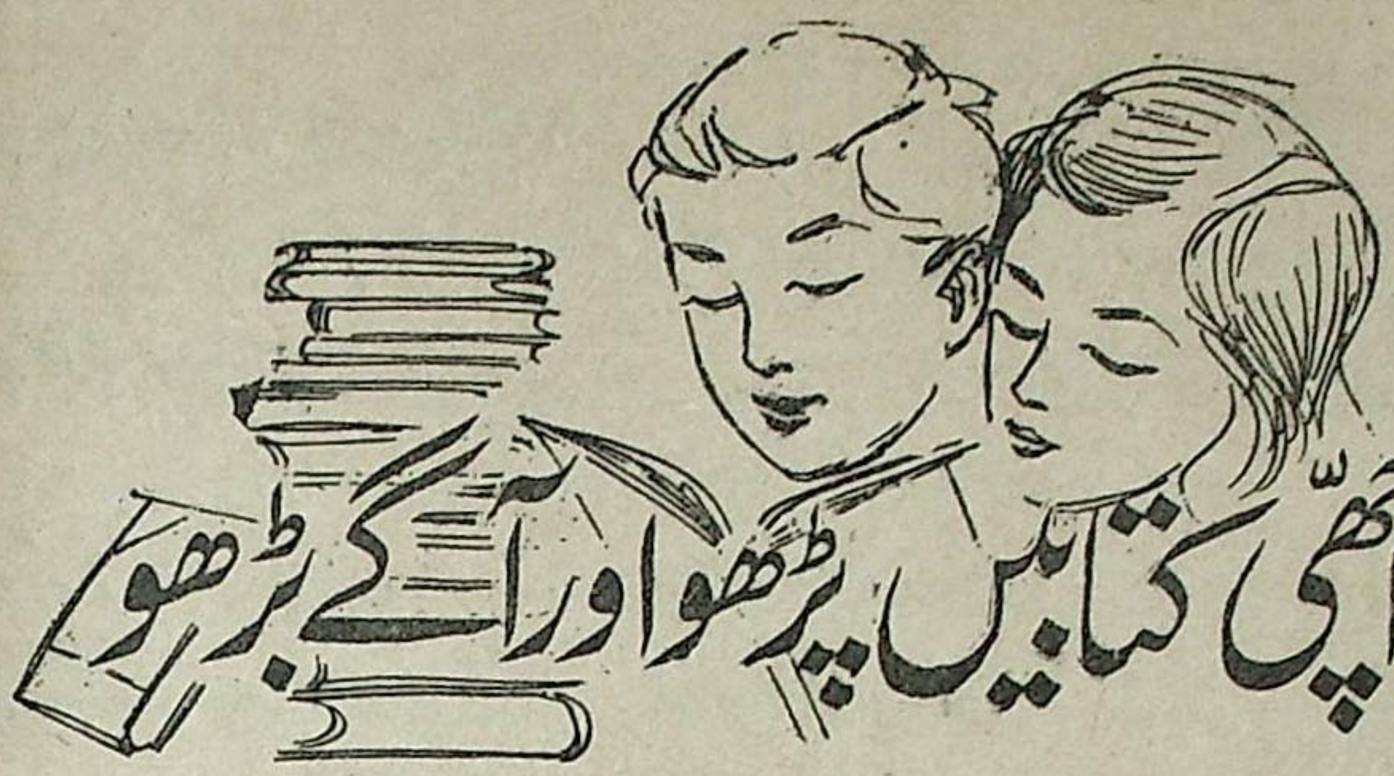

پیارے بچو!

اپنی پسند کی اچھی اچھی کتابیں پڑھو اور آگے بڑھو

ایران کی شہزادی	عادل رشید	پینتیس نئے پیسے
اندھا شہزادہ	سعید لخیانوی	پینتیس نئے پیسے
اڑتا پہاڑ	عشرت رحمانی	چوالیس نئے پیسے
انوکھا مقدمہ	رازداں ایم اے	چوالیس نئے پیسے
آخری خواہش	عادل رشید	پینتیس نئے پیسے
آخری شرارت	سراج انور	پینتیس نئے پیسے
اندھا جادوگر	مسعود جہاں	پینتیس نئے پیسے
بے وقوفوں کی کہانیاں	کرشن چندر	پینتیس نئے پیسے
بادشاہ کا انعام	ادریس دہلوی	پینتیس نئے پیسے
بے وقوف بادشاہ	سعید الدین پرانچہ	پینتیس نئے پیسے
بندروں کا تھیٹر	سیفی سیوہاروی خدیجہ سیفی	چالیس نئے پیسے
برف کا آدمی	مسعود جہاں	پینتیس نئے پیسے
بونوں کی دنیا	سعید لخیانوی	پینتیس نئے پیسے
بھوتوں کا خزانہ	سراج انور	پینسٹھ نئے پیسے
بوڑھا بھوت	عشرت رحمانی	چالیس نئے پیسے
پاگل ڈاکٹر	افتخار احمد اقبال	پینتیس نئے پیسے
پرستان کی شہزادی	راجہ مہدی علی خاں	پینتیس نئے پیسے
پری کا تحفہ	راجہ مہدی علی خاں	چوالیس نئے پیسے
تین ہیرے	سلام مچھلی شہری	چوالیس نئے پیسے
تیسری آنکھ	شوکت تھانوی	پینتیس نئے پیسے
جادو کا گلاب	زکی انور	پینتالیس نئے پیسے
جادو کا ہار	عادل رشید	چالیس نئے پیسے
جادو کا دروازہ	سراج انور	پچاس نئے پیسے
چڑیا گھر	پرکاش پنڈت	چوالیس نئے پیسے
چوہوں کی حکومت	عادل رشید	چالیس نئے پیسے
چاند کی چوری	پرکاش پنڈت	پینتیس نئے پیسے
چین کی شہزادی	عادل رشید	پینتیس نئے پیسے
چوری کا ہار	اظہر افسر	پینتیس نئے پیسے
چاند کی دلہن	لطفی رضوانی	چالیس نئے پیسے
چینی بلبل	نریش کمار شاد	پینتیس نئے پیسے
چاند کی سیر	پرکاش پنڈت	پینتیس نئے پیسے
چار بہنیں	سیفی سیوہاروی خدیجہ سیفی	پینتالیس نئے پیسے
چور شہزادی	سیفی سیوہاروی خدیجہ سیفی	پینتیس نئے پیسے
چندا ماموں	سعید الدین پرانچہ	پینتیس نئے پیسے
خونی دروازہ	افتخار احمد اقبال	پینتیس نئے پیسے
خون کا دریا	سراج انور	چالیس نئے پیسے
خونی ڈاکو	عادل رشید	چوالیس نئے پیسے
دو کام چور	سیفی سیوہاروی خدیجہ سیفی	پینتیس نئے پیسے
سونے کی بکری	راجہ مہدی علی خاں	چالیس نئے پیسے
سونے کا سیب	کرشن چندر	چالیس نئے پیسے
سمندر کی شہزادی	نریش کمار شاد	چوالیس نئے پیسے
سرکس کے کھیل	پرکاش پنڈت	چوالیس نئے پیسے
سونے کی صندوقچی	کرشن چندر	پینتالیس نئے پیسے
شاہی نجومی	راجہ مہدی علی خاں	چالیس نئے پیسے
شیطان کا تحفہ	کرشن چندر	پینتیس نئے پیسے
شیر کی بیٹی	داستان گو	چوالیس نئے پیسے
شہزادے کو پھانسی	وحشی مارہروی	پینتالیس نئے پیسے
شریر لڑکا	سیفی سیوہاروی خدیجہ سیفی	پچپن نئے پیسے
غریب شہزادی	مسعود جہاں	پینتیس نئے پیسے
کامیابی کی راہیں	حامد اللہ افسر (حصہ اول و دوم)	ایک روپیہ
کالا چور	اظہر افسر	پینتیس نئے پیسے
کالا مونہہ	شوکت تھانوی	چالیس نئے پیسے
گھسیٹا کی بھتنا شاہی	سیفی سیوہاروی	پینسٹھ نئے پیسے
گم شدہ خزانہ	سیفی سیوہاروی اکبر سیفی	پینتیس نئے پیسے
لنگڑی کتاب	راجہ مہدی علی خاں	پینتیس نئے پیسے
موٹر نمبر ۷۸۶	راجہ مہدی علی خاں	چالیس نئے پیسے
مانو کے کارنامے	عشرت رحمانی	پینسٹھ نئے پیسے
نیلی کھوپڑی	شکیل الرحمان	پینتیس نئے پیسے
نرالا جانور	پرکاش پنڈت	اکتالیس نئے پیسے
نیلی جادوگرنی	راجہ مہدی علی خاں	پینتیس نئے پیسے
ہلال کی کہانیاں	عشرت رحمانی	پینتیس نئے پیسے
ہیروں کا سوداگر	عشرت رحمانی	چالیس نئے پیسے
جادو کی بنسری	امین شرقپوری	پینتالیس نئے پیسے
خوفناک جزیرہ	سراج انور	پانچ روپے
ستاروں کے قیدی	ظفر پیامی	دو روپے
چڑیوں کی الف لیلہ (مکمل چار حصے)	کرشن چندر	تین روپے

Tahir Foundation

کھلونا بک ڈپو آصف علی روڈ اجمیری گیٹ نئی دہلی

خوب رہی!

کام کرنے والے :
محبوب الرحمٰن ، شکیل انجم ، اور اظہار عالم
تصاویر : سراج انور

انجم ایک شریر، نٹ کھٹ اور کام چور لڑکا تھا، اُس کی
بینائی بھی کم زور تھی
اس لئے بغیر عینک کے بہت سی چیزیں اسے نظر نہیں آتی تھیں
تھا اتنا سست کہ گھڑی اور سوئٹر کے ساتھ ہی
سو جاتا تھا
تاکہ یہ چیزیں صبح ہی صبح پہننے میں تکلیف نہ ہو۔

ایک دن جب وہ اُٹھا تو اس نے دیکھا کہ اس کی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی
غائب ہے

وہ بڑا پریشان ہوا، اُس نے اپنی کتابوں کی الماری کا ایک ایک خانہ
چھان مارا، مگر گھڑی ملنی تھی نہ ملی

اور ملتی بھی کیسے اُس کے والد محبوب صاحب نے اُسے سبق دینے کے لئے گھڑی اُتار لی تھی،
اور اب وہ ایک کونے میں بیٹھے ہوئے اُس کی پریشانی کا لطف اُٹھا رہے تھے

Taj Tahir Foundation

انجم کو جب گھڑی نہیں ملی تو اُس نے
بڑی بے فکری کے ساتھ کوٹ پہنا اور اپنے کمرے سے
باہر جانے لگا۔
ابھی وہ دروازے تک ہی پہنچا تھا کہ محبوب صاحب
نے آگے بڑھ کر اُسے روکا

کتابوں کی الماری کباڑیئے کا گودام بنی ہوئی تھی اس لئے
محبوب صاحب کے کہنے پر اپنی
تمام کتابیں اور کاپیاں اس میں قرینے سے لگانی پڑیں

اور اُس سے کہا کہ وہ اُسے اُس کی گھڑی دے دیں گے۔
لیکن شرط یہ ہے کہ وہ اپنے بہت سے کام خود کرے، چوں کہ وہ ہر معاملے
میں بے فکر ہے۔ اِس لئے اُسے سبق تو
ملنا ہی چاہیئے ـــــ مجبوراً انجم نے اپنا بستر خود تہہ کیا

Tahir Foundation

سال نامہ ۱۰۰ کھلونا نئی دہلی

بازار سے گھر کا سودا بھی خرید کر لانا پڑا
اور اس کے علاوہ بھی
اور چھوٹے موٹے کام کرنے پڑے، لیکن بے چارے انجم
کو کیا معلوم تھا
کہ وہ آج بے وقوف بن گیا ہے

مکان اوپر کی منزل پر تھا اور اس کے نلوں میں پانی کم چڑھتا تھا
اس لئے گلی کے نل سے پانی بھی لینا پڑا۔ اس کے دوست اظہار کے لئے
یہ اچنبھے کی بات تھی، اس نے پوچھا کہ یہ آج سورج مشرق کی بجائے
مغرب سے کیسے نکل آیا
اور انجم نے اسے سب حقیقت بتادی

گھڑی محبوب صاحب نے صرف اُس کی
بائیں کلائی کی بجائے دائیں کلائی پر باندھ دی تھی۔ جب
انہوں نے انجم کو یہ بات بتائی تو اسے بہت
افسوس ہوا۔ مفت میں اتنے سارے کام کرنے پڑے۔ حالاں کہ
گھڑی تو اُس کے ہاتھ پر ہی بندھی رہی تھی ■ ■

Tahir Foundation

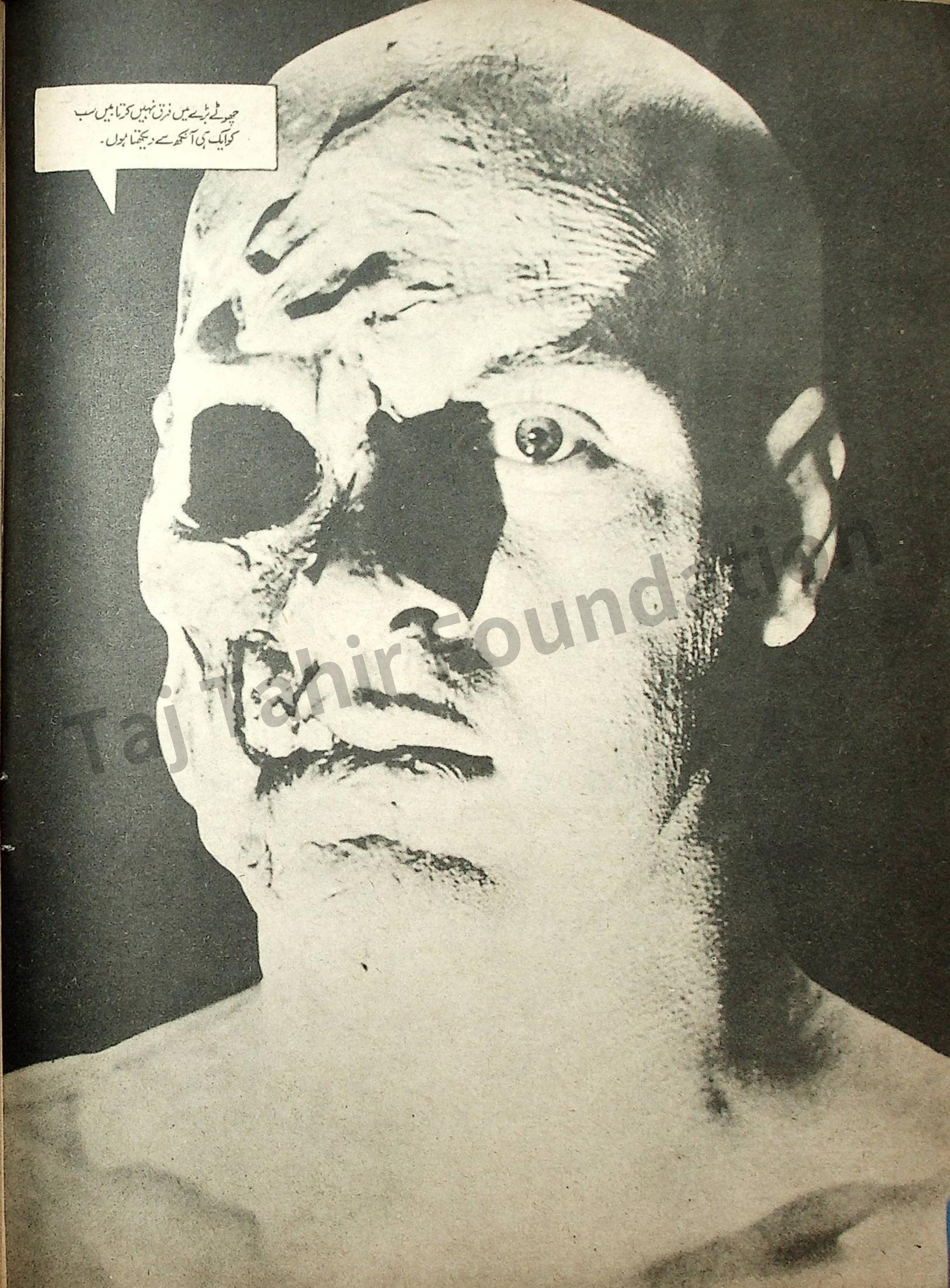

Taj Tahir Foundation

ڈاکٹر صاحب نے کھول
کر دیکھا تو پتہ چلا واقعی
ماسٹر جی ٹھیک کہتے تھے
میری کھوپڑی میں بھوسہ
بھرا ہوا ہے . . .

Tahir Foundation

انعامی تصویر

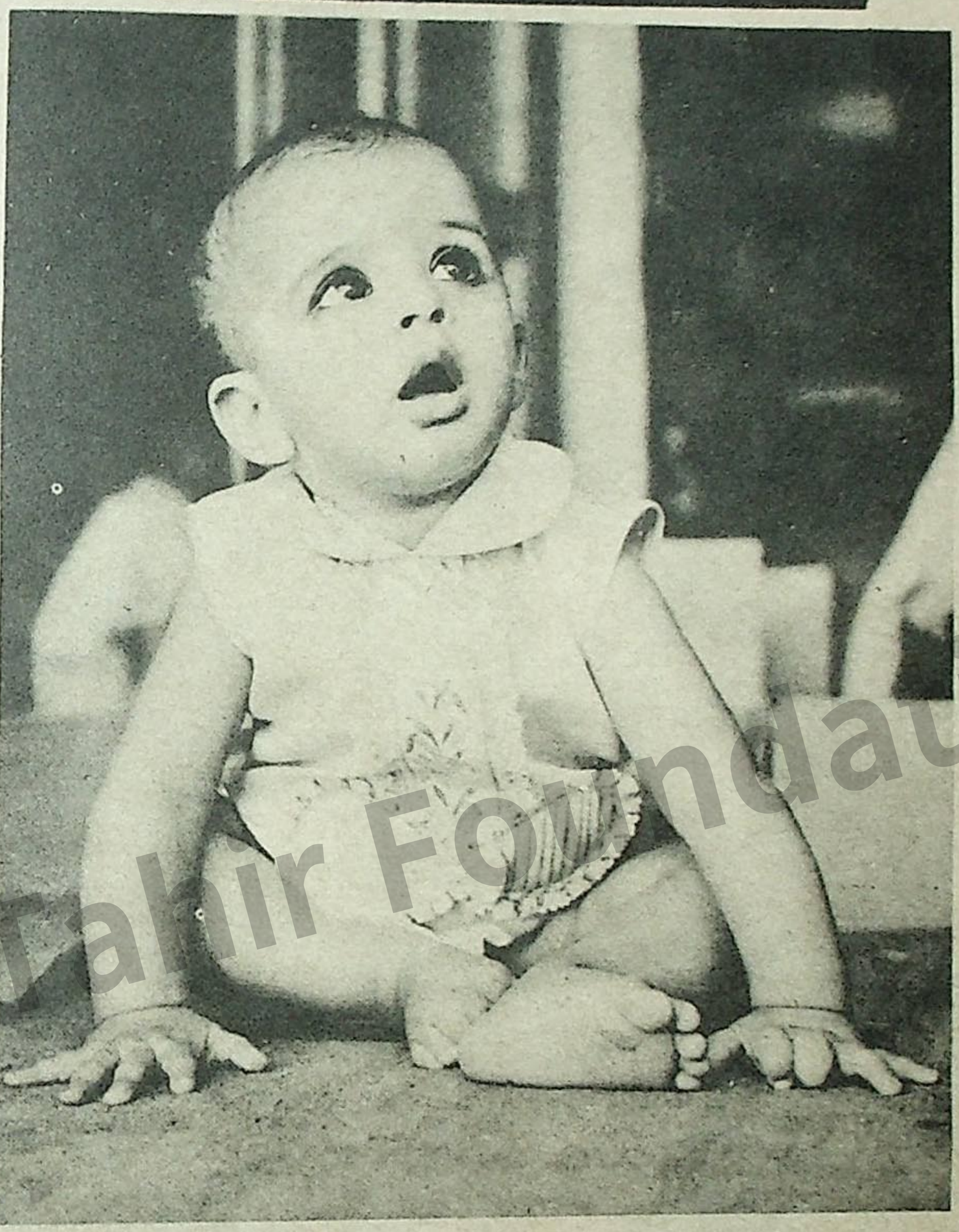

تصویر: ایس. نظام

تم "کھلونا" میں ہر ماہ انعامی تصویر دیکھتے ہو۔ اس تصویر کا کوئی عنوان نہیں ہوتا۔ اصل میں اس کا عنوان تم کو لکھنا ہے تم اس کا کوئی خوب صورت سا دل چسپ عنوان سوچو اور ایک پوسٹ کارڈ پر لکھ کر نیچے لکھے ہوئے پتے پر ہمیں بھیج دو۔ جس کھلونا بہن بھائی کا عنوان سب سے اچھا اور دل چسپ ہوگا اُسے دو روپے کی کتابیں انعام دی جائیں گی، پسند آنے والے اور بھی بہت سے عنوانات شائع کئے جائیں گے۔

کارڈ بھیجنے کا پتہ: **انعامی تصویر نمبر ۱۷، ماہ نامہ کھلونا، آصف علی روڈ، نئی دہلی**

جواب ہمیں ملنے کی آخری تاریخ ۲۵ فروری ۱۹۶۸

Taj Tahir Foundation

شیخ عبداللہ

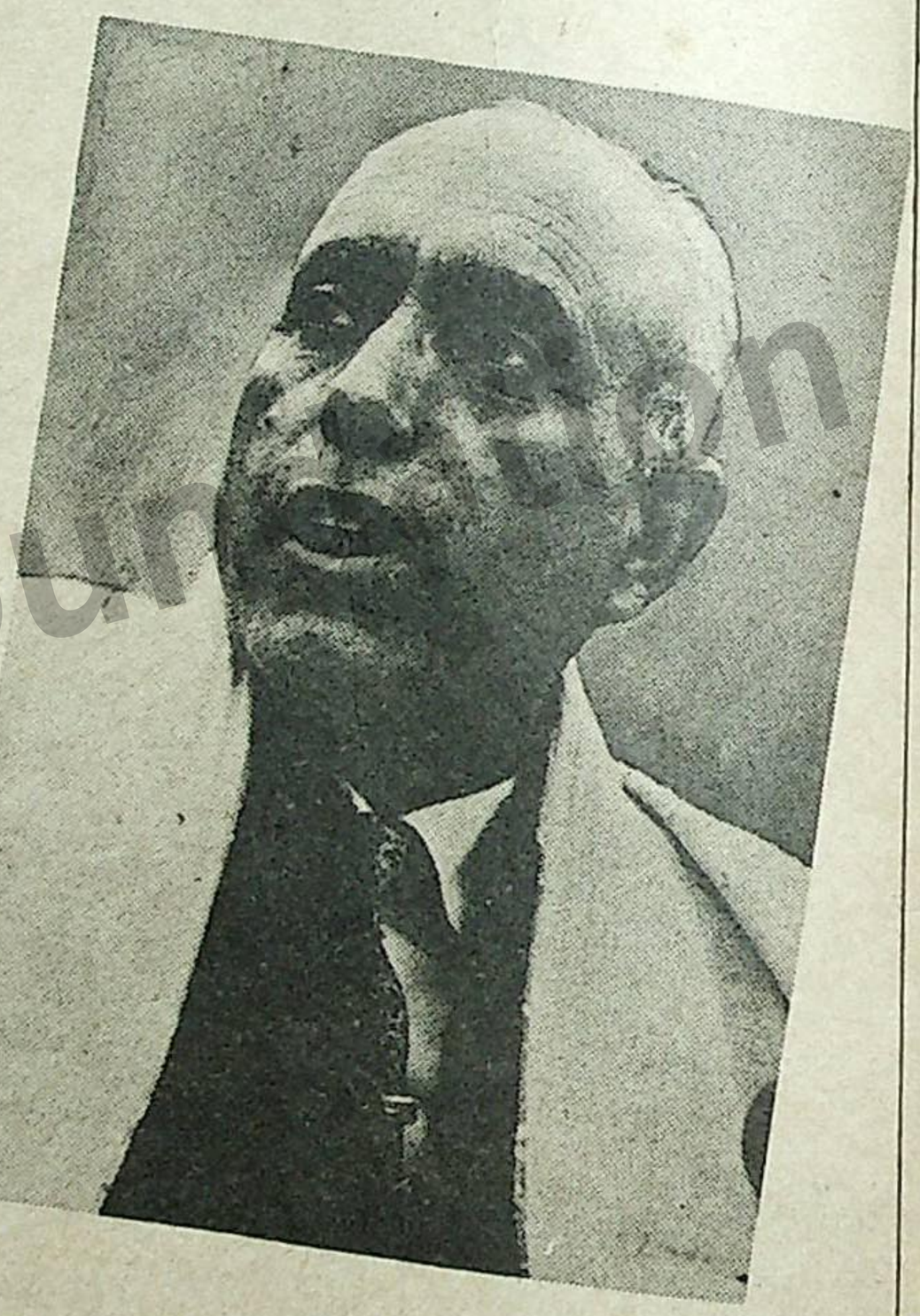

جن کی زندگی کا ہر چوتھا دن جیل میں گزرا ہے
ایک بار پھر جیل خانہ سے باہر آ گئے ہیں ——
فروری کے "شبستاں اردو ڈائجسٹ" میں اُن کا
ایک خصوصی انٹرویو شائع ہُوا ہے —— یہ انٹرویو
صرف ایک سنسنی خیز انکشاف ہی نہیں ہے۔
ایک مکمّل داستان ہے۔
ایک دستاویز ہے۔
اور اس نے شیخ عبداللہ کی پوری زندگی کو
سمیٹ لیا ہے۔
پوری دنیا کو چونکا دینے والے اِس انٹرویو
کے مطالعہ کے لئے آپ فروری ۱۹۶۸ کا

آج ہی ملاحظہ فرمائیں، اِس تاریخی انٹرویو کا دوسرا حِصّہ مارچ کے
شبستاں میں بھی شائع ہوگا جو ۲۵ فروری کے لگ بھگ آپ کو ہر
اچھّے اخبار فروش اور ریلوے بُک اسٹال سے مِل سکتا ہے۔

قیمت فی کاپی : ایک روپیہ پچاس پیسے

سالانہ : بیس روپے
اس میں سال نامہ اور رجسٹری فیس بھی شامل ہے

شبستاں اُردو ڈائجسٹ، آصف علی روڈ، نئی دہلی

سانس کی بدبُو کو کولگیٹ سے ختم کیجئے
اور ساتھ ہی ساتھ دانتوں کی سڑن کو روکئے تمام دن!

Tahir Foundation

کیونکہ: صرف ایک ہی بار برش کرنے سے کولگیٹ ڈینٹل کریم ۸۵ فیصدی تک مُنہ میں بدبُو اور دانتوں میں سڑن پیدا کرنے والے جراثیم کو ختم کر دیتا ہے۔

سائنٹفک تجربوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ کولگیٹ۔ ۱۰ میں سے ۷ حالتوں میں سانس کی بدبُو کو فوراً ختم کر دیتا ہے اور کھانے کے فوراً بعد برش کرنے کا کولگیٹ کا اصول دانتوں کی سڑن کو — زیادہ لوگوں کے لئے، زیادہ روکتا ہے — جس کی مثال دانتوں کے منجن کی پوری تاریخ میں اب سے پہلے کسی زمانے کے بارے میں نہیں ملتی۔ صرف کولگیٹ کے پاس اسکا ثبوت ہے۔

بچے آسانی کے ساتھ کولگیٹ سے برشنگ کرنیکی عادت اختیار کر لیتے ہیں کیونکہ اس کی زیادہ دیر تک برقرار رہنے والی پیپرمنٹ جیسی خوشبو انھیں مرغوب ہے۔

اگر آپکو پاؤڈر زیادہ پسند ہے تو یہ تمام فوائد کولگیٹ ٹوتھ پاؤڈر سے حاصل کیجئے ... ایک ڈبہ مہینوں چلتا ہے

زیادہ صاف اور تر و تازہ سانس اور زیادہ سفید دانتوں کے لئے کولگیٹ سے باقاعدگی کے ساتھ برشنگ کیجئے ...

لوگ زیادہ تعداد میں دُنیا کے کسی دوسرے ڈینٹل کریم کی بہ نسبت، کولگیٹ ہی کو خریدتے ہیں

CG.35

چاند سورج

رئیس امروہوی

ماموں ـــ نانے

باجی! یہ کچھ جھوٹ نہیں ہے
جگ مگ جگ مگ جگ مگ تارے
باجی! دُنیائیں ہیں سارے
ہر تارے کی ایک فضا ہے
ان میں پانی اور ہَوا ہے
ان میں خشکی اور زمیں ہے
باجی! یہ کچھ جھوٹ نہیں ہے

باجی! یہ کچھ جھوٹ نہیں ہے
چاند کہ سورج - ماموں نانے
تارے اپنے دوست پُرانے
ہر تارے کا رنگ نیا ہے
نیلا کوئی کوئی ہرا ہے
رنگ حسیں ہے ڈھنگ حسیں ہے
باجی! یہ کچھ جھوٹ نہیں ہے

باجی! یہ کچھ جھوٹ نہیں ہے
باجی! اِن تاروں کے اندر
ریت، چٹانیں اور سمندر
کیسے کیسے رُوپ ہیں اِن کے
اِن کے دن ہیں سَو سَو دن کے
روشن ہر تارے کی جبیں ہے
باجی! یہ کچھ جھوٹ نہیں ہے

باجی! یہ کچھ جھوٹ نہیں ہے
راکٹ کیا کیا جھوم رہے ہیں
اور خلا میں گھوم رہے ہیں
کیا ہے گر رَستے ہیں مشکل
چاند ستارے اپنی منزل
اپنی منزل دُور نہیں ہے
باجی! یہ کچھ جھوٹ نہیں ہے

Tai Tahir Foundation

شہزادہ شادمان

عادل رشید

ٹنّو اپنے ماں باپ کی بے حد لاڈلی بیٹی تھی۔ ٹنّو کو اس کے اماں ابا ہی نہیں بلکہ اُس کے بھائی بہن بھی بے حد چاہتے تھے اور پیار کرتے تھے۔

سارا گھر اس کی ہر فرمائش پوری کرتا تھا اور اُس کی ہی ضد سب کی طرف سے اس کے لئے پوری کر دی جاتی تھی لیکن اس کے یہ معنی نہیں تھے کہ ٹنّو اس لاڈ اور پیار سے ضدی یا بدتمیز ہو گئی تھی بلکہ وہ بے حد سمجھ دار قسم کی لڑکی تھی، وہ اپنے ماں باپ اور اپنے بڑے بھائیوں اور بہنوں کا کہنا بھی مانتی تھی، پڑھنے لکھنے میں بھی اُس کا جی خوب لگتا تھا اور گھر کے چھوٹے موٹے کام کاج میں بھی، اور کبھی کبھی تو وہ اپنی بساط سے زیادہ کام کر لیا کرتی تھی۔ ٹنّو کی عمر ابھی سات برس کی تھی کہ اُس نے پہلا روزہ رکھا۔ اُس کے ماں باپ نے اس کی اس روزہ کشائی کی رسم بڑی دھوم دھام اور شان و شوکت کے ساتھ منائی تھی۔

اور اس کی اس روزہ کشائی کی تقریب میں سارے اعزّا احباب اور دوست جمع ہوئے تھے۔ عورتیں، مرد، بچّے اور بڑے بوڑھے اور یہ سب کے سب ٹنّو کی اس روزہ کشائی کی خوشی میں ٹنّو کے لئے انوکھے انوکھے، عجیب و غریب اور نایاب قسم کے تحفے بھی لائے تھے۔

"لو ٹنّو بی بی ——" ایک بزرگ نے ٹنّو بی بی کی طرف ایک خوب صورت سا پنجرہ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"شکریہ چچا جان ——" ٹنّو نے خوب صورت رنگ برنگے پروں والے اس چھوٹے سے طوطے کا حسین تیلیوں والا پنجرہ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے خوش ہو کر کہا۔ اور پھر وہ چھوٹے سے خوبصورت طوطے کو بغور دیکھتے ہوئے بولی "یہ طوطا بولتا بھی ہے چچا جان؟"

"خود اس طوطے سے پوچھ کر دیکھ لو تم ٹنّو بی بی ——"

"ہائیں ——" ٹنّو نے حیران ہوتے ہوئے کہا "طوطے سے پوچھوں!"

"ہاں، ہاں ——"

اور پھر ٹنّو نے مسکرا کر طوطے سے پوچھا ——"تم ہی بولو میاں مٹھو، کیا تم بول سکتے ہو؟"

ٹنّو اس چھوٹے سے کئی رنگوں والے طوطے کو بڑے غور سے

Taj Tahir Foundation

پیار بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی کہ یہ منّا سا طوطا پنجرے کی دیوار سے آکر چمٹ گیا۔ اس نے اپنی چھوٹی سی سفید دودھ جیسی چونچ باہر کی، اور وہ کانا پھوسی والے انداز میں بولا۔

"بہت زیادہ بولنا خطرناک ہوتا ہے ٹنّو بی بی"

اور طوطے کے منہ سے یہ سُن کر ٹنّو ہی کیا بلکہ جتنے لوگ بھی اس جگہ موجود تھے تقریباً چیخ پڑے۔ اور اب وہ سب کے سب انتہائی حیرت اور تعجب سے اس چھوٹے سے طوطے کو حیرانی اور پریشانی سے دیکھ رہے تھے، اور یہ طوطا جو کہ قدوقامت میں بلبل کے برابر تھا اور جس کے کئی رنگ تھے۔ اپنی گردن ٹیڑھی کر کے ان دیکھنے والوں کو بغور دیکھنے لگا۔

اور ٹنّو نے زور سے تالی بجائی — وہ خوش ہو کر بولی۔

"چچا جان — میں آپ کے اس تحفے کے لئے آپ کا دل سے شکریہ ادا کرتی ہوں"

"بھئی واقعی یہ تو بڑا قیمتی تحفہ ہے" ٹنّو کے ابّا جان کے منہ سے نکلا "یہ تحفہ تو یقینی طور پر عجائب گھر کی چیز ہے"

"جی ہاں —" طوطا بولا اور سب کے سب حیران رہ گئے اور پھر روزہ افطار کا وقت ہو گیا اور سب مہمان روزہ افطار کرنے لگے۔

"کھجور کا ایک ٹکڑا اس خاکسار کو بھی دے دو ٹنّو، اور سب لوگ چونک پڑے۔ وہ معصوم سا، کئی رنگوں والا طوطا ٹنّو سے کہہ رہا تھا۔

"میرا بھی تو روزہ تھا نا۔ میں بھی روزہ کھولوں گا"

ٹنّو نے جھٹ سے کھجور کا ایک ٹکڑا طوطے کے پنجرے میں ڈال دیا۔

"اللہ پاک تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے" طوطے نے کہا، اور وہ کھجور کھانے لگا۔

"تم اور بھی چیزیں ہمارے ساتھ کھاؤ مٹھو میاں —" یہ کہہ کر ٹنّو نے پنجرے کا منہ کھول دیا۔

"شکریہ، ٹنّو بی بی" کہتا ہوا وہ طوطا پنجرے سے باہر آگیا اور سب کے ساتھ افطاری میں شریک ہو گیا۔ سبھی لوگ جو یہاں موجود تھے اس طوطے کو حیرت اور تعجب سے دیکھ رہے تھے۔

اور وہ طوطا بڑے سلیقے کے ساتھ افطار کی چیزیں اپنی چھوٹی سی نوک دار دودھیا رنگ کی چونچ سے کھاتا رہا، کُتر کُتر کر اور مزے لے لے کر۔

اور پھر اس وقت جبکہ سب بڑے بوڑھے اور جوان مغرب کی نماز میں مصروف ہو گئے۔ وہ طوطا کُھپرے سے کر کے اُڑا اور دیوار پر بیٹھ گیا۔ یہ دیکھ کر ٹنّو کا منہ فق ہو گیا۔ اور ساتھ ہی ساتھ اُن کی

Taj Nair Foundation

ساری سہیلیاں بھی حیران اور پریشان ہوکر اُسے دیکھنے لگیں۔

ٹنّو تو تقریباً رو پڑی۔ "ہائے اللہ میرا طوطا"

اس کے منہ سے نکلا۔ اور وہ اُسے خوشامد کرکے بُلانے لگی "یہ کیا مٹھو میاں۔ اب ایسی بھی کیا بے مروتی۔ آخر ہم نے تمہارا کیا بگاڑا تھا کہ تم اس طرح آئے اور اب اس طرح آکر چلے جا رہے ہو۔ ہم سچ کہتے ہیں کہ ہم تمہاری یاد میں رو رو کر پاگل ہو جائیں گے۔"

وہ بسورتی رہی، طوطے کو بلاتی رہی اور خوشامد کرتی رہی اور وہ ننھا منّا طوطا بغیر کسی احساس کے ٹکر ٹکر اُسے دیکھتا رہا۔

ٹنّو بولی۔

"کچھ تو بولو مٹھو میاں، آخر ہم نے تمہارا بگاڑا کیا ہے۔ کیوں رُوٹھ کر تم ہم سے جُدا ہوئے جا رہے ہو" وہ زور سے چیخی۔

لیکن اس کے بعد وہ طوطا ایک لفظ بھی نہ بولا۔ اور پھر سے اُڑ کر کہیں دُور چلا گیا۔ اور اس کے اس طرح اُڑ جانے سے ٹنّو نے رو رو کر اپنا برا حال کر لیا۔

اور پھر جب نماز ختم ہو گئی تو اب سبھی لوگ ٹنّو کو سمجھا رہے تھے اور اُسے تسلّی دے رہے تھے، اور وہ صاحب جن کا یہ تحفہ تھا گم سُم تھے اور خاموش تھے کہ ٹنّو کے ابّا جان نے اُن سے پوچھا

"یہ کیا راز ہے صاحب؟ یہ کس قسم کا طوطا تھا کہ آدمیوں کی طرح بولتا تھا اور پھر اس طرح اُڑ گیا، آخر یہ ماجرا کیا ہے؟"

مجھے خود حیرت ہے بھائی صاحب، اور جب سے میں خود ہی اُدھیڑ بُن میں ہوں کہ یہ طوطا آدمیوں کی طرح بولا کس طرح۔ اس سے پہلے تو یہ ایک معمولی طوطا تھا۔ میں بازار سے گذر رہا تھا کہ اس پر میری نظر پڑ گئی۔ طوطا خوب صورت لگا، مجھے اور میں نے چڑی مار سے اُسے پنجرے سمیت بیس روپے میں خرید لیا۔ سوچا ٹنّو بی بی کی روزہ کشائی کے لئے یہ ایک اچھا اور نیا تحفہ ہوگا۔ جب ٹنّو نے پوچھا کہ یہ بولتا بھی ہے تو میں نے یوں ہی کہہ دیا تھا کہ تم خود اس سے پوچھ کر دیکھ لو، اور میں خود حیران اور پریشان رہ گیا جب یہ انسانوں جیسی آواز میں ٹنّو سے بولنے اور بات کرنے لگا"

"یہ ہم سب کا وہم رہا ہوگا" ایک صاحب نے قیاس آرائی کی "ورنہ پرند بھی اس طرح بولتے ہیں کبھی"

اور پھر ٹنّو بھی روپیٹ کر خاموش ہو گئی، اور مہمان کھانا وانا کھا کر ایک ایک کر کے رخصت ہو گئے اور جب رات کے دس بج گئے تو ٹنّو اپنے بستر پر سونے کے لئے جا کر لیٹ گئی۔

وہ اپنے بستر پر سونے کے لئے لیٹ تو گئی تھی لیکن نیند اُس کی آنکھوں سے اتنی ہی دُور تھی جتنی کہ اُس انسانوں کی طرح بولتے ہوئے ننھے منّے خوب صورت رنگین پروں والے طوطے کی یاد اس کے دل کے قریب تھی۔

لاکھ بھلانے پر بھی طوطے کو وہ نہیں بھول رہی تھی، وہ اسے نہیں بھلا پا رہی تھی اور بار بار وہ اسی طوطے کے بارے میں سوچے چلی جا رہی تھی وہ کہاں ہوگا اِس وقت؟ کس حال میں ہوگا؟ کیا کر رہا ہوگا؟ کس درخت کی ڈالی پر وہ بیٹھا ہوگا اور کیا پتہ کہ کسی شکاری پرندے نے اُسے پکڑ لیا ہو اور یہ سوچ کر معصوم ٹنّو بی بی کا دل اُس کے سینے میں زور زور سے دھڑکنے لگا اور وہ رونے لگی۔

وہ چُپکے چُپکے اپنے بستر میں لیٹی روتی رہی۔ یہاں تک کہ وہ روتے روتے سو گئی، اور جب وہ سو گئی تو خواب میں بھی اُسے وہی بولتا ہوا طوطا دکھائی دیتا رہا اور وہ اسی کے خوابوں میں کھوئی رہی، یہاں تک کہ سحری کا وقت ہو گیا اور ہر طرف سے سحری جگانے والوں کی آوازیں آنے لگیں اور اس کی آنکھ کھُل گئی۔ اور وہ بھی اپنے گھر والوں کی طرح اپنے بستر پر سے اُٹھ بیٹھی۔

"نہیں، تم سو رہو ٹنّو، اس کی امّی نے بڑے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"آج تم روزہ نہیں رکھو گی، بس تمہاری روزہ کشائی ہو چکی ہے، اب تم اللہ نے چاہا تو آیندہ سال روزے رکھنا"

"نہیں اَمّی ــــ" ٹنّو نے عاجزی سے کہا "ہم تو آج

بھی روزہ رکھیں گے "۔

"نہیں بی بی" ۔ اُس کی اَمّی بولیں "بس ایک روزہ ہوگیا تمہارا۔ اب انشاء اللہ اگلے سال ——"

"اچھّا امّی ہم ضد نہ کریں گے۔ مگر ہم آخری روزہ ضرور رکھیں گے"۔

"اچھا، اچھا۔ تم آخری روزہ ضرور رکھنا" اس کی اَمّی نے کہا "ہم تمہیں منع نہیں کریں گے"۔

ٹنّو پھر اپنے بستر پر لیٹ گئی، لیکن وہ اب بھی اُسی معصوم طوطے کے بارے میں سوچ رہی تھی جس کے پروں میں کئی رنگ تھے اور جو بالکل انسانوں کی طرح بولتا اور بات کرتا تھا۔

اور پھر صبح جب کہ ابھی ابھی سورج کی سنہری کرنیں درختوں کی اونچی پھنگوں پر ناچی تھیں اور سُورج سُرخ اور سنہرے رنگ کا ایک خوب صورت گولا نظر آرہا تھا۔ ٹنّو اپنے بستر سے نکل کر اپنے مکان کے صحن میں آگئی اور پھر وہ اپنے مکان کی چھت پر آکر اُس مُنڈیر کو حسرت بھری نگاہوں سے تکنے لگی جہاں سے اس کا وہ خوب صورت رنگوں والا طوطا غائب ہوا تھا۔ اور ابھی اس طوطے کی یاد نے اس کے معصوم دل میں ایک شدید قسم کی چٹکی لی ہی تھی کہ اس کے کان کے قریب پُھر پُھر ہوئی، وہ چونک پڑی، اس نے اپنی گردن گھُمائی اور یہ دیکھ کر مارے خوشی کے اس کے حلق سے ایک چیخ نِکل گئی کہ اس کا وہی کئی رنگوں والا طوطا اس کے شانے پر نہ جانے کہاں سے آکر بیٹھ گیا ہے۔

اور ابھی وہ خوشی سے چیخنے ہی والی تھی کہ طوطے نے بڑے پیار سے اُس سے کہا "نہیں، نہیں۔ ٹنّو بی بی۔ خدا کے لئے ابھی نہیں" اس نے اپنی چونچ ٹنّو کے ہونٹوں پر رکھ کر گویا کہ اس کے ہونٹ سی دیئے۔

ٹنّو بولی "لیکن تم اُڑ کہاں گئے تھے؟"

"میں اپنے بارے میں سب کچھ تمہیں بتاتا ہوں" طوطے

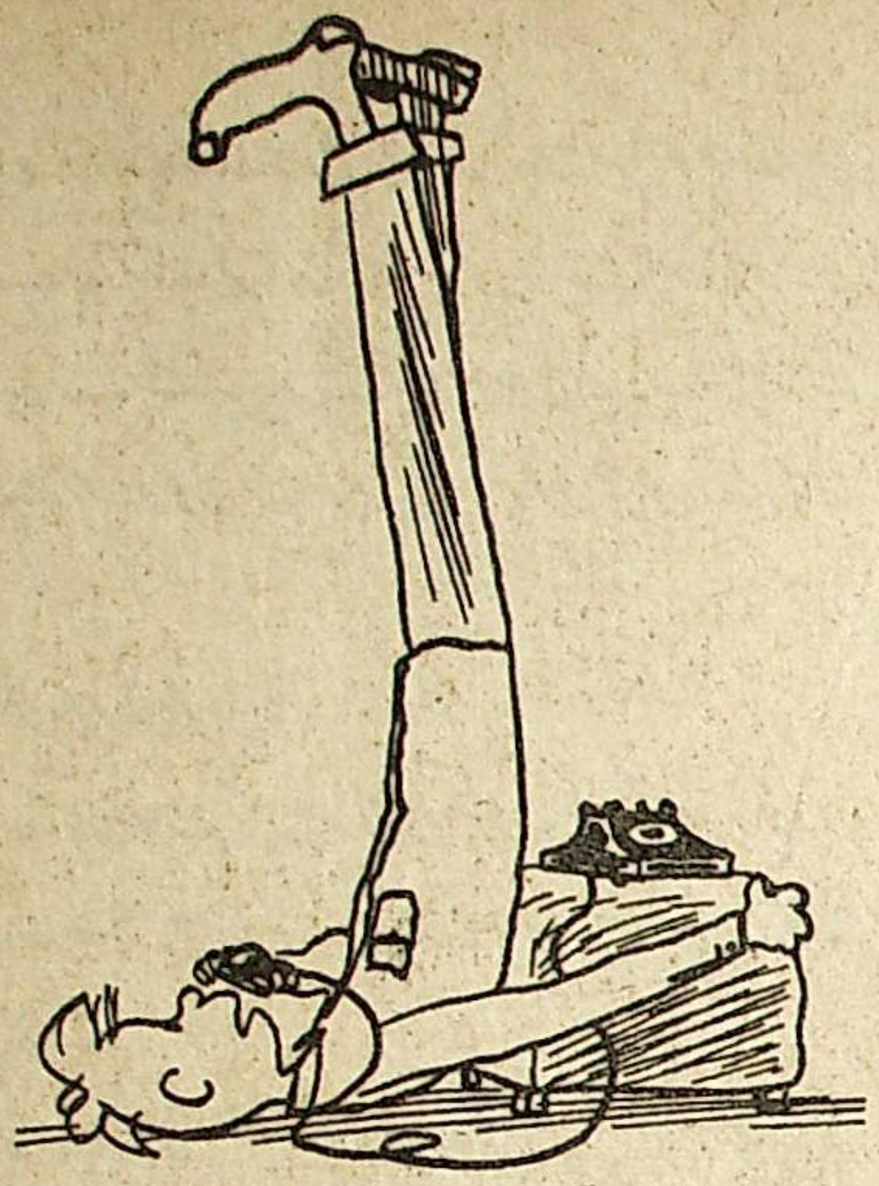

اُلٹی باتیں؟ تم کر رہے ہو میں نہیں

نے کہا "پوری داستان میں تمہیں سُناؤں گا۔ اس لئے کہ تم ہی تو وہ فرشتۂ رحمت لڑکی ہو میرے لئے جو مجھے پھر سے میری پچھلی زندگی واپس دلا سکتی ہے"۔

"پچھلی زندگی ——!"

"ہاں، ہاں ——" معصوم طوطے نے کہا —— "سب کچھ میں تمہیں بتاتا ہوں، لیکن ایک شرط پر"۔

"کیا شرط ہے وہ؟"

"تم میرے واقعات ابھی کسی کو نہیں بتاؤ گی"۔

"اچھّا نہیں کہوں گی"۔

"طوطے نے اپنی آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا۔ تو لو سنو۔ اور پھر اس نے اپنی کہانی شروع کی۔

"میں دراصل ایک جن ہوں ٹنّو بی بی"۔

"جن ——!"

"ہاں، ہاں۔ ڈرو نہیں، تم سنتی جاؤ بس، میں تمہیں کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ میں ایک جن شہزادہ ہوں ٹنّو بی بی میرا

Taj Tahir Foundation

ایک عزیز ترین دوست تھا۔ وہ بھی جن تھا، اور میرا ہم عمر تھا۔ اور میں اس سے بے حد محبت کرتا تھا۔ ہم دونوں بہت چھوٹی عمر سے ایک ساتھ کھیلا کرتے تھے، یہاں تک کہ اس طرح ایک ساتھ کھیلتے کھیلتے اور رہتے رہتے ہم دونوں بڑے ہو گئے۔ ہماری عمریں اٹھارہ سال کی ہو گئیں۔"

"لیکن تم تو طوطا ہو۔"

"ہاں، ہاں، اب تو میں طوطا ہی ہوں، لیکن تم سنتی جاؤ کہ میں طوطا کیسے بن گیا؟ میں تمہیں سب کچھ بتاتا ہوں۔ بیچ میں اب تم نہ بولنا ٹنو بی بی ——"

"اچھا، اچھا ——" ٹنو بولی "اب ہم بیچ میں نہ بولیں گے تم اپنی کہانی سناؤ۔"

"ہم جنوں کو اللہ پاک نے یہ قدرت بخشی ہے کہ ہم جس شکل کو چاہیں اختیار کر لیں، اور جس مردہ جسم میں چاہیں ہم اپنی رُوح داخل کر دیں ——" اور ہم اکثر ایسا کرتے رہتے ہیں۔

"ہاں، ہاں ——" ٹنو بیچ میں بول پڑی "یہ تو ہم نے سنا ہے۔ ہماری امی ہمیں قصے کہانیوں میں یہ سناتی رہتی ہیں۔"

"اور اب میں تمہیں کہانی نہیں بلکہ حقیقت سنا رہا ہوں ٹنو بی بی۔"

"ہاں، ہاں، سناؤ سناؤ۔"

ٹنو بولی اور اس نے اپنی آپ بیتی پھر شروع کی۔

"تو ایک دن یہ ہوا ٹنو بی بی کہ ہم دونوں دوست جنگل میں گھوم پھر رہے تھے کہ اچانک میری نظر ایک خوب صورت قسم کے طوطے پر پڑی جو کہ مرگیا تھا، مجھے یہ طوطا بڑا اچھا لگا، اور میں نے اپنی رُوح اس مردہ طوطے میں ڈال دی۔ اور جسم میں میری روح کے پہنچتے ہی وہ مردہ طوطا زندہ ہو گیا، اور پھر سے اُڑ کر ایک درخت کی ٹہنی پر بیٹھ گیا، اور پھر بہت مسرور و مغرور اس ٹہنی پر سے بھی اُڑا، اور دُور، بہت دُور جنگل میں اِدھر اُدھر اُڑنے لگا۔"

طوطے نے کہا "یہ در اصل میں ہی تھا ٹنو بی بی۔ جو طوطے کے جسم میں پہنچ کر اِدھر اُدھر اُڑتا پھر رہا تھا۔ اور خوش تھا کہ اچانک میرے دوست کے دل میں ایک بدی نے گھر کیا اور اس نے جھٹ سے اپنی رُوح میرے مردہ جسم میں جو کہ اسی جگہ پڑا ہوا تھا ڈال دی اور جب وہ میرے جسم کے ساتھ اُٹھ کر کھڑا ہو گیا تو اُس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اپنے مردہ جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے اور دیکھتے ہی دیکھتے درجنوں گدھ اِس مُردہ جسم کے ٹکڑوں پر ٹوٹ پڑے اور اُسے چٹ کرنے لگے۔

اور پھر جب میں اِدھر اُدھر خوب اچھی طرح سے گھوم پھر کر اپنے جسم میں واپس جانے کے لئے آیا تو میں نے یہ ماجرا دیکھا کہ میرے جسم میں تو اس میرے دوست کی رُوح پہنچ چکی ہے اور اُس کا جسم گدھوں کی خوراک بن چکا ہے۔ اور اب میرے اوسان خطا ہو گئے اب میں بھلا اپنے جسم میں واپس کیسے جا سکتا تھا، اس میں تو میرے بے وفا دوست کی رُوح پہنچ چکی تھی۔"

طوطے نے ایک سرد آہ بھری —— اور پھر بولا ——

"اور مجھے دیکھ کر میرے اُس بے وفا اور کمینے دوست نے ایک پتھر کا ٹکڑا اُٹھایا اور میری طرف وہ ٹکڑا کھینچ مارا اس نے! دراصل وہ مجھے مار ڈالنا چاہتا تھا۔ میں اس پتھر کے ٹکڑے کی زد سے بچ کر اُڑ گیا اور میرا دوست ہنستا ہوا میرے گھر چلا گیا۔

اور جب سے میں اس طوطے کے قالب میں اِدھر اُدھر بھٹکتا پھر رہا ہوں اور میرا دوست میرے گھر میں شہزادہ بنا ہوا عیش کر رہا ہے کہ ایک دن میں ایک چڑی مار کے جال میں پھنس گیا۔ اور اس طرح پنجرے میں قید ہو کر میں تمہارے یہاں آگیا۔

اور یہ سب سُن کر ٹنو جو کہ حیرت، تعجب اور افسوس کے گہرے سمندر میں غرق ہو چکی تھی، ایک دم بولی۔

"پھر اب کیا ہو گا۔ اب تمہیں تمہارا جسم واپس کیسے ملے گا؟"

"مجھے میرا جسم واپس مل سکتا ہے ٹنو بی بی" طوطا عاجزی

سے بولا "اگر تم میری مدد کرو تو"

"میں ہر طرح سے تمہاری مدد کرنے کو تیار ہوں" ٹنّو بے تابی سے بولی "لیکن مجھے یہ بھی تو معلوم ہو کہ میں تمہاری مدد کیسے کر سکتی ہوں"

"میں بتاتا ہوں تمہیں ٹنّو بی بی"

طوطا اپنی آنکھوں میں آنسو بھر کر گلوگیر آواز میں بولا۔

"مجھے ایک بزرگ نے خواب میں بتایا ہے کہ ایک سات برس کی بچّی ہے ٹنّو بی بی۔ وہ ہندوستان کے اُردو کے ایک ادیب کی سب سے چھوٹی اور سب سے لاڈلی بیٹی ہے، وہ جب اپنا پہلا روزہ رکھے گی اور پھر جب وہ اسی رمضان شریف کا آخری روزہ بھی رکھے اور اگر وہ اس آخری روزے کے افطار سے پہلے اللہ پاک سے یہ دُعا مانگے کہ وہ تمہاری مدد کرے اور تمہیں تمہارا جسم واپس دلا دے، تو تمہارا جسم تمہیں واپس مل سکتا ہے"

"اچھا ——!" ٹنّو یک بارگی خوش ہو کر بولی "میں آخری روزہ ضرور رکھوں گی مٹھّو میاں۔ اور میں تمہارے لئے اللہ پاک سے دعا بھی مانگوں گی کہ تمہیں تمہارا جسم واپس مل جائے۔ میں رو رو کر اللہ سے دُعا کروں گی تمہارے لئے اور میری یہ دُعا جو کہ تمہارے لئے ہوگی، دل سے ہوگی"

"بہت بہت شکریہ ٹنّو بی بی" طوطا بولا "میں تمہارا یہ احسان زندگی بھر یاد رکھوں گا" اور پھر اس نے کہا "لیکن دعا کے ساتھ ہی ساتھ تمہیں ایک کام اور بھی کرنا ہوگا"

"وہ کیا؟" ٹنّو خوش ہو کر بولی "جلدی بتاؤ ہمیں کہ ہمیں اور کیا کرنا ہوگا" "اس واقعہ کا ذکر تم کسی سے نہ کرو گی" دعا پڑھ کر اس پانی پر پھونکوں گی۔ اور پھر اس پانی میں اپنے داہنے ہاتھ کی پانچوں انگلیاں ڈال ڈال کر پانی کے چھینٹے۔ یہ کہہ کر کر سامنے کی طرف اُڑاتی جاؤ گی کہ خدا اس بے رحم، بے وفا، ظالم اور احسان فراموش مروان کو اس بدی کا بدلہ دے جس نے اپنے مخلص دوست شامان کے جسم پر اپنی بددیانتی سے قبضہ کر رکھا ہے"

ممکّہ بازی کی مشق

روشنی کا رُخ بدلنا چاہیے

اب اسے سُرمہ بناتا ہوں

"کیا تمہارے دوست کا نام مروان ہے؟"

"ہاں اور میرا شامان" اور پھر اس نے کہا "مجھے اُمید ہے تمہاری دُعا مانگنے سے اللہ تعالےٰ کے حکم سے اس دغاباز دوست کی ناپاک روح میرے جسم کو چھوڑ دے گی۔ میں یہیں سے پنجرے میں بیٹھا بیٹھا اپنی روح اپنے جسم میں دوبارہ لے جاؤں گا۔ اور جیسے ہی یہ میرے طوطے کا جسم بے جان ہو کر پنجرے میں گر جائے گا تم سمجھ لینا ٹنّو بی بی کہ مجھے میرا اصلی جسم واپس مل گیا ہے۔ اور پھر میں اپنے اصلی جسم کے لئے تمہارا شکریہ ادا کرنے کے لئے اور تم سے ملنے کے لئے ضرور آؤں گا"

"اچھا ——" ٹنّو جو کہ بے حد متاثر ہو رہی تھی بولی۔ "میں ایسا ہی کروں گی تمہارے لئے"

Taj Tahir Foundation

"لیکن تم یہ ساری باتیں کہنا نہیں کسی سے۔" طوطے نے کہا "ورنہ پھر کچھ نہ ہو پائے گا۔ یہ تو میری خوش قسمتی تھی کہ میں چڑی مار کے جال میں پھنس کر کسی نہ کسی طرح تم تک پہنچ گیا اور جب یہاں پہنچ کر مجھے یہ معلوم ہوا کہ تم ہی وہ لڑکی ٹنو ہو تو میں سمجھ گیا کہ مجھے نئی زندگی مل رہی ہے۔"

لیکن تم بھاگ کہاں گئے تھے؟" ٹنو نے پوچھا ـــــ اور طوطا بولا ـــــ

"میں سب سے الگ تھلگ رہ کر رات بھر اللہ پاک سے اپنی زندگی کے لئے دعا مانگنے گیا تھا، اُن بزرگ نے یہ بھی تو کہا تھا مجھے کہ جب تم اس لڑکی ٹنو کا پتہ لگا لو تو اس سے سب کچھ کہنے سے پہلے رات بھر عبادت میں گذارنا اور پھر صبح آکر اُس سے اپنی حقیقت بتا دینا۔"

"اچھا ـــــ ٹنو بولی "پھر اب؟"

"اب تم مجھے لے جا کر پنجرے میں بند کر دو۔ کل آخری روزہ ہے۔ تم روزہ رکھو اور افطار کے وقت دعا مانگو میرے لئے۔ لیکن کسی سے کچھ کہنا نہیں۔"

"اللہ نہ کرے کہ ہم پیٹ کے اتنے ہلکے ہوں، ہم کسی سے کچھ نہ کہیں گے۔"

اور پھر جب کہ ماہِ رمضان کا یہ آخری روزہ تھا۔ ٹنو نے روزہ رکھا۔ اور افطار کے وقت وہ ایک پیالے میں پانی لے کر بیٹھ گئی۔ طوطے کا پنجرہ پاس ہی رکھا تھا اور طوطا محبت پاش نظروں سے ٹنو کو تک رہا تھا۔

اور پھر ٹنو نے وہی سب کچھ کیا جیسا کہ طوطے نے اُسے بتایا تھا۔ اور پھر روزہ کھولتے ہی اس نے دیکھا کہ اس کا یہ طوطا پنجرے میں یکبارگی گرا اور مر گیا۔

"ہائیں ـــــ!" گھر کے سبھی ممبر ایک ساتھ اُچھل پڑے۔ وہ سب کے سب افسردہ ہو گئے تھے۔

"یہ تو مر گیا شاید۔" ٹنو کے ابّا بولے اور ٹنو یکبارگی خوش ہو کر چلّائی۔

"وہ مارا ـــــ" اور پھر وہ زور زور سے تالیاں بجانے لگی۔ وہ ہنس رہی تھی۔ وہ اُٹھ کر خوشی سے اُچھلنے لگی۔ خوشی سے اس کا چہرہ گلنار ہو گیا تھا۔ وہ خوشی سے دیوانی ہوئی جا رہی تھی اور اس کے گھر والے حیرت اور تعجّب سے اُسے دیکھ رہے تھے۔

"پگلی ہے کیا؟" اس کے ابّا جان حیرت زدہ ہوتے ہوئے جھنجھلا کر بولے۔

"اس کا اتنا چہیتا طوطا مر گیا اور اب یہ ہے کہ خوشی سے دیوانی ہوئی جا رہی ہے، کل تک اس کے لئے مری جا رہی تھی یہ۔"

"یہ واقعی پاگل ہے۔" اس کی امی پنجرے سے طوطے کی لاش نکالتے ہوئے بولیں۔

"بے چارہ ـــــ کتنا پیارا پیارا تھا یہ۔"

اور ابھی ان کی آنکھیں نم ہوئی ہی تھیں کہ ٹنو اپنی امّی کے گلے میں بانہیں ڈال کر جھول گئی۔ وہ چہک کر بولی۔ اسے تو نئی زندگی ملی ہے امّی۔ میرے ذریعہ تو آپ یوں سمجھئے کہ ایک بہت بڑا کام ہوا ہے۔"

"پگلی ہو گئی ہے کیا واقعی"۔ اُس کی امی جھنجھلا گئیں۔ "یہ کیا اُوٹ پٹانگ بک رہی ہے؟"

اور پھر دوسرے دن جب کہ عید کا مقدس اور مبارک دن تھا۔ عید کی نماز کے بعد ٹنو کے گھر کی گھنٹی زور سے بجی۔ ٹنو نے بھاگ کر دروازہ کھولا۔ سامنے ایک خوب صورت، انتہائی خوب صورت سا لڑکا بیش قیمت لباس پہنے کھڑا، مسکرا رہا تھا، وہ اپنی مسکراتی آنکھوں سے ٹنو کو دیکھ رہا تھا۔

"پہچانو تو ٹنو بی بی میں کون ہوں؟"

اور ٹنو جو کہ اُسے ٹک ٹک دیکھ رہی تھی یکبارگی چیخ پڑی۔

"مٹھو میاں۔ میرے شاماں بھیّا۔"

"ہاں میری گڑیا"۔

اور پھر شامان نے ٹنّو بی بی کو پاگل کی طرح اُٹھا کر اپنی گود میں بھینچ لیا۔ ٹنّو خوشی سے پاگل ہوئی جا رہی تھی، وہ زور سے چلّائی۔

"امّی، امّی، دیکھئے تو کون آیا ہے؟ ہمارے شامان بھیّا آئے ہیں"۔

اور پھر جبکہ وہ سب کے سب ڈرائینگ روم میں بیٹھے تھے اور گھر کے سبھی ممبروں کو اس جن شہزادے شامان کے بارے میں ساری باتیں تفصیل کے ساتھ معلوم ہو چکی تھیں۔ شامان نے بڑے ادب سے ٹنّو کے ابّا جان سے کہا۔

"ہماری بہن ٹنّو نے ہمیں ایک نئی زندگی دی ہے چچا جان، اور اب اس ہماری نئی زندگی کی خوشی میں آپ ہمارے ابّا جان کا سلام قبول فرمائیے اور ساتھ ہی ساتھ اُن کا یہ تحفہ بھی"۔

اور یہ کہہ کر اس نے اپنی شیروانی کی جیب سے ایک معمولی سی ڈبیا نکالی۔ اس ڈبیا میں ایک معمولی سی انگوٹھی تھی، وہ یہ کھلی ہوئی ڈبیا اُن کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

"یہ میرے ابّا جان کا تحفہ ہے آپ کے لئے"۔

گھر کے سبھی لوگ اس حقیر سی انگوٹھی کو حیرت اور تعجّب سے دیکھ رہے تھے کہ شامان شہزادہ بولا۔

"آپ کو دنیا میں جس چیز کی ضرورت ہو، آپ اس انگوٹھی کو اپنی اُنگلی میں پہن کر دُعا مانگئے۔ وہ چیز آپ کو خدا کی طرف سے مِل جائے گی"۔

"اچھّا ــــ"

"ہاں"۔ شہزادہ شامان بولا "آپ ہفتہ میں ایک دفعہ جو بھی مانگیں گے وہ آپ کو اللہ پاک کی طرف سے عطا ہوتا رہے گا۔ یہ انگوٹھی حضرت سلیمان کی ہے۔ اور یہ اتنی قیمتی ہے کہ ابّا جان اسے کبھی بھی اپنے سے جدا نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن چونکہ ٹنّو بی بی کے ذریعے اُن کے اِکلوتے بیٹے کو نئی زندگی عطا ہوئی ہے لہٰذا اُنہوں نے یہ قیمتی تحفہ آپ کو بھجوایا ہے۔ آپ اس انگوٹھی کو پہن کر دنیا کا ہر عیش اور دنیا کی ہر دولت خدا سے مانگ سکتے ہیں"۔

اور پھر یہ کہہ کر شامان نے ٹنّو بی بی کو ایک دفعہ اور پیار کیا اور پھر وہ اچانک نظروں سے غائب ہو گیا۔ وہ غائب تھا، لیکن اُس کی آواز سُنائی دے رہی تھی۔

"ٹنّو بی بی۔ تم ساری زندگی شاد و بامُراد رہو کبھی کوئی غم نہ ہو تمہیں۔ یہ میری دُعا ہے۔ جنوں کا شہزادہ شامان تمہیں قیامت تک یاد رکھے گا۔ تم نے اُسے نئی زندگی دی ہے"۔ اور پھر آخری بار اس کی آواز دُور سے سُنائی دی۔

"خدا حافظ ٹنّو بی بی۔ خدا حافظ"۔

اور پھر ہر طرف ایک گہرا سکوت طاری ہو گیا۔ ساری فضا اور سارا ماحول بے حد خوش گوار قسم کی خوشبو سے مہک رہا تھا ــــ

■■

فاتح کون؟

Taj Tahir Foundation

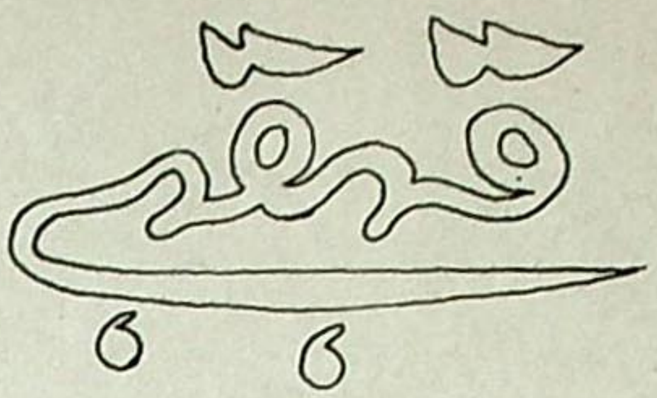

بے۔ے۔ے۔را

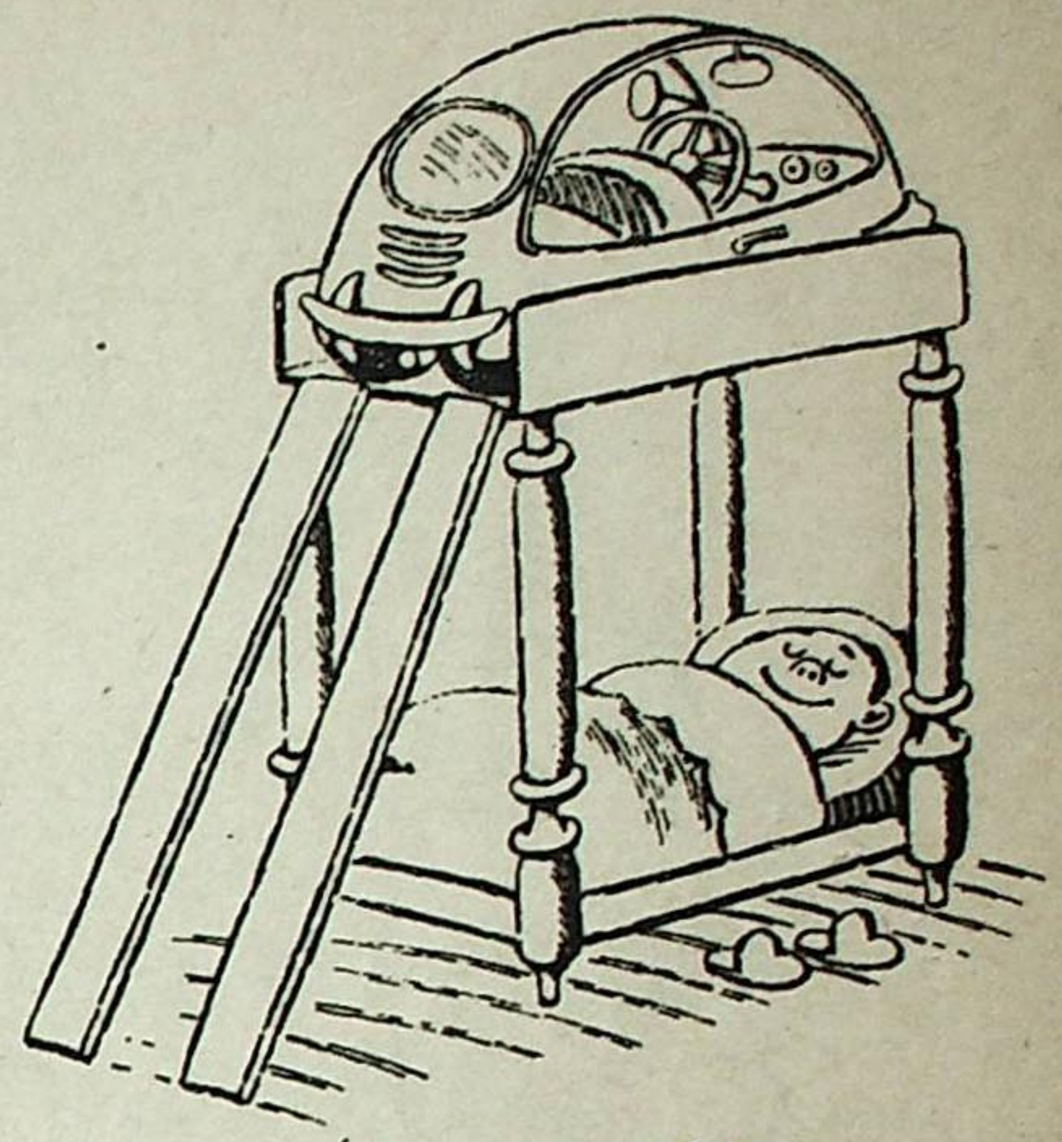

اس طرح کم جگہ میں دو کام ہو جاتے ہیں

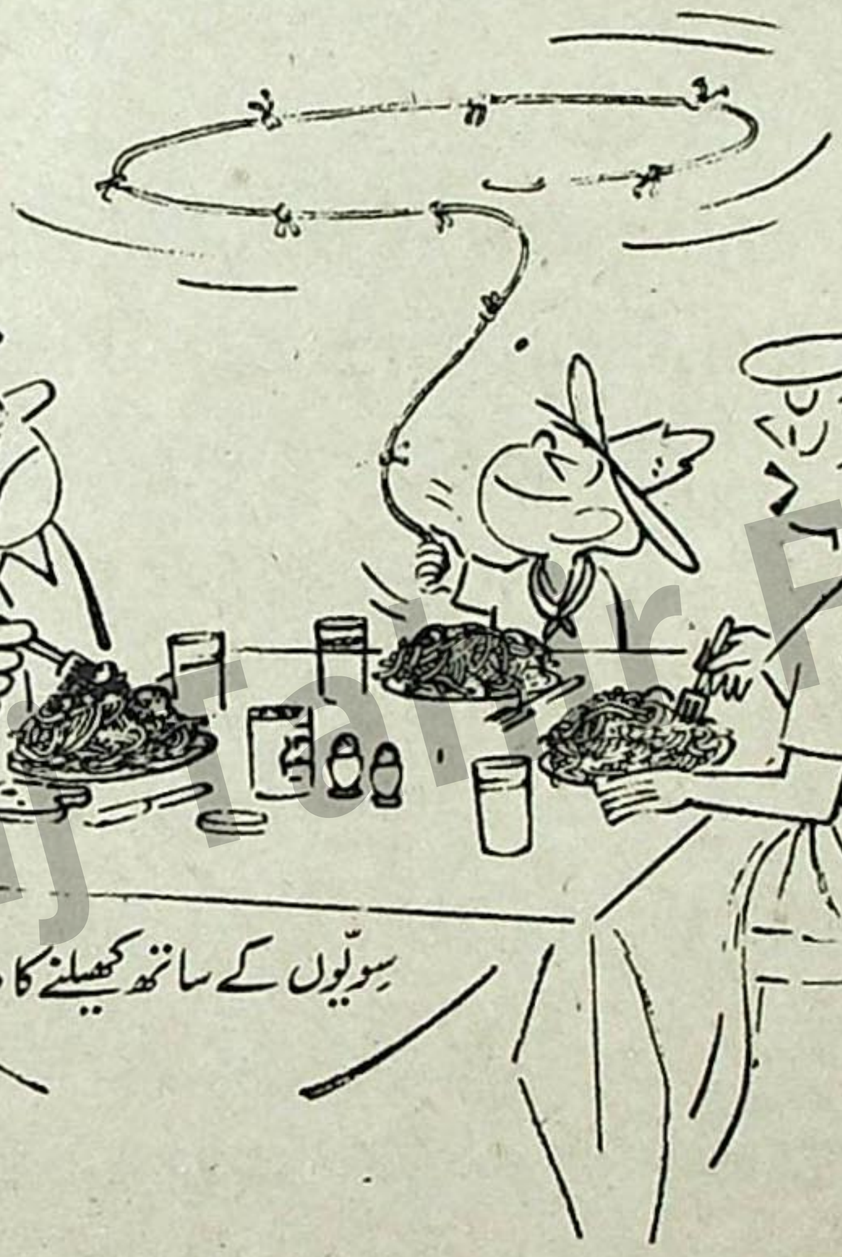

سوئیوں کے ساتھ کھیلنے کا مزا

ٹوپی کے سائز کا دروازہ

چھت کے اوپر اور نیچے

فرصت کا کھیل

سردی آئی شان نرالی ہے

محمد شفیع الدین نیّر

گرمی کی گئی گرما گرمی، سردی نے رنگ جمایا ہے
اب سُوں سُوں سُوں سُوں، سِی سِی سِی، تھر تھر کا موسم آیا ہے
یوں سردی سے دِل ہلتے ہیں، یوں مُنہ سے بھاپ نکلتی ہے
ریل کی گاڑی جیسے پھک پھک دھُواں اُڑاتی چلتی ہے

دن بھر ہی پسینہ بہتا تھا، ہر ایک یہی دکھ سہتا تھا
وہ بچّی ہو یا بچّہ ہو، ہر اِک گھبرا کر کہتا تھا
چہرے جو شگفتہ پھول سے تھے، اس گرمی سے مُرجھائے ہیں
اتنی اور ایسی گرمی سے دَم ناک میں سب کے آئے ہیں

سردی کے اب آجانے سے، گرمی سے چُھٹکارا پایا
آہا آہا سردی آئی، آہا آہا جاڑا آیا

اب کپڑے گرم نِکالیں گے، اُونی کوٹ اور اُونی مفلر
سَر پر ہوگی اُونی ٹوپی، بر میں ہوگا اُونی چسٹر
چلغوزے، اخروٹ اور کاجُو، بادام اور پستے کھائیں گے
اب چائے پئیں گے ڈٹ ڈٹ کر، قہوے کے جام چڑھائیں گے

کشمیری چادر اوڑھیں گے، بیٹھیں گے گرم گدیلوں میں
کِتنے آرام سے لیٹیں گے، روئی کے نرم گدیلوں میں
بیٹھیں گے گِرد انگیٹھی کے، آپس میں ملاقاتیں ہوں گی
دنیا بھر کے چرچے ہوں گے، دنیا بھر کی باتیں ہوں گی

شعروں کا لطف اُٹھائیں گے، قصّوں سے جی بہلائیں گے
سازوں کی سُریلی تانوں میں، ہم گیت سہانے گائیں گے

سَردی کی لمبی راتوں میں لگ کر لکھنا پڑھنا ہوگا
عِلم اور ہُنر کی راہوں میں یوں تیزی سے بڑھنا ہوگا
تیّاری ہوگی نیچے سے اونچے درجہ میں چڑھنے کی
اپنی کوشش کی کشتی سے یہ دریا پار اُترنے کی

یہ کوشش اور محنت اپنی اِک راہ نئی دِکھلائے گی
خوشیوں کی دلکش منزل تک، اک روز ہمیں پہنچائے گی
ہم کام کریں گے محنت سے دُنیا میں عزّت پائیں گے
محنت سے ملے گی آسائش، محنت سے راحت پائیں گے

نیّر صاحب! سچ تو یہ ہے، سردی کی شان نرالی ہے
گرمی رُت اور برکھا رُت سے، اس رُت کا رُتبہ عالی ہے

Taj Tahir Foundation

حسین کشیدہ کاری

فن کشیدہ کاری کی تمام کتابوں پر سبقت لے جانے والی یہ کتاب ہر وقت ہر گھر میں عورتوں اور بچیوں کو سلیقہ شعار اور ہنرمند بنانے کے کام آتی ہے۔ کشیدہ کاری کا یہ مجموعہ کراس اسٹچ اسٹینسل ورک بوٹے، کونے، مرکز، جمپروں کے گلے، اونی سوئٹروں کا نمونہ، کٹ ورک، جالیوں کا کام، موتیوں کا کام، تکیہ کے اشعار، جدید فیشن کے کپڑے اور دوسرے بے شمار ڈیزائن، ۵۴ صفحات رنگین بلاکوں پر چھاپے گئے اور باقی ۲۲۴ صفحات لیتھو پر چھاپے گئے ہیں۔ آرٹ پیپر پر چار رنگ کا خوب صورت ٹائیٹل

قیمت دو روپے پچاس نئے پیسے

زینب انور کی ترتیب دی ہوئی مکمل اور جامع کتاب

کامیاب درزی خانہ

جس کی موجودگی میں آپ ٹیلر ماسٹروں سے بے نیاز ہو جائیں گی۔ یہ کتاب آپ کو کپڑے کاٹنے اور سینے کے فن میں طاق کر دے گی۔ یہ کتاب آپ کو کفایت شعاری سکھائے گی۔ کپڑوں کی سلائی پر جو کچھ خرچ آتا ہے آپ اسے کسی اہم ضرورت کے لئے بچا سکیں گی ـــــ "کامیاب درزی خانہ" میں انگریزی و ہندوستانی ہر قسم کے لباس تیار کرنے کی آسان ترکیبیں درج ہیں جن کی مدد سے آپ کوٹ پتلون، شیروانی، جمپر فراک، غرض ہر چیز اپنے ہاتھ سے کاٹ کر سی سکتی ہیں ـــ مارکیٹ میں جس قدر کتابیں اس وقت موجود ہیں یہ کتاب ان سب سے مفید ہے۔ ضرور طلب فرمائیے۔ قیمت صرف دو روپے۔

شمع بک ڈپو۔ آصف علی روڈ۔ نئی دہلی

Tahir Foundation

شرط

احمد جمال پاشا

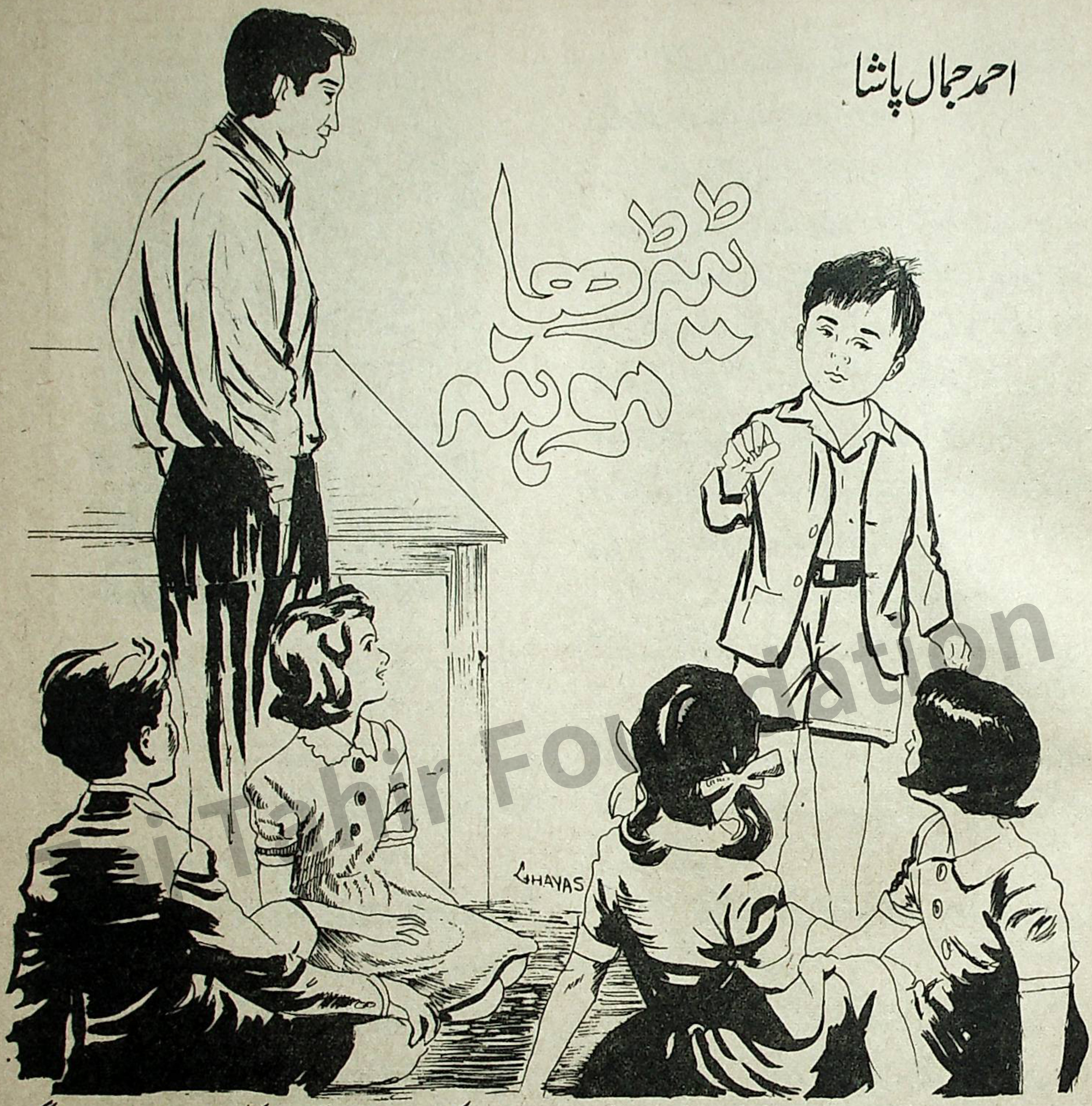

میں لان میں بیٹھا دھوپ کھا رہا تھا۔ اتنے میں ایک پتنگ کمپاؤنڈ میں آ کر گری۔ منّے نے جلدی سے اس کی ڈور کھینچ کر ڈور اور پتنگ ایک بڑے گملے کے پیچھے چھپا دی۔ ذرا دیر بعد کچھ لڑکے لنگر گھماتے، منہ کھولے آسمان کی طرف دیکھتے بھاگتے ہوئے آئے اور اُن میں سے ایک لڑکے نے کہا۔

"صاحب! میری پتنگ یہاں گری ہے۔ اس سے پہلے کہ میں کچھ بولتا، ماسٹر منّا نے چلا کر کہا "جاؤ جاؤ میاں پتنگ وتنگ کسی کی نہیں گری ہے۔

لڑکے روہانسے ہو کر لوٹ گئے۔ ساتھ ہی مجھے یہ فکر پیدا ہو گئی کہ یہ تو بڑی خراب بات ہے۔ اگر روک تھام نہ کی گئی تو کہیں منّے کو جھوٹ بولنے کی عادت ہی نہ پڑ جائے۔ چنانچہ میں نے منّا کو بلایا اور کچھ کہنے کی بجائے ان کی طرف بڑے

بارش سے بچنے کی کیا ضرورت ہے۔ یہاں تو
ہم آئے ہی بھیگنے کے لئے تھے

غور سے دیکھا۔ منّے سے نہ رہا گیا اور پوچھنے لگے، بھائی صاحب آپ میری طرف کیوں دیکھے جا رہے ہیں؟"

میں نے کہا "یہ تمہارا منہ کیوں ٹیڑھا نظر آ رہا ہے؟"

یہ سُن کر منّے کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا۔ وہ بھاگے بھاگے پورٹیکو تک گئے اور آئینے میں بہت غور سے اپنا چہرہ دیکھتے رہے۔ اس کے بعد وہ تیزی سے میرے پاس آئے اور بہت ہی اداس لہجے میں کہنے لگے،

"مجھے بھی اپنا منہ کچھ کچھ ٹیڑھا نظر آ رہا ہے۔"

میں نے کہا "جانتے ہو؟ منہ کیوں ٹیڑھا ہو جاتا ہے ——؟"

منّے نے کہا "نہیں۔"

میں نے انہیں سمجھایا "جھوٹ بولنے سے منہ ٹیڑھا ہو جاتا ہے۔ کہیں تم نے جھوٹ تو نہیں بولا تھا؟"

منّے نے سوچتے ہوئے کہا "جو لڑکے ابھی پتنگ مانگنے آئے تھے ان سے میں نے جھوٹ بولا تھا ——"

میں نے جی میں کہا، بلا سچ بولے تو اب یہ سیدھا ہونے سے رہا۔ میں کچھ اور کہنے ہی والا تھا کہ منّے دوڑتے ہوئے اس بڑے گملے کے پاس پہنچے وہاں سے اُنہوں نے چھپی ہوئی پتنگ نکالی۔ اس کے بعد وہ دوڑتے ہوئے باہر گئے اور چلّا کر اُن لڑکوں سے کہا "ارے، تمہاری پتنگ میں نے لوٹ کر چھپا دی تھی۔ یہ لو" اُن لڑکوں کو پتنگ اور ڈور واپس کر کے وہ دوڑتے ہوئے میرے پاس آئے اور پوچھا، "بھائی صاحب اب بتائیے، میرا منہ سیدھا ہوا یا نہیں؟"

میں نے منّے کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "ارے سچ مچ تمہارا منہ تو اب بالکل سیدھا ہو گیا!" پھر منّے دوڑتے ہوئے پھر پورٹیکو کے آئینے تک گئے اُس میں غور سے اپنا منہ دیکھا۔ پھر بھاگے بھاگے ہنستے ہوئے آئے اور بولے، "بھائی صاحب، سچ مچ میرا منہ تو بالکل سیدھا ہو گیا۔

میں نے کہا "مگر سمجھ لو، ادھر تم جھوٹ بولے اور تمہارا منہ پھر ٹیڑھا ہوا۔"

اس واقعہ کو کئی دن ہو گئے۔ ایک دن میں کھانے کے کمرے میں جو پہنچا تو دیکھا کہ ایک ہنگامہ مچا ہوا ہے۔ معلوم ہوا کہ بابا لوگوں نے نعمت خانے میں رکھی ہوئی گاجر کے حلوے کی پوری پلیٹ صاف کر دی، اور مسٹر بھائی ایک ایک بچّے سے باری باری پوچھ رہے تھے۔

"بابا تم نے کھایا؟"

"نہیں!"

"صوفیہ تم نے حلوہ کھایا؟"

"نہیں!"

Taj Tahir Foundation

گلیریا کی ماریا جس کا انتقال ۱۹۸۸ میں ہوا دنیا کی سب سے بڑی اسٹامپ جمع کرنے والی خاتون تھی وہ ہر ہفتہ دس ہزار ڈالر پرانے اور نئے ٹکٹ کی خریداری پر صرف کرتی تھی۔ چودہ سو ہفتے تک اس کا یہ شوق باقی رہا جب وہ مری تو اسٹامپ کے تین سو البم اُس کے کمرے میں رکھے تھے۔ ہر البم ایک ہزار صفحات کا تھا۔

"روبینہ، تم نے حلوہ کھایا؟"

"نہیں!"

"فریال تم نے؟"

"نہیں!"

"نسرین تم نے؟"

"نہیں!"

"نہیں!"

مسٹر بھائی نے اس کے بعد مُنّے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "تم بھی 'نہیں' کہہ دو، تو پھر ہم لوگ اطمینان سے ناشتے کا پروگرام شروع کر دیں، کیوں کہ اب کوئی شخص ایسا باقی نہیں بچا ہے جس سے پوچھا جا سکے۔"

مگر مُنّے خاموش رہے۔ اس پر مسٹر بھائی نے مُنّے ماسٹر کی پیٹھ تھپتھپاتے ہوئے آہستہ سے پوچھا — "بولتے کیوں نہیں؟"

مُنّے اس کے بعد بھی خاموش رہے۔ سب بچّے مُنّے کی طرف دیکھنے لگے۔

مسٹر بھائی نے کہا "ہاں ہاں! بولو مُنّے بولو نا!"

مگر مُنّے کی تو بولتی بند ہو چکی تھی، پھر انہوں نے کچھ کہنا بھی چاہا تو پہلے گھبرا کر ڈائننگ روم کے شیشے کی طرف دیکھا اور دوبارہ سختی سے منہ بند کر لیا۔

مسٹر بھائی نے پھر بہت پیار سے کہا

"شاباش! بتاؤ حلوہ کس نے کھایا؟"

"مُنّے نے کہا "نہیں بتائیں گے!"

"کیوں نہیں بتاؤ گے؟"

"اس لئے کہ بتائیں گے تو ہمارا منہ ٹیڑھا ہو جائے گا۔"

میں سمجھ چکا تھا کہ ماسٹر مُنّے گاجر کے حلوے کی پلیٹ صاف کر چکے ہیں، اس لئے میں نے معاملے کو رفع دفع کرنے کے لئے کہا "مسٹر بھائی مُنّے جو بھی بتائیں وہ سن لیا جائے، مگر یہ شرط ہے کہ انہیں کچھ نہ کہا جائے۔

مسٹر بھائی نے کہا "ہاں ہاں! کچھ نہیں کہیں گے مگر یہ، مُنّے کہہ کیا رہے ہیں کہ اگر بتاؤں گا تو منہ ٹیڑھا ہو جائے گا —؟"

"مُنّے نے پوچھا —" جھوٹ بولنے سے منہ نہیں ٹیڑھا ہو جاتا ہے؟"

مسٹر بھائی نے معاملے کی نزاکت سمجھتے ہوئے کہا —

"بالکل ٹیڑھا ہو جاتا ہے۔"

مُنّے نے کہا — "اور سچ بولنے سے؟"

مسٹر بھائی نے کہا "مونہہ بالکل سیدھا رہتا ہے۔"

مُنّے نے کہا "حلوہ میں نے کھایا تھا۔"

مسٹر بھائی نے کہا "خیر کوئی بات نہیں، جہاں اتنا حلوہ کھایا، اب تھوڑا ناشتہ بھی کر لیجئے۔" ■■

Taj Tahir Foundation

قہقہے

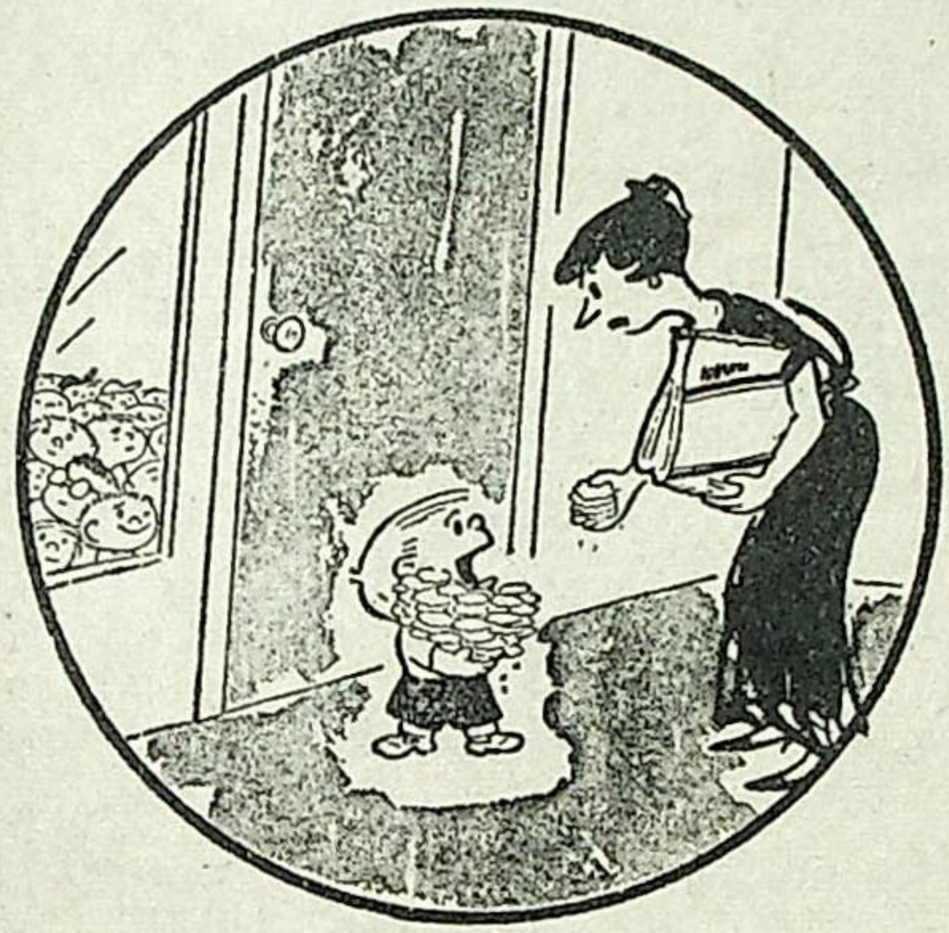

ایک امجد کے لئے، ایک رمیش کے، ایک شاہد کے لئے، ایک نسیم کے لئے، ایک راجندر کے لئے، ایک پرویز کے لئے، ایک....

آپ کا وزن ۱۲ کلو زیادہ ہے اس کے پیسے اور دیجئے۔

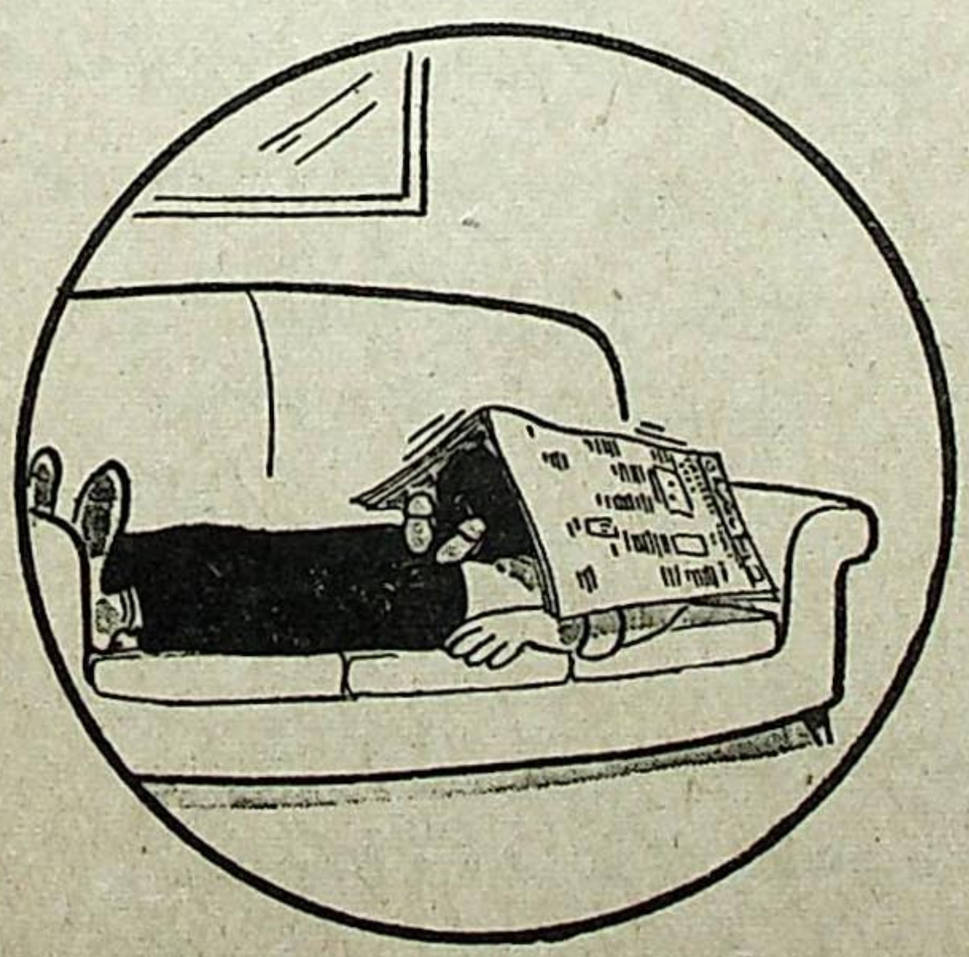

ڈیڈی اگر آپ جاگ رہے ہیں تو میرے سوال حل کر دیجئے۔

Taj Tahir Foundation

میری بلّی

حُسن لاکھوں ہیں میری بلّی میں
ایسی بلّی نہیں ہے دِلّی میں

چُپکے چُپکے یہ پاؤں دھرتی ہے
پیار سے میاؤں میاؤں کرتی ہے

تیز پنجہ ہے، رنگ ہے کالا
لوگ کہتے ہیں شیر کی خالا

نہ جھجکتی ہے یہ نہ ڈرتی ہے
گھر کے چوہوں کو صاف کرتی ہے

یہ خوشامد کے جانتی ہے گُر
بھُوک میں بولتی ہے خُر خُر خُر

ناز، کی ہر ادا دِکھاتی ہے
گود میں آکے بیٹھ جاتی ہے

ناز و غمزہ دکھاتی رہتی ہے
آنکھیں اپنی نچاتی رہتی ہے

رات کو آکے میرے بستر پر
سوتی ہے یہ لحاف کے اندر

گوشت دیتا ہے اس کو اَن داتا
گوشت کھا جا ہے اس کا مَن بھاتا

گیند پنجوں سے اپنے ٹھیلتی ہے
میرے منّے کے ساتھ کھیلتی ہے

گھولن گھر میں کبھی نہیں ٹھہرا
رات کو دیتی رہتی ہے پہرا

گھر میں ہر ایک کی یہ پیاری ہے
منّے کی ماں کی تو دُلاری ہے

شمیم کرہانی

Taj Tahir Foundation

کیا آپ یقین کریں گے

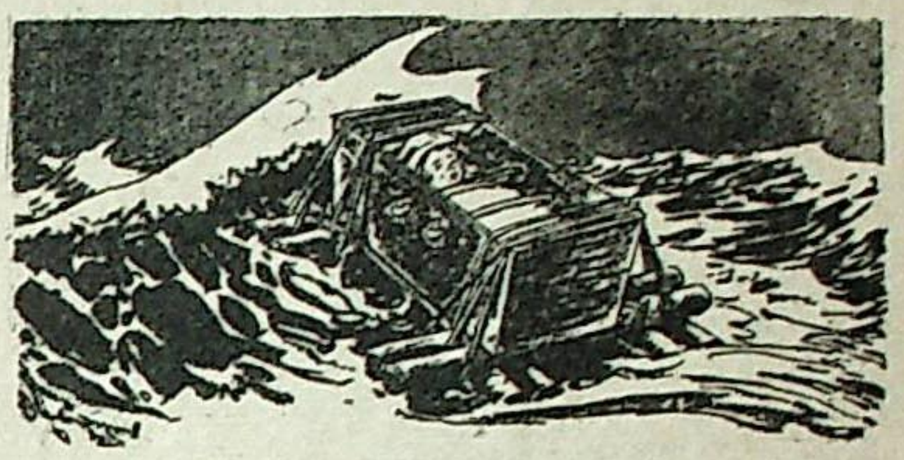

امریکہ کے پراونس ٹاؤن کے ساحل پر یہ بچہ ایک بکس میں بند سمندر کی لہروں پر تیرتا پایا گیا تھا۔ یہ وہ تنہا ننھا سا مسافر تھا جو ایک چار سو ٹن وزنی جہاز کے ڈوب جانے کے بعد بچا تھا۔ آج تک یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ یہ بچہ کس کا تھا اور اس کی قومیت کیا تھی۔

جنرل ناتھن بیڈفورڈ جو امریکی خانہ جنگی کا ہیرو سمجھا جاتا تھا کے بارے میں یہ مشہور تھا کہ اس کی سواری کے ۲۹ گھوڑے فائرنگ سے ہلاک ہوئے لیکن وہ زخمی تک نہیں ہوا۔

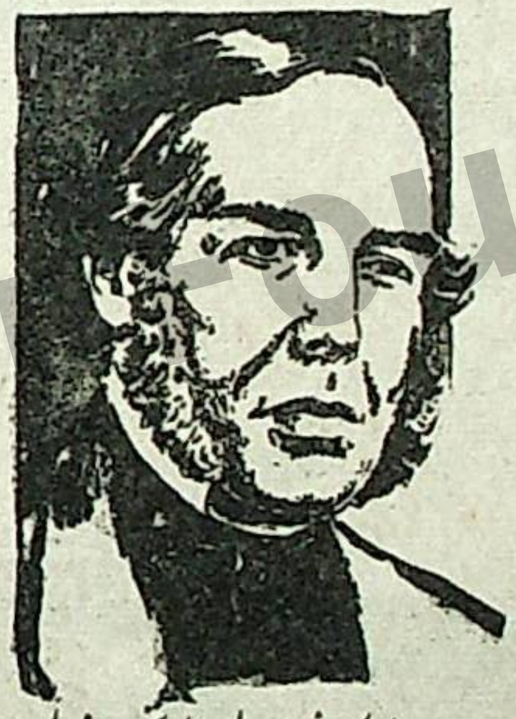

ویلز کا شاعر ولیم نارتھ دنیا کی سات زبانوں میں شاعری کرتا تھا۔

مسٹر جیری میلنے ایک سو ایک سال کی عمر میں اپنے رہنے کے لئے ایک نیا مکان بنایا اور مکان کے افتتاح کے موقع پر دعوت میں نو گھنٹے تک مسلسل رقص کرتا رہا

ترکی کا سلطان مراد سوئم گھوڑے پر بیٹھ کر چار فٹ لمبا بلم ۱۳۱۲ فٹ کی دوری تک پھینک سکتا تھا۔

فرانس کا قاصد جین باپ ٹسٹی ایک مرتبہ فرانس سے اسپین کے ایک گاؤں کی طرف ۱۸۴۶ میں گھوڑے پر روانہ ہوا اور اس نے ۸۷ گھنٹے میں ۶۸۲ میل کا فاصلہ طے کر لیا۔

فکر تونسوی

ننھے منّے بابا

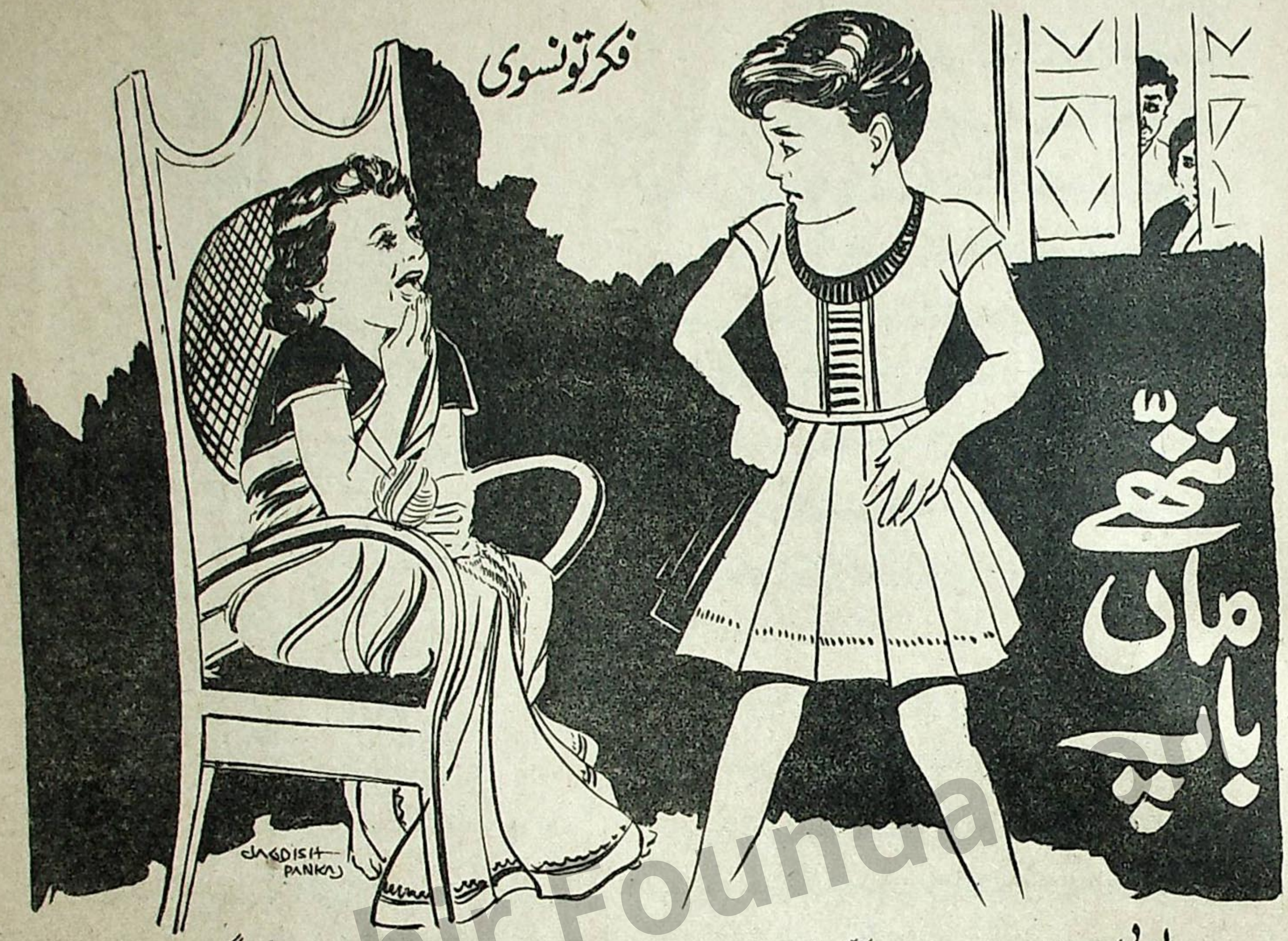

بوبی اور بابا —— میں ان دو بچّوں کا باپ ہوں، لیکن کل شام مجھے معلوم ہوا کہ میں اُن کا باپ نہیں ہوں، بیٹا ہوں اور میری بیوی اُن کی ماں نہیں، بیٹی ہے!

کل شام، معمول کے خلاف میں جلد گھر لوٹ آیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ میری بیٹھک کا کمرہ بند ہے اور اندر سے ننھے منّے قہقہے بلند ہو رہے ہیں۔ آواز بوبی اور بابا کی تھی، میں نے سوچا آخر یہ دونوں اندر کیا کر رہے ہیں؟ پہلے تو جی چاہا، زور زور سے دروازہ کھٹکھٹاؤں۔ لیکن پھر سوچا، نہیں، چوری چھپے دیکھنا چاہیے کہ یہ کس سازش میں مصروف ہیں۔

کمرے کی کھڑکی تھوڑی سی کھُلی تھی وہ شاید اسے پوری طرح بند کرنا بھول گئے تھے، کچّی پودتھے نا؟ میں نے چوروں کی طرح کھڑکی کی جِھری میں سے جھانک کر دیکھا۔ ایک عجیب منظر میرے سامنے تھا۔ عجیب بھی اور دل چسپ بھی ——

بابا، میرا لڑکا میرے پلنگ پر ٹانگیں لٹکائے بیٹھا تھا اس کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی، اس کے سامنے بوبی میری لڑکی کھڑی تھی۔ وہ آنکھوں پر میری عینک لگائے ہوئے میری ٹوپی اوڑھے کھڑی تھی۔ وہ سہمی اور دُبکی ہوئی کانپ رہی تھی۔ بابا اُسے ڈانٹتے ہوئے کہہ رہا تھا "ڈیڈی! میں پوچھتا ہوں کہ تمہیں کب عقل آئے گی۔ اگر تمہارے یہی لچھّن رہے تو گھر کا ستیاناس ہو جائے گا۔"

بوبی نے لرزتے ہونٹوں کے ساتھ کہا "بابا! میں نے کیا قصور کیا؟"

بابا بولا "ہوں، جیسے تمہیں معلوم ہی نہیں۔ اب تم دو بچّوں کے باپ ہو، دودھ پیتے بچّے نہیں ہو۔ تمہیں کئی بار کہا ہے کہ سگریٹ نہ پیا کرو۔ رات بھر تمہیں کھانسی آتی رہتی ہے۔ اپنی نیند بھی حرام کر دیتے ہو اور سارے گھر کو سونے نہیں دیتے۔ لیکن تم کسی کا کہنا ہی نہیں مانتے۔"

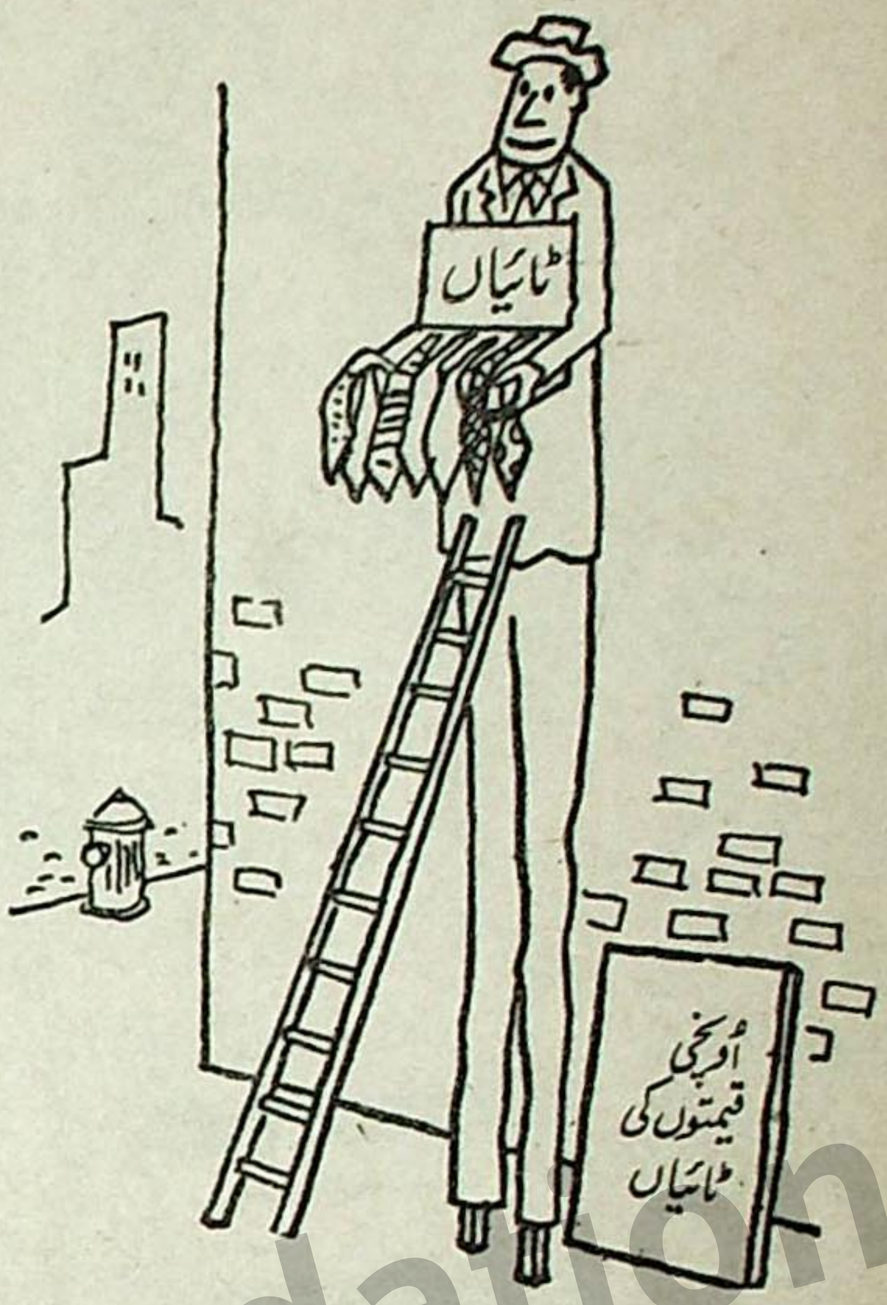

بوبی نے کہا "کیا کروں بٹیا؟ چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی،
لیکن تمہیں بڑوں کے معاملے میں دخل نہیں دینا چاہیئے۔"

بابا بولا "ڈیڈی! دوسروں کو نصیحت کرنے سے پہلے آپ اپنی عادتیں ٹھیک کریں تو بہتر رہے گا۔ آپ بے حد کاہل ہوگئے ہیں کل آپ کی ماچس پلنگ پر سے نیچے جاگری تو آپ نے جھٹ آواز دی "بوبی! ذرا اِدھر آکر ماچس تو اُٹھا دینا۔ میں کہتا ہوں ڈیڈی! خدا نے آپ کو ہاتھ پاؤں دیئے ہیں۔ کیا ہاتھ بڑھا کر آپ ماچس نہیں اُٹھا سکتے تھے؟"

"اُٹھا سکتا تھا۔ مگر بچّوں کا فرض ہے بٹیا! کہ باپ کی خدمت کریں۔"

لیکن ڈیڈی کا بھی فرض ہے کہ وہ بچّوں کو فلم دکھانے کے لئے ساتھ لے جائے۔ مگر آپ خود تو دوستوں کے ساتھ فلم دیکھ آتے ہیں اور گھر آکر کہتے ہیں کہ آج دفتر میں اوور ٹائم پر کام کرنا پڑا جس سے دیر ہوگئی، میں پوچھتا ہوں اگر آپ جھوٹ بولیں گے تو ہم بھی بولیں گے۔"

بوبی کا یہ لب و لہجہ دیکھ کر ایک دم بابا کی ہنسی چھوٹ پڑی اور وہ پلنگ پر بیٹھے بیٹھے ہنستے ہنستے لوٹن کبوتر ہوگیا۔ کھڑکی کے باہر کھڑا میں بھی مسکرا اُٹھا، اگرچہ میں نے سوچا کہ مجھے مسکرانے کی بجائے شرمندہ ہونا چاہیئے۔ لیکن بچّوں کی یہ ایکٹنگ دیکھ کر مجھے نہ غصّہ آیا نہ ندامت ہوئی، بلکہ اُن دونوں پر پیار آگیا۔ بے اختیار جی چاہا کہ کمرے کا دروازہ کھلوا لوں اور ان دونوں کو اُٹھا کر سینے سے لگا لوں۔

میں کھڑکی سے ہٹ آیا اور دروازے کی طرف بڑھا، اتنے میں کسی نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ گھوم کر دیکھا تو میری بیوی کھڑی تھی جو بازار سے سودا سلف لے کر آئی تھی۔ بولی "یہاں کیا کر رہے ہیں آپ؟"

میں نے اس کے ہونٹوں پر اُنگلی رکھ کر کہا "شی شی چُپ ہو جاؤ، آؤ، تمہیں ایک تماشہ دکھاؤں۔" یہ کہہ کر میں اُسے

بوبی نے عینک اُتار کر رومال سے صاف کی، ایک سگریٹ نکال کر منہ میں دبایا اور پھر کھانس کر بولی "میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا، صرف کبھی کبھار تمہاری ممّی کے سامنے جھوٹ ضرور بولتا ہوں"

"غلط ــــ! آپ صرف ممّی سے نہیں ہم سے بھی جھوٹے وعدے کرتے ہیں۔ مثلاً آپ نے ہمیں سرکس دکھانے کا وعدہ کیا تھا جو آج تک پورا نہیں ہوا، کبھی کہتے ہیں، سرکس میں جو سب سے اچھا ہاتھی تھا وہ بیمار ہوگیا ہے۔ کبھی کہتے ہیں "آج محلّے میں ضروری میٹنگ ہے۔ کبھی فری پاس لانے کا وعدہ کرتے ہیں اور کبھی کہتے ہیں جیب میں پیسے نہیں ہیں۔ بھلا بتایئے، یہ کوئی شرافت ہے؟ اچھے ڈیڈی کبھی ایسا نہیں کرتے۔"

اب جیسے بوبی یعنی ڈیڈی کو ایک دم غصّہ آگیا اور وہ بولی "اچھا اچھا زیادہ باتیں نہ بناؤ، اور بھاگ جاؤ یہاں سے اور پھر اونچی آواز میں کہنے لگی "میں نے کہا بابا کی ممّی! ذرا اِدھر دیکھنا اپنے لاڈلے بیٹے کو۔ تم نے ہی اسے سر پر چڑھا رکھا ہے۔ دیکھ لینا یہ چھوکرا بڑا ہو کر بھیک مانگے گا بھیک!"

کھڑکی کے قریب لے گیا۔

لیکن اب اندر کا نظارہ بالکل بدل چکا تھا۔ بوبی نے میری عینک اور ٹوپی اتار دی تھی۔ اور وہ اب ڈیڈی نہیں رہی تھی بلکہ ممی بن گئی تھی۔ اس نے ممّی کی ساڑھی پہن رکھی تھی اور ایک کرسی پر سلائیاں ہاتھ میں لئے سوئیٹر بُن رہی تھی، بابا نے بوبی کا اسکرٹ پہن لیا تھا اور ممی یعنی بوبی سے کہہ رہا تھا، بلکہ کہہ رہی تھی " دیکھو ممّی! بھئی ہمیں یہ بات اچھی نہیں لگتی کہ پہلے تو چیخ چیخ کر آسمان سر پر اُٹھا لیتی ہو اور جب سر میں درد شروع ہو جاتا ہے تو سر درد کی ٹکیاں منگوا کر کھاتی ہو، اگر تم ہم بچّوں کو ذرا آرام سے ڈانٹا کرو تو تمہارے سر میں کبھی درد نہ ہو "

بوبی یعنی ممّی نے سوئیٹر ایک طرف پٹخ دیا اور بولی "آرام سے، تم آرام سے کوئی بات سنتی بھی ہو، آخر محلّے بھر میں دوسروں کے بچّے بھی تو ہیں۔ آنکھ کے ایک اشارے پر کام کرتے ہیں۔ یہ سب تمہارے ڈیڈی کا قصور ہے، اُنہوں نے تمہارا دماغ بگاڑ رکھا ہے۔"

بابا نے کہا " دیکھو ممّی! یہ تمہاری پُرانی عادت ہے۔ اپنا قصور ڈیڈی پر تھوپ دیتی ہو۔ ہائے سر تاج پر ایسا الزام لگانا اچھی بیویوں کا کام نہیں ہوتا۔ تم شاپنگ کے بہانے اپنی سہیلیوں سے ملنے چلی جاتی ہو، نہ کام نہ کاج۔ ذرا یہ گھر کی حالت تو دیکھو کباڑ خانہ بنا ہوا ہے۔ اگر کوئی ڈیڈی کا دوست بھی آجائے تو وہ کیا کہے گا؟"

بوبی تڑپ کر بولی" تو تم خود اُٹھ کر گھر کی صفائی کر لو تمہارے ہاتھ پاؤں تو نہیں ٹوٹے ہوئے "

بابا کہنے لگا " شانتی، شانتی، شانتی! ذرا دھیرج سے سوچو ممّی! کہ میرے امتحان سر پر ہیں، گھر کا کام کاج کروں تو میری پڑھائی میں حرج ہوگا۔ مصیبت یہ ہے کہ تمہیں اپنے بچّوں کے مستقبل کا تو خیال ہی نہیں۔ کل جب تم اپنی پڑوسن سے ایک اور پڑوسن کے گلے شکوے میں مگن تھیں تو بلّی موقع پاکر دودھ پی گئی۔ ذرا سوچو! نقصان کس کا ہوا! اس لئے بہتر یہ ہے کہ کام کے وقت کام کرو۔ سہیلیوں سے گپ شپ کسی فرصت کے وقت کیا کرو۔ دیکھو ممّی! میرا کام تو سمجھانا ہے۔ سمجھو نہ سمجھو تمہاری مرضی "

اس پر بوبی نے بے چینی سے کرسی میں پہلو بدلا اور بولی " ہائے! کیا کل جُگ آیا ہے، دو انچ کی چھوکری ایک گز کی زبان" میں نے کہا بوبی کے ڈیڈی! سُنا تم نے۔ تمہاری یہ لاڈلی کیا کہہ رہی ہے۔

اور اس سے پہلے کہ بوبی اور بابا کی ہنسی چھوٹے میں اور میری بیوی کھلکھلا کر زور سے ہنس پڑے۔ ہماری ہنسی کی آواز کمرے کے اندر گئی تو بوبی اور بابا دونوں ہڑبڑا گئے۔ جلدی جلدی بوبی نے ساڑھی اور بابا نے اسکرٹ اُتارنا شروع کیا۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر کھڑکی کا پورا پٹ کھول دیا اور تالی بجا کر کہا "ہپ ہپ ہرّے! اے ہمارے ممّی ڈیڈی! ذرا دروازہ کھول دیجئے ہم آپ کے لئے پھل اور ٹافیاں لائے ہیں!"

■■

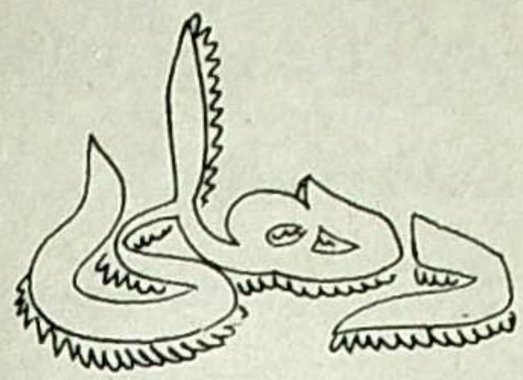

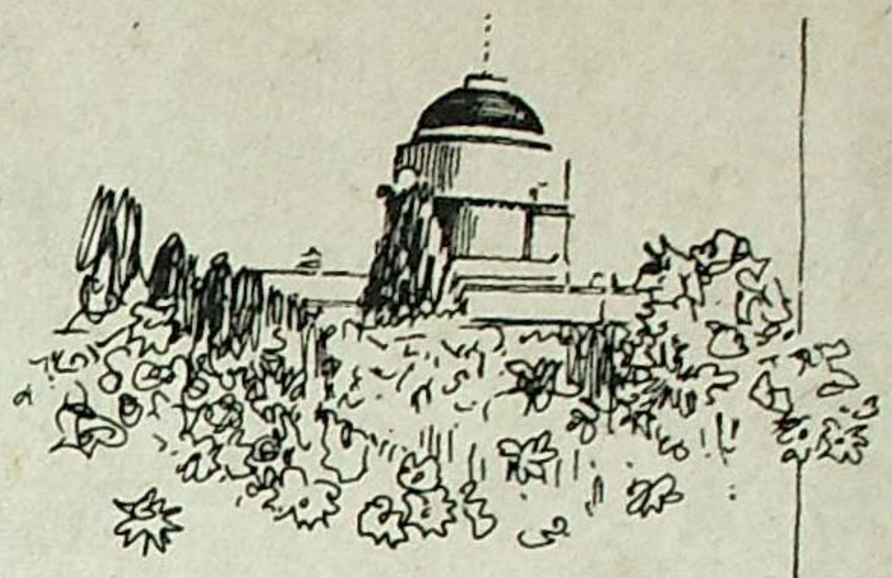

آؤ بچّو سیر کرائیں
بھارت کا دِل تم کو دِکھائیں

بھارت کا دِل کیا ہے بولو
دُنیا دیکھو، آنکھیں کھولو

ہر لب پر ہے جس کا فسانا
دہلی ہے وہ شہر پُرانا

شہر، کہ جس میں میرؔ نے گائے
رنج و خوشی کے دلکش نغمے

شہر کہ جس میں غالبؔ نے بھی
چھیڑیں شیریں غزلیں اپنی

شہر، کہ جس میں شاہِ ظفرؔ نے
غزلیں لکھّیں، لکھّے نوحے

دہلی جو ہے شہر پُرانا
بچّو! وہ ہے دِل بھارت کا

وہ سنبھلا تو ہم بھی سنبھلے
وہ بگڑا تو ہم بھی بگڑے

شہر نہیں تہذیب ہے دہلی
شانِ وطن ہے اس سے باقی

آؤ اس کا رُوپ دِکھائیں
بچّو! تم کو سیر کرائیں

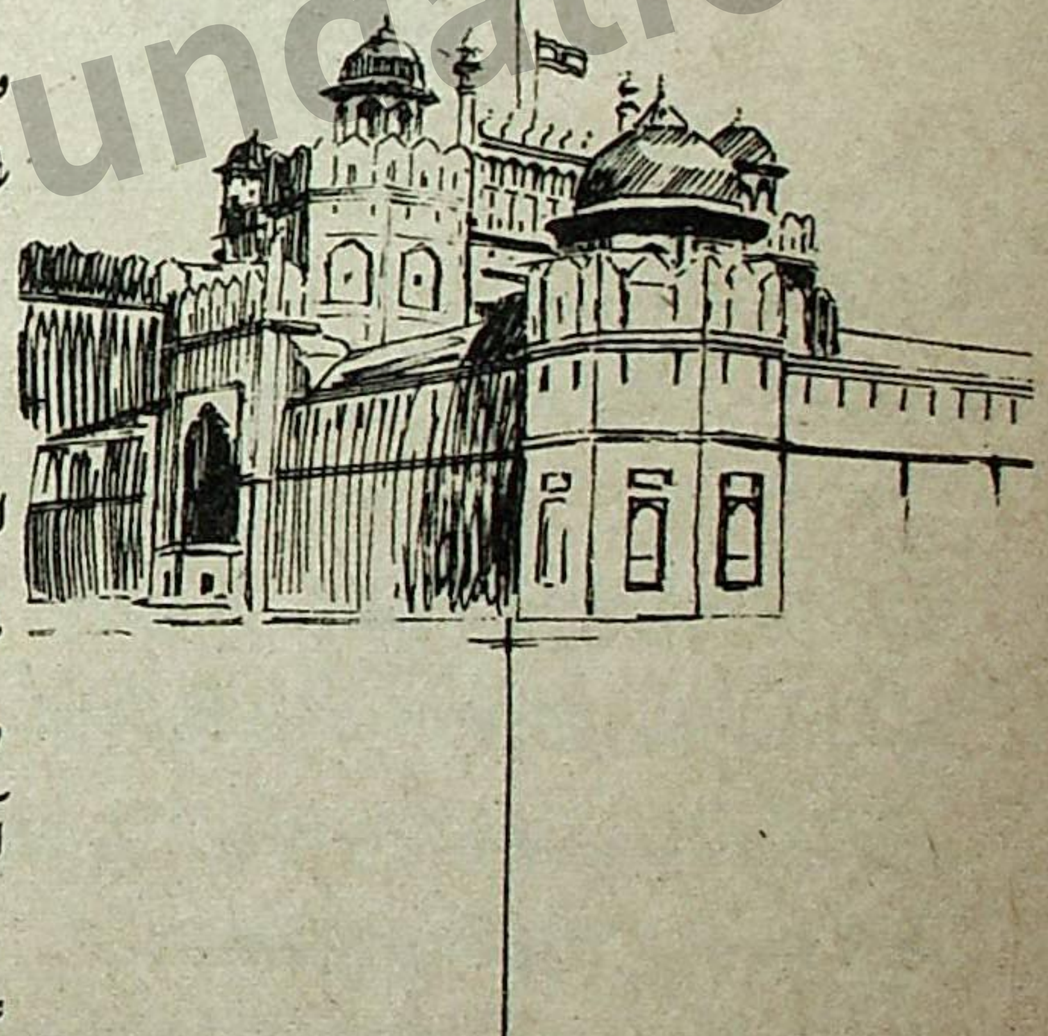

لال قلعہ ہے سامنے دیکھو
مغلوں کی تاریخ کو سمجھو

ماضی کی تصویر ہے اِس میں
خوابوں کی تعبیر ہے اِس میں

وقت کا اک آئینہ سمجھو
شام و سحر کا رُوپ بھی دیکھو

اکبرؔ کی تلوار یہاں ہے
نُورجہاںؔ کا ہار یہاں ہے

عالمگیرؔ کی مسجد دیکھو
فن کا نمونہ اس کو جانو

دُنیا میں اِک جنّت ہے یہ
اپنے وطن کی دولت ہے یہ

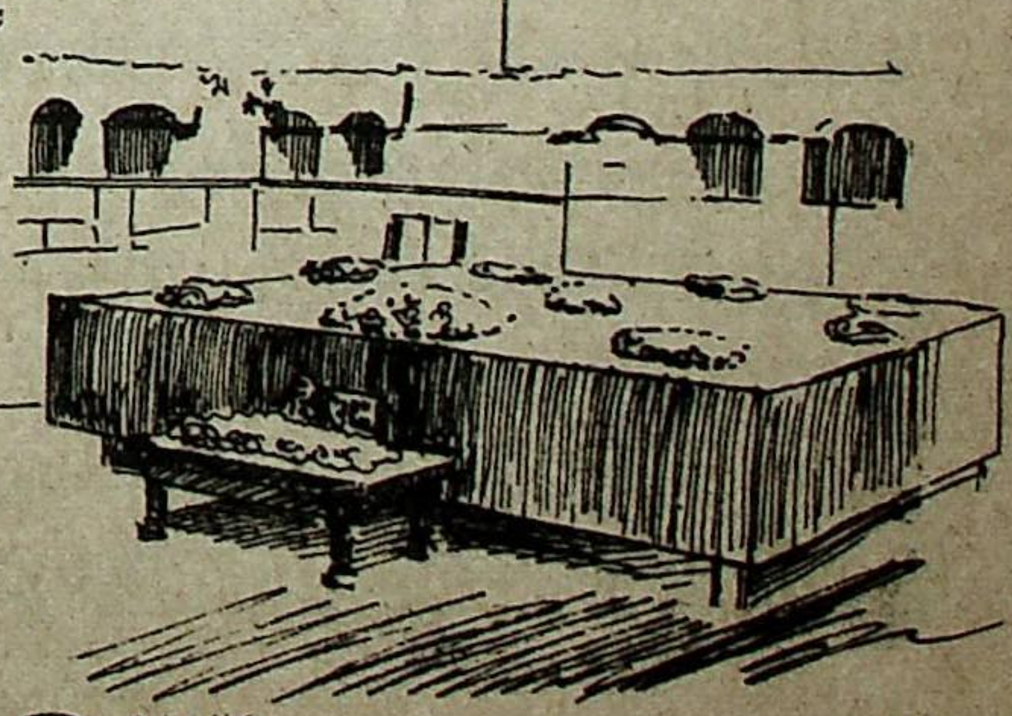

Taj Tahir Foundation

علقمہ شبلی

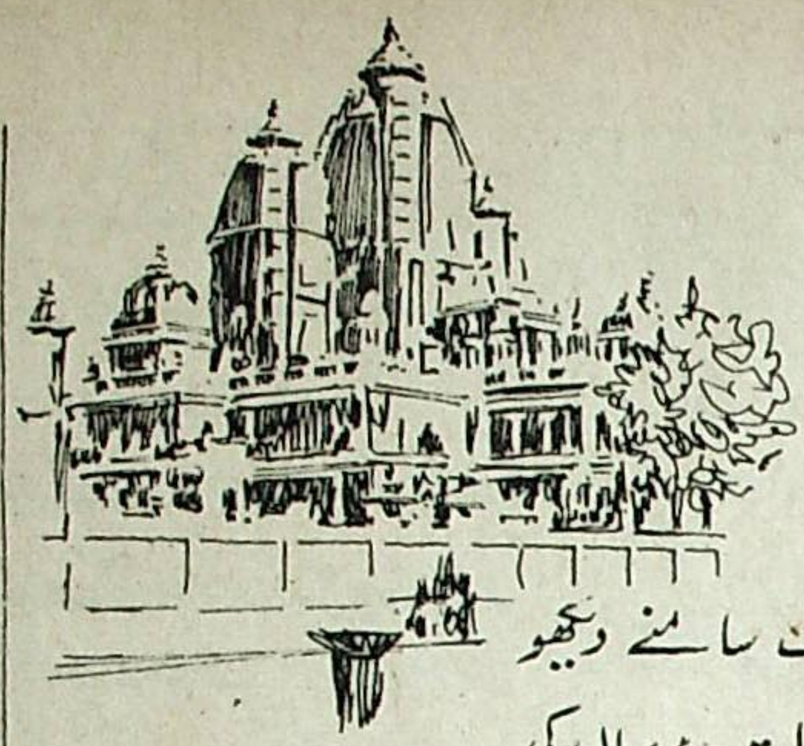

لال قلعہ سے باہر آؤ
ہے یہ نِشانی شاہ جہاں کی
آؤ چلیں اب بِرلا مندر
یہ ہے دیکھو جنتر منتر
چاہو تم تو وقت بتائے
صدر کا ایوان ہے یہ دیکھو
"باغِ مغل" ہے اس کے اندر
یہ ہے سمادھی گاندھی جی کی
روحِ چمن خاموش یہاں ہے
بچّو! چلیں اب مہرولی بھی
اس کے چاروں اُور کھنڈر ہیں
امبر اس سے اپنی زمیں ہے
مانا دہلی دیکھ لی تم نے
مِل لو "کِھلونا" سے بھی چل کر
بھائی جو الیاس ہیں اپنے
یوں تو چیزیں اور ہیں، لیکن

مسجد ہے اِک سامنے دیکھو
دِل کا سکوں دولت ہے یہاں کی
بستی دیکھیں پریم کی جا کر
دیکھ کے اس کو عقل ہے ششدر
گرہن کا بھی رُوپ دکھائے
ایک گلستاں ہے یہ دیکھو
اپنا گزر ہے اس سے باہر
دُور نہیں ہے شانتی وِن بھی
خاکِ وطن گُل پوش یہاں ہے
دیکھ آئیں ہم لاٹ قطب کی
پہلے وقتوں کے یہ نگر ہیں
ہم کو بھی کم فخر نہیں ہے
سیر بھی کر لی کافی تم نے
سامنے ہے وہ اِس کا دفتر
کر لو تم سب درشن اُن کے
دیکھنا ان کا کب ہے ممکن

بچّو! تم تو تھک بھی گئے ہو
وقت بھی کم ہے اب گھر لَوٹو

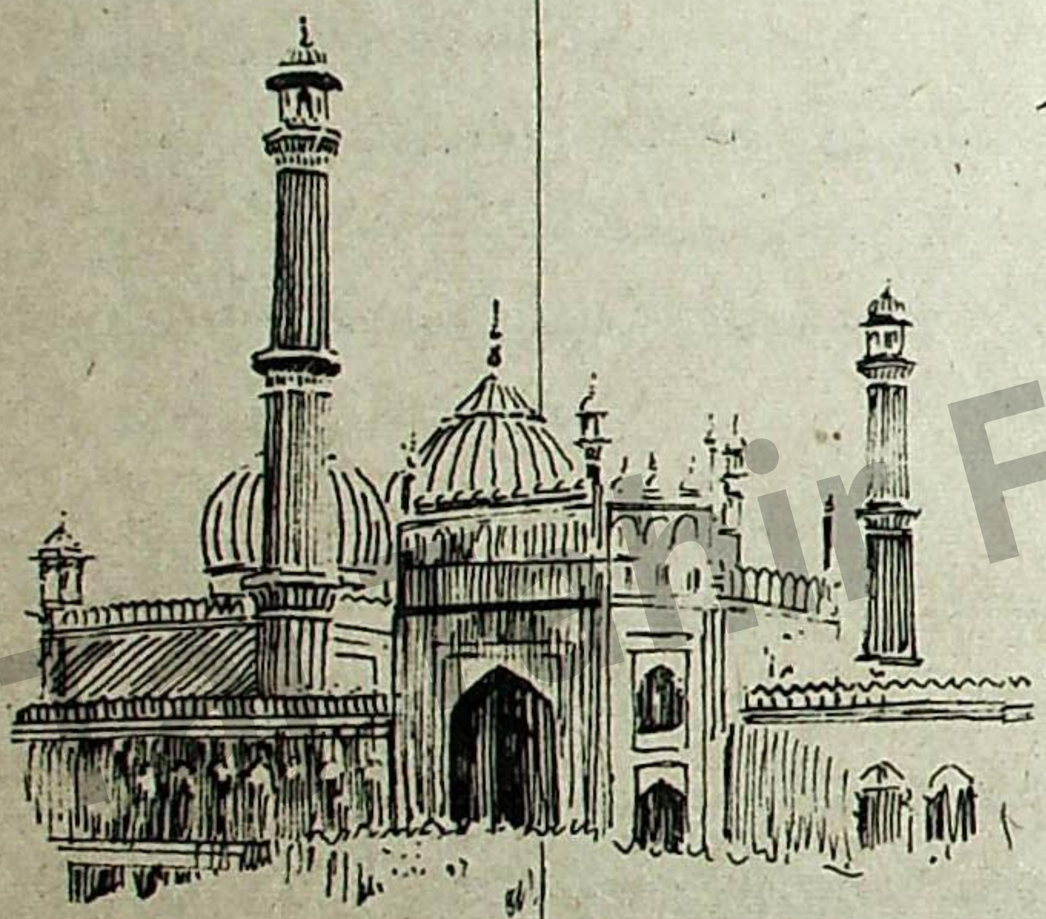

Rekhta Foundation

پُرسکون گھریلو زندگی

ہم اور آپ اپنے گھر میں کس طرح خوش و خرم رہ کر زندگی گزار سکتے ہیں۔ یہ جاننے کے لئے اس کتاب کو ضرور پڑھئے۔ قیمت : ایک روپیہ ۲۵ پیسے

پنچائتی راج

پنچائتی راج کیا ہے؟ اور اس کا قیام عوام کے لئے کس قدر ضروری اور کتنا فائدہ مند ہے۔ یہ معلوم کرنے کے لئے یہ کتاب ضرور پڑھئے۔ قیمت ۲۵ پیسے

مچھلیاں

مچھلیاں کتنے قسم کی ہوتی ہیں۔ ان کی کیا بناوٹ ہوتی ہے۔ یہ کس زمانے میں اور کہاں کہاں پائی جاتی ہیں، اور کیا کھاتی پیتی ہیں۔ قیمت ۷۵ پیسے

سائیکل کی کہانی

آج کل سب سے زیادہ مقبول سواریوں میں سائیکل کا شمار ہوتا ہے مگر یہ کب اور کس طرح ایجاد ہوئی سائیکل کی کہانی پڑھ کر معلوم ہو جائے گا۔ قیمت : ۵۰ پیسے

احباب قاعدہ

(اول و دوئم) پروفیسر سید احتشام حسین نے یہ قاعدہ اس لئے مرتب کیا ہے کہ اس کی مدد سے ہندی پڑھے ہوئے آسانی سے اردو پڑھ لیں گے اور اردو پڑھے ہوئے آسانی سے ہندی سیکھ لیں گے۔ دونوں حصوں کی قیمت ۹۰ پیسے

زمین کی کہانی

جس زمین پر ہم اور آپ رہتے ہیں۔ اس کے متعلق اگر کچھ معلوم کرنا چاہتے ہیں تو زمین کی کہانی ضرور پڑھئے۔ ۷۵ پیسے

سورج اور اس کا گھرانا

جس طرح ہمارا اور آپ کا ایک گھرانا اور خاندان ہے۔ کیا اسی طرح سورج کا بھی کوئی خاندان ہے؟ اگر یہ بات معلوم کرنا ہو تو سورج اور اس کا گھرانا پڑھئے ۷۵ پیسے

کچھ نئی ایجادیں

اِس چھوٹی سی کتاب میں ٹیلی ویژن، راڈر ٹیلی فون اور ٹیلی پرنٹر کے متعلق بہت سی مفید اور معلوماتی باتیں جمع کر دی گئی ہیں۔ قیمت : ۷۵ پیسے

بابر ہندوستان میں

پہلا مشہور مغل بادشاہ بابر ہندوستان کی عظیم سلطنت کا شہنشاہ کیسے بنا اس نے اس نے کیا مصیبتیں اُٹھائیں، اور بعد میں کس طرح اپنی حکومت کے دوران اس نے انتظام کیا، یہ جاننے کے لئے قاسم صدیقی کا لکھا ہوا بابر نامہ ضرور پڑھیں۔ قیمت ؛ ۷۵ پیسے

بھارت کی کہانی

یہ بھارت کی کہانی کسی پریوں کے دیس کی نہیں بلکہ یہ مہاتما گاندھی اور چاچا نہرو کے عظیم دیس کی کہانی ہے جسے خود بھارت کی ترقیوں نے اپنی زبان سے بیان کیا ہے۔ قیمت : ۷۵ پیسے

موسم کی کہانی

ہندوستان میں کتنے موسم ہوتے ہیں، اس پر قاسم صدیقی صاحب نے ڈرامے کے دلچسپ انداز میں موسموں کا حال بیان کیا ہے۔ قیمت ۵۰ پیسے

تاریخی کارنامے

اس کتاب میں تاریخ میں گزرے ہوئے مشہور بادشاہوں کے کارنامے بہت دل چسپ طریقے سے بیان کئے گئے ہیں جس کو ختم کئے بغیر چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا۔ کامل چار حصّوں میں۔ چاروں کی قیمت : تین روپے

لِسانیات اور اُردو

اُردو زبان کے رسم خط کے بارے میں طالب علموں کے لئے مفید اور معلوماتی کتاب۔ ایک روپیہ

جدید ایرانی ادب

فارسی ادب کے طلبار کے لئے ایک نہایت ضروری اور اہم کتاب۔ قیمت ۷۵ پیسے

معلومات کی پہلی کتاب

عام معلومات اور تمباکو، چائے، کافی اور قہوہ کے متعلق اس کتاب میں مصنف نے بڑی دلچسپ باتیں بتائی ہیں جس سے اِن چیزوں کا نفع اور نقصان معلوم ہوتا ہے۔ ۵۰ پیسے

معلومات کی دُوسری کتاب

اس کتاب میں مصنف نے فضا، آسمان، کہکشاں، چاند اور سورج وغیرہ کے متعلق بہت سی ضروری معلومات ایک جا کر دی ہیں جو طالب علموں کے لئے بہت ضروری ہیں۔ ۷۵ پیسے

شکاری پرندے

کون کون سے پرندے شکاری ہوتے ہیں۔ ان کی عادتیں، ان کا رہن سہن۔ غرضکہ ان شکاری پرندوں کے متعلق تمام ضروری باتیں اس کتاب میں درج ہیں۔ قیمت ۷۵ پیسے

قدیم دنیا کے سات عجائبات

آج سے بہت پہلے دنیا کے جو سات عجائبات مشہور تھے وہ کہاں تھے اور کس نے انہیں بنوایا تھا۔ ساتوں عجائبات کی تصویریں بھی اس کتاب میں ہیں۔ قیمت : ۶۰ پیسے

بیت بازی

بیت بازی طالب علموں کا ایک اعلیٰ اور معیاری کھیل ہے بہترین شعر یاد کرنے کے لئے بیت بازی ضرور پڑھئے۔ ۵۰ پیسے

کھلونا بک ڈپو آصف علی روڈ نئی دہلی

سال نامہ کھلونا نئی دہلی ۱۳۰

ترقّی کے زینے

م۔م۔ راجندر

یوں تو محلّہ شیخاں میں اچھے بُرے دونوں ہی طرح کے لڑکے تھے، لیکن اپنے اپنے میدان میں رشید اور مجید کا جواب نہیں تھا۔ رشید ہونہار، فرماں بردار، محنتی اور شریف تھا، اور مجید آوارہ، نافرمان، ضدّی اور بدتمیز۔ اِنہیں خوبیوں اور بُرائیوں کی چھاپ ان کی شکلوں پر بھی تھی۔ رشید ہر وقت صاف ستھرا رہتا، قاعدے سے بال بناتا اور نظر جُھکا کر اَدب سے چلتا۔ چہرے پر بھولپن، بات کرتا تو مونہہ سے پھول جھڑتے — کھیل اور پڑھائی دونوں میں ہوشیار۔ سارے محلّے والے تعریف کرتے اور دُعائیں دیتے۔ مجید ہر وقت اُلٹے سیدھے کپڑے پہنے رہتا اور ہفتوں غسل نہ کرتا بال کثیف اور اُلجھے ہوئے۔ اکڑ کر اور سینہ نکال کر

Taj Tahir Foundation

چلتا اور اپنے آپ کو تیس مار خاں سمجھتا — بڑوں کا ادب، نہ چھوٹوں سے پیار۔ ہر کسی سے تکرار اور لڑائی جھگڑا۔ منٹوں میں گالی گفتار پر اُتر آتا۔ بڑے بھی اسے نصیحت کرتے ہوئے گھبراتے تھے کیوں کہ انہیں بھی وہ اُلٹے سیدھے جواب دے دیتا تھا۔ بڑھائی میں صفر تھا۔ اگرچہ عمر میں رشید کے برابر تھا مگر ابھی تک صرف ساتویں جماعت میں تھا جب کہ رشید نویں کلاس میں پڑھتا تھا۔

ویسے تو مجید ہر اچھے لڑکے کا دشمن تھا اور اسے تنگ کرنے اور چھیڑنے سے باز نہیں آتا تھا مگر ایک روز جب رشید کے دادا جان نے مجید کو پُلیا پر رات کو اکیلے بیٹھا دیکھ کر یہ کہہ دیا کہ میاں رات کو اچھے بچے پُلیا پر اکیلے نہیں بیٹھتے تو وہ رشید کے زیادہ خلاف ہو گیا اور اگلے روز اپنے دوستوں نورا اور احمد سے جو اُسی کی طرح نکمے اور آوارہ تھے کہنے لگا "یار مجھے موقع مل گیا تو اِس رشید کے دو چار کرارے ہاتھ لگا دوں گا۔ یہ لفنگے بڑے اشراف بنتے ہیں۔ کل اِس کا دادا مجھ سے کہنے لگا کہ میاں امتحانوں کے دنوں میں پُلیا پر نہ بیٹھا کرو۔ میں نے بھی سُنا دی کہ پُلیا کمیٹی کی ہے۔ جب تک جی چاہے گا بیٹھوں گا۔ نورا یہ رشید پڑھائی میں کیا ہوشیار ہے اپنے آپ کو بہت کچھ سمجھتا ہے۔"

"ابے تُو تو پاگل ہے جو ان کی باتیں سنتا ہے۔" نورا بولا "ایک روز اسکول سے آتے ہوئے میدان میں روک کر ایک دو لگا دے اور اگر تُو ڈرتا ہے تو میں مرمّت کر دوں۔"

ابھی اور باتیں ہوتیں کہ سامنے سے مجید کے والد آتے ہوئے دکھائی دے گئے اور مجید نے سر کھجانا شروع کر دیا۔ نورا اور احمد کھسک لئے۔

سالانہ امتحان کا نتیجہ نکلا۔ رشید جماعت میں اوّل آیا اور دسویں میں چڑھ گیا۔ مجید امتحان میں نقل مارنے کے باوجود ساتویں میں ہی رہ گیا۔ اُس کا دوست نورا بھی فیل ہو گیا۔ نتیجہ صبح ہی نکل گیا تھا اور آناً فاناً محلّے میں سب کو پتہ لگ گیا تھا۔ سب رشید کو مبارک باد دے رہے تھے۔ کوئی بارہ بجے دوپہر کو مجید اکیلا محلّے میں داخل ہوا۔ دراصل صبح وہ ابھی اسکول پہنچا بھی نہیں تھا کہ راستے میں ہی اسے نتیجے کا پتہ لگ گیا تھا اور جب سے وہ بے مقصد نورا کے ساتھ بازاروں اور سڑکوں پر پھرتا رہا تھا۔ اس وقت اس کے چہرے پر ایک عجیب وحشت سی چھائی ہوئی تھی۔ خشک، میلے اور بکھرے ہوئے بال پیشانی اور آنکھوں پر پڑے ہوئے تھے۔ کسی کو اُس سے بات کرنے کی ہمّت نہ ہوئی۔ وہ نظر جھکا کر تیزی سے آ رہا تھا۔ اچانک اس کے سامنے رشید آ گیا جو ابھی اپنی خالہ سے شاباشی اور مبارک باد لے کر باہر نکلا تھا۔ وہ مجید کو دیکھ کر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ مجید نے آؤ دیکھا نہ تاؤ آگے بڑھ کر زور سے رشید کے ایک طمانچہ جما دیا۔ رشید ہکّا بکّا رہ گیا۔ مجید نے اُلٹی سیدھی سنانی شروع کر دیں، مگر ایک دو آدمیوں نے اُسے علیحدہ کر دیا۔

فیل ہو کر مجید زیادہ خراب ہو گیا تھا۔ وہ دن بھر اِدھر اُدھر آوارہ پھرتا اور کسی کے قابو میں نہ آتا۔ گھر میں اِس نے یہ دھمکی دے رکھی تھی کہ اگر اِسے زیادہ تنگ کیا گیا تو وہ گھر سے بھاگ جائے گا۔ چوں کہ مجید اپنے باپ کا اکلوتا لڑکا تھا، اس لئے، مجید کی دادی اور والدہ نے کبھی مجید کے ابّا کو مجید پر سختی نہیں کرنے دی۔ مجید کے ابّا بے چارے فرشتہ سیرت، نیک خصلت آدمی تھے۔ سب کو دُکھ تھا کہ اتنے شریف والدین کا بیٹا اتنا خراب تھا۔ مگر یہ سب نتیجہ تھا حد سے زیادہ لاڈ پیار کا اور بُری صحبت کا۔

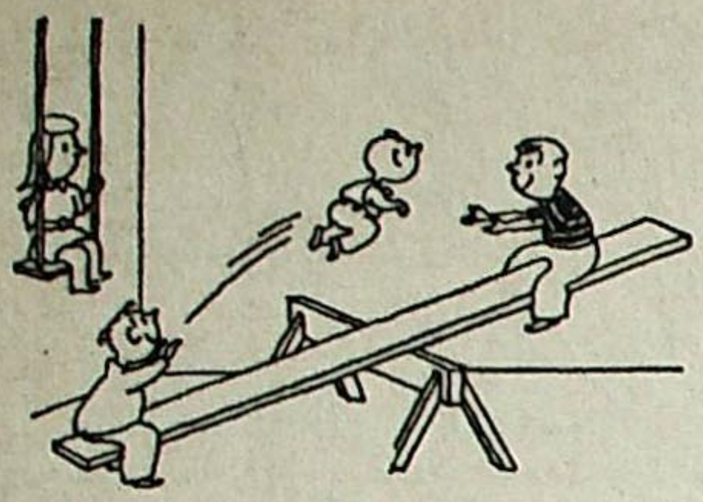

نرالا کھیل

ایک روز صبح سے ہی موسم بڑا خراب تھا۔ رات بھر بارش ہوتی رہی تھی۔ بارش تو تھم سی گئی تھی۔ مگر غضب کی ٹھنڈ اور کہرا تھا۔ اِس روز چھٹّی نہیں تھی، اس لئے کام پر جانے والے کام پر اور بچّے اسکول گئے۔ مگر مجید نے اس روز چھٹّی کر لی۔ وہ پُلیا پر کھڑا ہو گیا اور آنے جانے والوں کو تکنے لگا۔ ایک دو خوانچے والے گزرے تو انہیں بلا لیا اور جب وہ سودا تول چکے تو کہنے لگا کہ اُدھار دینا ہے تو دے جاؤ ورنہ رفو چکّر ہو جاؤ۔ ایک مونگ پھلی والے کی ہوشیاری سے دو چار مونگ پھلیاں ہی اُڑا لیں۔ ایک بھنیں آ گئی تو ڈنڈا اٹھا کر اِس کے پیچھے پڑ گیا اور اسے بے دردی سے ڈنڈے مار مار کر بھگا دیا جتنے کتّے گزرے، ان کے ایک ایک پتّھر مارا اور وہ بلبلاتے ہوئے بھاگ گئے۔ نواب کی مُرغی اِدھر نکل آئی تو اُسے پکڑ کر نالی میں پھینک دیا۔ اس قسم کی شرارتوں کے بعد وہ کوئی گیارہ بجے روٹی کھا کر محلّے سے باہر نکل گیا۔

سہ پہر کو پھر بارش ہوئی اور لگاتار دو تین گھنٹے ہوتی رہی۔ موسم بہت زیادہ خراب ہو گیا۔ سرِ شام ہی کافی اندھیرا ہو گیا۔ اِدھر اُدھر سڑک پر اور گلی میں گڑھے تھے جو پہلی نظر میں دکھائی نہیں دیتے تھے۔ ایسے میں محلّے سے دُور مجید اور نورا، نورا کی گلی میں دیوار سے لگے ہوئے ایک مدّھم سے بجلی کے بلب کی روشنی میں کھڑے تھے۔ اس وقت ان کی شرارت کا تختۂ مشق ایک اندھا تھا جو اِس گلی سے باہر نکلنا چاہتا تھا اور یہ دونوں اسے بھٹکا کر اس کی ہنسی اُڑا رہے تھے۔ کبھی وہ اس سے کہہ دیتے کہ میاں بائیں طرف مڑ جاؤ، کبھی کہہ دیتے کہ دائیں طرف مُڑ جاؤ اور وہ بے چارہ ہر دفعہ دیوار سے ٹکرا جاتا اور اِس پر یہ قہقہہ مارتے،

گلی کے آخر میں ایک گہرا گڑھا تھا جو اُس وقت پانی اور کیچڑ سے بھرا ہوا تھا۔ جس وقت یہ نابینا اِس گڑھے کے پاس پہنچا تو مجید نے دوڑ کر اور آواز بدل کر کہا، "اندھے میاں، بس بائیں طرف مڑ لو۔ گلی سے باہر پہنچ جاؤ گے۔" وہ بے چارہ مڑا تو گڑھے میں گر پڑا۔ جب مجید اور نورا قہقہہ مار کر پیچھے کو دوڑے تو ٹھیک اسی وقت رشید آ پہنچا اور اِس نے اندھے کو اس کی لاٹھی پکڑ کر اور ہاتھ کا سہارا دے کر اٹھایا اور بولا، آپ کے چوٹ تو نہیں لگی۔ لائیے میں آپ کی لاٹھی پکڑ کر آپ جہاں چاہیں پہنچا دیتا ہوں۔ میں ابّا کی دوا لینے جا رہا تھا لیکن پہلے آپ کو پہنچاؤں گا۔"

مجید پیچھے مڑ کر یہ نہ دیکھ سکا کہ ایک مجبُور کو اس کی شرارت کے باوجود سہارا مل گیا تھا اور سہارا دینے والا کتنی ہی دُعائیں پا چکا تھا۔

مجید کوئی آدھ گھنٹے کے بعد گھر کی طرف روانہ ہوا۔ سڑک پر جگہ جگہ گڑھے تھے مگر وہ بچتا بچاتا اپنی پُلیا تک پہنچ گیا تھا۔ سہ پہر کی بارش کے بعد پُلیا کے پاس کی کچھ زمین ٹوٹ کر نیچے نالی میں گر پڑی تھی اور وہاں ایک بڑا گڑھا بن گیا تھا۔ اس وقت اندھیرا بہت تھا اور مجید کو اِس گڑھے کا گمان بھی نہیں تھا۔ وہ بے خبری کے عالم میں لپکا آ رہا تھا۔ پُلیا پر پہنچتے ہی گڑھے میں اِس کا پاؤں اٹکا اور وہ بُری طرح پہلے زمین پر پتّھروں میں اور پھر نالی میں گر پڑا۔ جس وقت وہ کراہتا ہوا نالی میں سے نکلنے کی کوشش کر رہا تھا تو اس کی طرف ایک بازو بڑھا اور ایک جانی پہچانی آواز اِس کے کانوں میں پڑی۔

"بھائی مجید میرا ہاتھ پکڑ لو۔ ہائے تمہیں تو کافی چوٹ لگی ہے۔ ہمارے ہاں ٹنکچر ہے۔ میرے ساتھ چلو میں تمہیں گھر بھی چھوڑ آؤں گا۔"

"تم .... رشید .... تم اس وقت۔" مجید باہر نکل کر لڑکھڑاتی زبان سے بولا۔

"بھائی میں اِس وقت ابّا کی دوا لے کر لوٹ رہا تھا۔ میرا کندھا پکڑ لو۔"

رات کو مجید دوا لگوا کر اور چوٹوں پر سنکائی کروا کے سویا تو اس نے خواب میں دیکھا کہ وہ اندھے کو گڑھے میں گرا کر لوٹ رہا ہے اور کسی غیبی طاقت نے اسے اُس سے بھی زیادہ گہرے گڑھے میں دھکّا دے دیا ہے۔ اِس طرح اس کے کئے کی سزا اسے تقریباً فوراً مل گئی ہے۔ پھر اِس نے دیکھا کہ رشید اپنے ہاتھوں سے اُس اندھے کو سہارا دیتے کہیں لے جا رہا تھا۔ اس کے فوراً بعد کسی خوش نُما باغ میں بہت سے رنگین جھولے لٹک گئے، جہاں چاروں طرف زینے سے بنے ہوتے تھے اور سُرخ لفظوں میں لکھا ہوا تھا: "ترقّی کے زینے"۔ کسی زینے پر لکھا تھا "محنت" کسی پر "محبّت" کسی پر "صداقت" اور کسی پر "رحم دلی"۔ اور رشید باری باری ان زینوں پر چڑھ رہا تھا۔

اگلی صبح مجید اُٹھا تو وہ کمرے میں چاروں طرف ایسے جھانکنے لگا جیسے وہ خواب میں نظر آنے والے ترقّی کے زینے ڈھونڈ رہا ہو۔ رشید اُس کا حال پوچھنے آیا تو مجید کی آنکھیں بھیگ سی گئیں اور وہ رشید کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بولا "رشید بھیّا تم نے تو میری زندگی بدل دی۔ تم اب مجید کو بہت بدلا ہوا پاؤ گے۔ میں آج سے تم جیسا بننے کا عہد کرتا ہوں۔"

■ ■

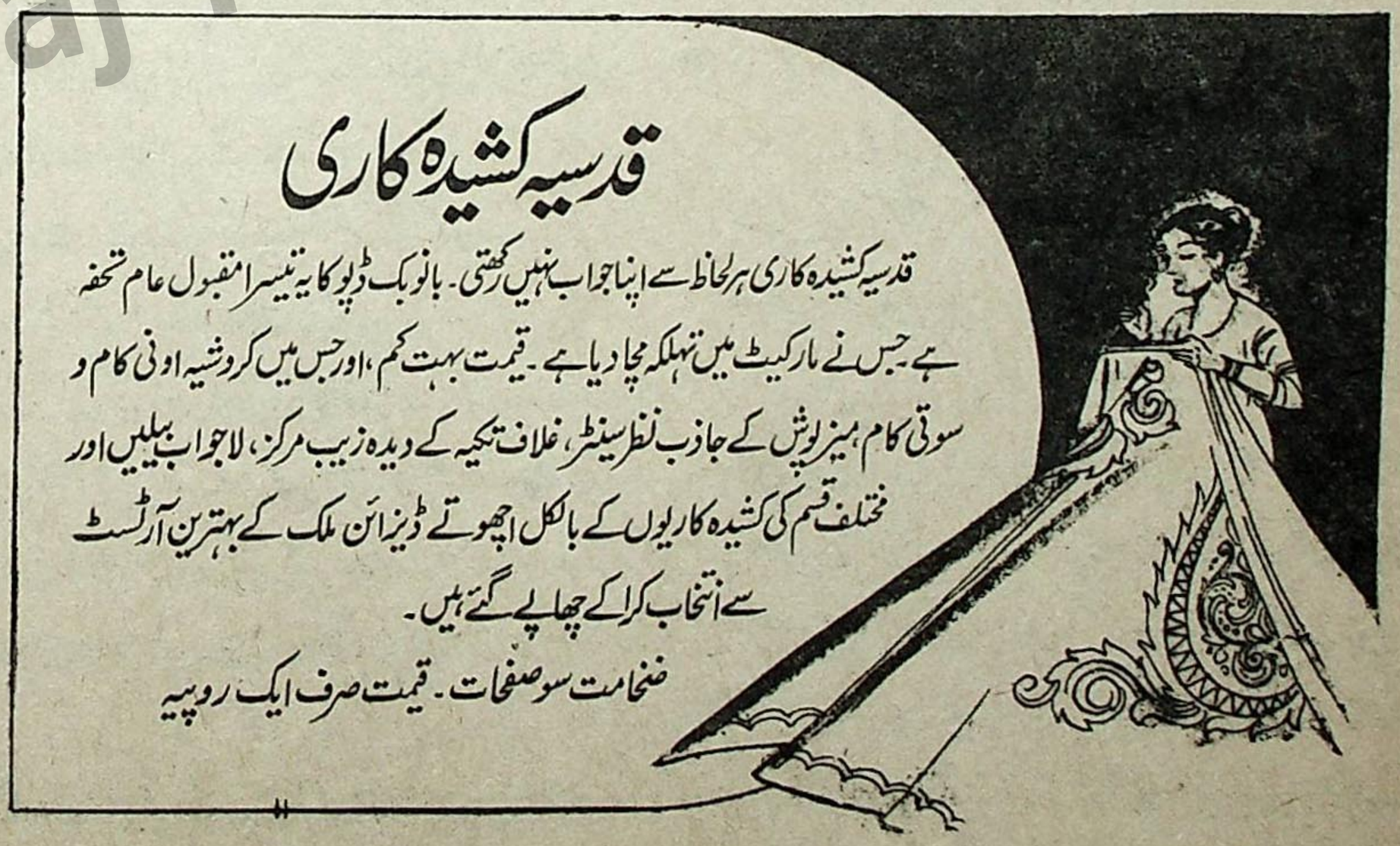

اسما سعیدی

ننھی مُنّی پیاری سیما
سب سے اچھی ہماری سیما

پاپا کی ہے اپنے دُلاری
اپنی امّی 'شمع' کی پیاری

ماموں دونوں اس پر قُرباں
زیدی صاحب کی ہے یہ جاں

دادا کی یہ لختِ جگر ہے
پھوپھی چچا کی نورِ نظر ہے

بچّوں میں یہ سب سے یکتا
کوئی بھی ایسا ہو نہیں سکتا

بھولی بھولی پیاری پیاری
دلکش چنچل سب سے نیاری

ہلکا ہلکا رُخ پہ تبسّم
نازک لب ننھا سا تکلّم

اس میں لطافت، اس میں نزاکت
اس میں تحمّل اس میں نفاست

سادہ غصّہ سادہ طبیعت
اچھی عادت بھولی صورت

کھیلنا، ہنسنا، سونا، گانا
روٹھنا رونا اور منانا

امّی کا وہ پرس اُٹھا کر
گاڑی میں پھر بیٹھنا جاکر

شاپنگ کا یہ شوق ابھی سے
اللہ رے یہ ذوق ابھی سے

فون تک اپنا ہاتھ بڑھانا
لیکن اس تک ہاتھ نہ جانا

چاندی کا اک ہاتھ میں چمچہ
یہ ہے گویا اس کا تمنچہ

دِلکش اِک اک اِس کی ادا ہے
کھیلنا ہنسنا سب سے جُدا ہے

مم کا اس کو شوق بہت ہے
پانی کا بس ذوق بہت ہے

پھولوں سے خوش ہوتی ہے
تتلی جگنو موتی ہے

مرکزِ راحت اس کی جبیں ہے
ماہِ فلک ہے مہرِ زمیں ہے

اس کا تبسّم روحِ مسرّت
اس کی خوشی ہے سب کی عشرت

نغمہ و شادی اِس کے دَم سے
گھر میں اُجالا اس کے قدم سے

ہم کو ہے پیاری سیما اسما
ننھی سیما دِلکش سیما

Taj Tamir Foundation

جادو کا چراغ

ایک دن الہ دین غار میں گیا تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس کا جادو کا چراغ تو ایک ستون پر رکھا ہے لیکن اس کے علاوہ وہاں کچھ اور چراغ بھی پڑے ہوئے ہیں۔ کیا تم تصویر کو غور سے دیکھ کر چراغوں کی صحیح تعداد بتا سکتے ہو ——؟ اپنا جواب ایک پوسٹ کارڈ پر لکھ کر "جادو کا چراغ" ماہنامہ کھلونا، آصف علی روڈ، نئی دہلی نمبر ۱ کے پتے پر بھیج دو (سالنامہ میں شائع ہونے والے تمام انعامی مقابلوں کے جواب ایک ہی لفافے میں علیحدہ علیحدہ کاغذ پر بھی بھیجے جا سکتے ہیں) ۲۷ فروری ۱۹۶۸ء تک ملنے والے جوابوں میں سے جو جواب صحیح ہوں گے ان میں سے دس بہن بھائیوں کو دو، دو روپے کی کتابیں انعام دی جائیں گی۔

جادو کا چراغ، ماہنامہ کھلونا، آصف علی روڈ نئی دہلی ۱

Taj Tahir Foundation

کیلے کے کارنامے

کے۔ پی۔ سکسینہ

چاہے وہ ہری چھال کا بمبئی والا ہو، یا پیلے رنگ کا کلکتّے والا، کیلا پھل ہی ایسا ہے کہ اس کا خیال آتے ہی مونہہ میں پانی بھر آتا ہے۔ کیلا ہمارے مُلک کا ایک عام پھل ہے اور ہر غریب، امیر کو پسند ہے۔ مگر اِس پھل کے کارنامے ایسے ٹیڑھے ہیں کہ پڑھ کر تم دانتوں تلے اُنگلی دبا لو گے۔ لو سُنو۔

۱۷۵۱ میں جان نوروڈ نام کے ایک سیّاح نے برازیل میں کیلے کا پھل دیکھا تو اُسے حیرت ہوئی۔ برازیل کے باشندے آج بھی کیلے کے پیڑ کو دیوتا مان کر پوجتے ہیں۔ لیما ملک کے باشندے سکّوں کی بجائے بیاہ شادی میں کیلے کے پھل جہیز کی شکل میں دیتے ہیں۔ جو شخص جتنے زیادہ کیلے دے سکتا ہے اُسے اُتنا ہی امیر سمجھا جاتا ہے۔

کیلا بہت مقوّی پھل ہے۔ پچھلی جنگِ عظیم میں والٹر کرافٹ مین نامی ایک شاعر نے کیلے کی تعریف میں ایک گیت لکھا — یہ گیت اتنا مقبول ہوا کہ سپاہی میدانِ جنگ میں بھی اسے گاتے رہتے تھے — کیلے کے مقوّی ہونے کا راز اِس کے وٹامنوں فاسفورس، لوہے اور تانبے میں چھُپا ہوا ہے۔ یہ سارے اجزاء کیلے میں بھرپُور موجود ہیں۔

اب سُنو کیلے کا ایک کارنامہ۔ ۱۹۲۹ میں سوئیڈن کے ایک دولت مند آدمی انٹونی میول نے اشتہار دیا کہ جو شخص بالکل سیدھا کیلا لاکر دِکھائے گا اُسے پچیس ہزار روپے انعام میں دیئے جائیں گے۔ دُنیا بھر کے سائنس داں اور نباتات کے ماہر سر پٹک کر رہ گئے، مگر بالکل سیدھا کیلا نہ فراہم کر سکے — یہ رقم آج بھی انعام کی شکل میں سوئیڈن کے ایک بینک میں جمع ہے۔ تم خود کوشش کر دیکھو۔ شاید کہیں سیدھا کیلا مِل جائے اور تمہاری قسمت کھُل جائے۔

اگر کوئی شخص تم سے کہے کہ کیلے اور مچھّروں میں گہرا تعلق ہے تو تمہیں یقین نہیں آئے گا۔ مگر پچھلے سال امریکہ کے ایک ماہر سائنس داں ڈاکٹر اسٹیفن پی لیکر نے چھان بین کے بعد پتہ لگایا ہے کہ جو لوگ زیادہ کیلے کھاتے ہیں اُنہیں مچھّر زیادہ ستاتے ہیں! سوچو بھلا یہ بھی کوئی بات ہوئی؟ مگر اِس حقیقت میں شک کی کوئی گنجائش نہیں۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کے خون میں تارپین اور سیروٹوبین، نام کے دو اہم اجزاء شامل ہوتے ہیں — یہ دونوں اجزاء مچھّروں کی مرغوب غذا ہیں۔ یہ دونوں اجزاء کیلے میں کافی مقدار میں ہوتے ہیں۔ کیلا کھاتے ہی دونوں اجزاء خون میں مِل جاتے ہیں۔ ان اجزاء کے مِل جانے سے خون میں ایک عجیب قسم کی خُوش بُو پیدا ہو جاتی ہے جسے مچھّر بے حد پسند کرتے ہیں۔ مچھّروں کے علاوہ کھٹمل اور جُوئیں بھی اسے بہت پسند کرتی ہیں۔ گویا کیلا کھانا مچھّر میاں کو دعوت دینا ہوا۔

اُدھر کیلے کی خوبیاں بھی ایسی ہیں کہ بغیر کھائے رہیں بھی تو کیوں کر؟ تمہیں شاید معلوم نہ ہو گا کہ جسم کو قوّت عطا کرنے میں ایک کیلا، ایک سیب، یا دس بادام، یا ڈیڑھ پاؤ دودھ یا سات اونس سنترے کے رَس کے برابر ہوتا ہے۔

افسوس ہے تو اتنا کہ ہمارے شاعروں نے آموں کی تعریف میں تو اتنے قصیدے پڑھے مگر بدنصیب کیلے کی شان میں کسی کو ایک شعر بھی کہنے کی توفیق نہیں ہوئی۔ ●●

Taj Tahir Foundation

تمہارے دل پسند ادیب سراج انور کا لکھا ہوا

حیرت انگیز باتصویر ناول

خوفناک جزیرہ

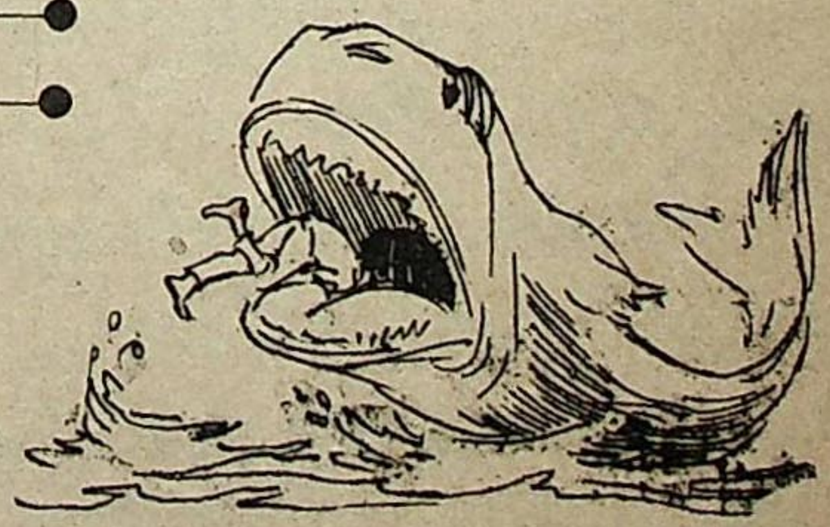

- پتھر کے دیو ——— جو سو بیا دھات کے محافظ ہیں اور چٹانوں میں اس طرح سما جاتے ہیں جیسے قطرہ پانی میں!
- خوفناک مچھلی کا شکار، فیروز خود مچھلی کا شکار ہو جاتا ہے اور ساتھیوں سے بچھڑ جاتا ہے!
- عجیب زمین، جو اتنی چکنی ہے کہ فیروز بار بار پھسل جاتا ہے اور جس میں سے پانی کی بجائے خون کا فوارہ نکلتا ہے!
- سمندر میں دُودھیا رنگ کی کُہر کی ایک دیوار، جہاں پانی گرم ہے۔ اور جس کے اندر جانا موت کو دعوت دینا ہے!
- ایسا پہاڑ، جو اُنگلی لگانے سے بھی گھنٹوں تک ہلتا رہتا ہے!
- ایسی چٹان جو رات کو سمندر کے نیچے تھی اور جس سے ٹکرا کر جہاز رُک جاتا ہے۔ مگر صبح کو وہی چٹان ۵۰۰ فٹ اونچا پہاڑ بن جاتی ہے، جس کی چوٹی پر جہاز ڈگمگا رہا ہے!
- ایسی کاہی جس کی تلاش میں پرندے ہزاروں میل دور سے آتے ہیں، مگر جسے کھاتے ہی بے ہوش ہو جاتے ہیں!
- خوفناک دیوزاد مکھی، جس کی ناک سے شعلے نکلتے ہیں اور جو دھیل مچھلی سے بھی لمبی ہے!

BRARY

سراج انور کا لکھا ہوا یہ پہلا طویل ناول ہے۔ جس میں قدم قدم پر خوفناک اور دِل ہلا دینے والے واقعات ہیں۔ جگہ جگہ تصویریں دی گئی ہیں۔ ہر سطر پڑھنے کے بعد دماغ سوچتا ہے کہ اب کیا ہوگا اور دل چاہتا ہے کہ شروع کرنے کے بعد ختم کئے بغیر نہ اُٹھا جائے ———!

قیمت پانچ روپے۔ صفحات چار سو سے زائد۔ طباعت فوٹو آفسیٹ۔ سفید عمدہ کاغذ

کھلونا بک ڈپو۔ آصف علی روڈ۔ نئی دہلی ۱

سال نامہ کھلونا نئی دہلی ۱۳۸

Taj Tahir Foundation